احسنِ تقویم

پروفیسر احمد رفیق اختر

احسنِ تقویم

پروفیسر احمد رفیق اختر

(تالیف: کلثوم اسماعیل)

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

اللہ کے لئے

"جس کو نہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، نہ خیال وگمان کی
اس تک رسائی ہو سکتی ہے، نہ اوصاف بیان کرنے والے
اس کے اوصاف بیان کر سکتے ہیں"۔۔۔۔۔

(حصن حصین)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِہًا مَّثَانِیَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡہُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُہُمۡ وَقُلُوۡبُہُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ہُدَی اللّٰہِ یَہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ (الزمر 23:39)

اللہ نے بہت اچھی بات کتاب اتاری (یعنی قرآن) جس کی آیتیں ملی جلی ہیں، دہرائی گئی، جولوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کی کھال کے روئیں (اس کو پڑھ کر) کھڑے ہوجاتے ہیں پھر اللہ کی یاد کی طرف ان کے (بدن کے) پوست اور دل نرم ہوجاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کو چاہتا ہے اس سے راستہ دکھاتا ہے۔

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر

پیش لفظ

جدید سائنسی دور میں اسلام اور خدائے واحد، زوال پذیر نظریات متصور ہوتے ہیں۔
سائنس مغرب کی طرف اور مذہب مشرق کی جانب رواں دواں لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عصرِ حاضر کی ترقی یافتہ اقوام کی سائنسی، فنی اور تکنیکی مہارت اور لادینی، مادر پدر آزاد جمہوری نظریات اور نیو ورلڈ آرڈر کے سامنے دم توڑتا ہوا مفروضہ نظر آتا ہے۔ اسلام موجودہ دور کی نام نہاد تہذیب و ثقافت کے مقابلے میں ناقابلِ عمل فرسودہ نظام دکھائی دیتا ہے۔ حقیقی سچائی کا متلاشی و متجسس ذہن موجودہ معلوماتی سیلاب کی طوفانی لہروں کے گرداب میں متحیر نظر آتا ہے۔
ایسے میں ایک فطری استاد پروفیسر احمد رفیق اختر صاحب کشتِ زر بار لئے عملِ بست و کشاد سے گزارتے ہوئے پسِ حجاب پیمانِ ازل دے رہے ہیں کہ یہ آسماں بھی اک رستہ ہے۔ اور مقدمۃ القرآن لکھ کر حقیقتِ منتظر کی نشاندہی کر رہے ہیں، جہاں سورج نہیں ڈھلتا۔

اللہ ترجیحِ اوّل ہے۔ لا الـــــہ الا الـلــــہ کا اس سے بہتر ترجمہ نہ کیا گیا تھا۔
محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کا شاہکار ہیں۔ اس سے بہتر کانوں نے نعت نہ سنی تھی۔ انبیاء اپنے زمانے کے ذہین ترین لوگ ہوتے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ بالائے حدودِ زمان و مکاں ذہین ترین ہستیء مبارکہ ہیں۔

قرآن اللہ کے الفاظ ہیں۔ قرآن لوحِ محفوظ ہے۔ سائنس کتابِ تحقیق ہے اور قرآن کتابِ تخلیق ہے۔ قرآنی معجزات مافوق الفطرت نہیں بلکہ قوانینِ فطریہ ہیں۔

تصوّف واحد طرزِ زندگی اور طریقت شریعت کی نیت ہے۔ مومن اور صوفی ہم معنی ہیں۔ مناسب وقت میں اللہ تعالیٰ کو ترجیح اوّل منتخب کر کے ذکر اللہ کیا جائے بقیہ زندگی بذریعہ اجتہاد ترجیح اولیٰ کی حفاظت کرتے ہوئے معتدل بسر کی جائے۔ اعتدال بجز علم اللہ ممکن نہیں اور علم کو عمل پر فضیلت حاصل ہے۔ تحقیق انسانی علم اللہ تک پہنچ کر حتمی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ بقیہ علوم وقتی ہیں۔ علم الاسماء (حروفِ مقطعات) بنیادی انواع و اقسام کا علم ہے۔

استادِ معظم کی تصانیف وتقاریر میں تمام اسلامی مکاتبِ فکر اور جدید سائنسی علوم سمٹتے نظر آتے ہیں۔ حزن و ملال اور پُر آشوب موجودہ دور کو استادِ محترم فتنہء آخرزماں قرار دیتے ہیں۔ ان کی تصانیف وتقاریر عالمِ اسلام کو قرآن مجید کی طرف رجوع اور استقامت کا سبق دیتی ہیں۔ اپنی ترجیح اولیٰ کو پلٹتے ہوئے اسباب کی بجائے صاحبِ اسباب پر بھروسہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ صاحبِ خدا شناس ہیں۔ استادِ محترم زیرِ نظر کتاب میں بھی ترجیحات کی مناسب ترتیب کرتے قرآن، تصوف اور اسلام کے مستقبل کے بارے میں خدشات دور کرتے ہیں اور عالمِ اسلام خصوصی طور پر نوجوان نسل کیلئے رشد وہدایت کا ساز وسامان لئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس فطری استاد کی کاوشوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ (آمین)

۲ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ (22 جنوری 2007ء)

محمد صدیق شیخ
ایڈیشنل سیکرٹری (چیف منسٹر سیکریٹریٹ)
7- کلب روڈ، لاہور

قرآن زمان ومکاں کے تناظر میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا

خواتین وحضرات! سال کے سال آپ کی آمد ہمارے دل کی آبادی کا باعث ہے۔ جو محبت آپ کو علم سے، شعور کی پذیرائی سے، شناخت سے، خود آگہی سے، خدا آگہی سے ہے، اُس کیلئے بحیثیت ایک معمولی سے ٹیچر کے میں آپ کو مبارکباد بھی پیش کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ جس سنگلاخ سرزمین سے ایسے شگوفے پھوٹتے ہوں، اللہ کے فضل سے وہ ملک، وہ زمین، وہ امت اور وہ قوم ہمیشہ سرفراز رہے گی، سدا بہار رہے گی۔ خواتین وحضرات! آج کے موضوع کے بارے میں ذرا سی کچھ غلط فہمی ہوئی۔ میں نے اُس کا عنوان چنا تھا: قرآن زمان ومکاں کے تناظر میں۔ نظریہء زمان ومکاں پر یہ کوئی جداگانہ مکالمہ یا بات چیت نہیں ہے بلکہ آج کچھ ایسی باتیں ہیں جو شاید ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہیں کہ زمان ومکاں میں قرآنی تعلیمات کے ساتھ ہم نے کتنا انصاف کیا ہے؟ اور کیا ہے یا نہیں کیا ہے؟ اور کیا اب ہم نے وہ روش بدل لی ہے؟ کیا ہم نے اندازِ فہمِ قرآن بدل لیا ہے؟ کیا ہم نے اللہ کی آیات کو ان کے اصلی پیش منظر میں، معانی میں اور جو پروردگار کو منظور ہوا، کیا اُن معنوں میں سمجھنے کی کوشش کی ہے......؟

خواتین وحضرات! قرآن کے بارے میں جو بڑے بڑے اعتراضات ہمیں نظر آتے ہیں، جو بڑے بڑے فلاسفہء مغرب کے اعتراضات ہیں اور جو مشرق کے secularists کے اعتراضات ہیں، اگر میں انکا خلاصہ کروں تو اللہ کے بارے میں اور قرآن کے بارے میں ایک مختصر ا بات وہ کہتے ہیں کہ اللہ کا کوئی data زمین پر موجود نہیں ہے۔ وہ اس بات کو سوچنے کی کوشش نہیں کرتے کہ اگر کسی کتاب کا دعویٰ یہ ہو کہ میں اللہ کی کتاب ہوں تو اس کتاب کو reject کرنے کے بعد، اس کو غلط ثابت کرنے کے بعد، کتنا آسان ہو جائے گا کہ ہم خدا سے بھی نجات پالیں گے۔ اُن دانشوروں کو یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ قرآن سے رہائی دراصل اس کائنات کے خالق ومالک سے رہائی ہے اور اگر خدا نہ ہو تو بندہ آزاد ہے جو چاہے کرے۔ پھر

مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ میں شاید secular فلاسفی سے بہت آگے نکل جاؤں، میں دانشورانِ مغرب سے بھی آگے نکل جاؤں، میں آزادی کی وہ صورتیں اختیار کروں جو شاید ہر فردو بشر کو شرما دیں۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ اللہ کے دو datas زمین پر ہر وقت موجود رہے ہیں۔ پندرہ سو برس سے ہم ان datas سے بخوبی واقف ہیں۔ ایک قرآنِ معظم ہے اور دوسرا قرآنِ مجسم ہے۔ آج کی بات قرآنِ معظم تک محدود ہے اگرچہ قرآنِ معظم کا ذکر قرآنِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر ہو نہیں سکتا مگر کوشش میں یہ کر رہا ہوں کہ آج ایک academic لیکچر میں آپ کو یہ بتانے کی کوشش کروں کہ ہم اللہ کے ساتھ کیسے behave کرتے رہے ہیں اور اعلیٰ ترین کتابِ علم کے ساتھ ہمارا رویہ صدیوں سے کیسا ہے؟

خواتین وحضرات! سب سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ قرآن اپنی سب سے اولین حیثیت کیا قرار دیتا ہے؟ وہ اپنے اندر کس چیز کو اہمیت دیتا ہے؟ اور اگر مخلوق کو وہ پکارتا ہے اور ہدایت کی خبر دیتا ہے تو اُن کی کس چیز کو وہ سب سے پہلے پکارتا ہے؟ قرآنِ حکیم میں اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ قرآن جو عربی میں اُتارا، یہ تمہارے غور وفکر کیلئے، تدبر کیلئے، علم و دانش کیلئے اُتارا تا کہ تم میری آیات پر غور کرو، سوچو اور سمجھو اور فرض کیجئے کہ ہم اُس غور وفکر کے قابل نہ ہوں، فرض کریں کہ ہم تعلیم سے آشنا نہ ہوں، فرض کیجئے کہ ہم قرآن کو بغیر سوچے سمجھے پڑھیں، فرض کریں کہ ہم جزدان سے نکال کر، چوم کر اور پڑھ کر دوبارہ اسے جزدان میں رکھ دیں اور ایک لمحے کیلئے بھی ہمارے علم میں، ہمارے وجدان میں، ہمارے خیال میں، نہ قرآن کی عظمت کا خیال آئے، نہ اُس کے مضمون کا خیال آئے، نہ اُس کے خالق کا خیال آئے تو آپ کا کیا خیال ہے کہ اللہ کی رائے آپ کے بارے میں کیا ہوگی؟ ایک ہی آیت میں مختصراً اللہ نے بتایا کہ:

"اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَ اللهِ الصُّمُّ البُكمُ الَّذِينَ لَا يَعقِلُونَ " (الانفال 22:8)

(یعنی اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ ہیں جو گونگے اور بہرے ہیں، جو سوچتے سمجھتے نہیں ہیں۔)

یہاں پروردگارِ عالم نے اُن انسانوں کو جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا جو بغیر غور وفکر کے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ایک اور آیت میں اللہ نے قرآن کی، اپنی کتاب کی، اپنے اقوال کی definition دی، فرمایا:

وَلَقَد جِئنٰهُم بِكِتٰبٍ فَصَّلنٰهُ عَلٰى عِلمٍ (اعراف 52:7)

(اور بے شک ہم ان کے پاس ایک کتاب لائے جسے ہم نے ایک بڑے علم سے مفصل کیا۔)

ہم نے جو یہ کتاب آپ کو عطا کی ہے اس کی تفصیل علم کے ساتھ ہے۔ یہ بغیر علم آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گی۔ یہ کتاب جو ہم نے آپ پر اتاری ہے، یہ آپ کی سوچ اور سمجھ کیلئے اُتاری ہے! اور بدقسمتی یہ ہے کہ جو بغیر علم اس کی طرف آئے گا وہ اس کی تفصیلات پا نہیں سکے گا۔ بغیر غور و فکر کئے آپ اللہ کے رمز و کنایہ اور اسرار کو سمجھ نہیں پائیں گے، پھر ربّ کریم نے دوبارہ کہا:

''قَد فَصَّلنَا الأيٰتِ لِقَومٍ يَّعلَمُونَ '' (الانعام 97:6)

فرمایا کہ میں نے یہ تفصیل اس لئے دی کہ سوچنے، سمجھنے والے اس کو سمجھیں، پڑھیں، دیکھیں کہ یہ کتاب محض رسم و رواج کی نہیں، ظاہرہ عبادات کی نہیں، یہ taloo, totem کی کتاب نہیں بلکہ کائنات اوّل سے لیکر آخر تک یہ پروردگارِ عالم کا صحیفۂ علم ہے، دانش وروں کی متاع ہے، زندگیٔ انسان کا سب سے بڑا خزانہ ہے مگر کیا واقعی ہم اس کو اُسی طرح پڑھتے ہیں، جیسے اسے پڑھنے کا حق ہے۔

خواتین و حضرات! کسی بھی چیز کو پڑھنے سے پہلے، کسی بھی خیال کو اخذ کرنے سے پہلے، کسی کتاب کو لکھنے سے پہلے، کسی مقالے پر وضاحت کرنے سے پہلے، اُس پر research کرنے سے پہلے، ایک جنرل سا قانون ہوتا ہے کہ تمام لوگ اپنا اپنا ایک تحقیقی synopsis بناتے ہیں۔ اگر قرآن میں ایک موضوع ہے۔ تو پڑھنے والا یہ جاننے کی کوشش کرے گا کہ کیا یہ موضوع پہلی بار قرآن میں آیا ہے؟ کیا یہ جو مذہب کی پُکار ہے، یہ قرآن میں پہلی مرتبہ آئی ہے؟ کیا یہ خدا anthropology کی بات کرتا ہے:

''وَلَكُم فِي القِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الالبَابِ '' (البقرة 179:2)

(اے اہلِ عقل! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔)

کیا یہ بات پہلی مرتبہ قرآن ہی نے کہی ہے؟ کیا اس سے پہلے کوئی علم موجود نہیں تھا؟ کیا اس سے پہلے کوئی شناختِ انسان موجود نہ تھی؟ آخر ہزارہا سال پہلے انسان جو وقت سے گزر کر آیا ہے، کیا قرآن نے اُن سے copy کیا ہے؟ قرآن نے اُن سے اخذ کیا ہے؟ کیا اپنے زمانے میں قرآن نے علومِ حاضرہ سے اخذ کیا ہے؟ کیا جو دوسرے لوگوں کی رائے تھی، جو مروجہ رائے تھی، کیا قرآن نے اپنے صفحات میں وہ مروجہ رائے لکھ دی ہے؟ جیسے بہت سے ایسے احباب ہیں، جنکا خیال یہ ہے کہ قرآن نے اپنے گرد و پیش سے معلومات اکٹھی کیں اور ذرا بہتر طریقے سے لکھ دیا۔ کیا ہمارا یہ فرض نہیں بنتا کہ ہم اُن معلومات کو، اُس خبر کو، اُس اندازِ تحقیق کو غور و فکر سے پڑھیں۔ بار بار جو پروردگارِ عالم آپ کو غور و فکر کیلئے کہہ رہا ہے، تو کیا وہ اپنے آپ کو توازن میں نہیں ڈال

دیتا؟ کیا وہ اپنے آپ کو تنقید کے پلڑے میں نہیں ڈال دیتا؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ اگر اُس کی کوئی بات غلط ہے، اگر اُس کی کوئی بات تحقیق شدہ نہیں ہے، اگر اُس کی کسی بات میں وزن نہیں ہے، اگر وہ دورِ حاضر یا دورِ قدیم میں کسی ایسی تحقیق کے خلاف جو فائنل ہو چکی ہے، تو یقیناً آپ کا حق بنتا ہے کہ آپ کہیں کہ اے پروردگار تیرے بندوں نے تھوڑا سا علم تجھ سے زیادہ حاصل کر لیا ہے۔

مگر خواتین و حضرات! بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو کوئی عزت و وقعت نہیں دی۔ ہم نے اُسے چوما بہت، چاٹا بہت، جزدان نئے نئے بہت بنائے، ہم نے اُسے بہت ہی عزت و وقار سے، جیسے آباؤ اجداد کی تصویریں سجاتے ہیں، ہم نے اُس پر ہار بھی ڈالے مگر ہم نے اُس کے موضوعات پر کوئی تحقیق نہیں کی۔ یہ ایک بڑی بدقسمتی کی بات ہے اور اگر کی ہوتی تو ہمیں ایک حیرت انگیز انکشاف ہوتا کہ قرآن نے زمانۂ قدیم سے اپنے وقت سے اور آنے والے وقت کے بارے میں ساری statements دی ہیں اور زمانے نے ثابت کیا، وقت نے یہ ثابت کیا کہ اہلِ قدیم کے دانشور بھی غلط تھے، سائنس دان بھی غلط تھے، صرف اور صرف اللہ ہی سچا تھا اور اس سے بہتر کسی کی خبر نہیں۔ اُس سے زیادہ سچائی کی خبر کسی کی نہیں ہو سکتی۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ قرآن کتابِ تخلیق ہے اور سائنس کتابِ تحقیق ہے۔ ان دونوں میں یہ بہت بڑا فرق ہے جو ہمیں ہر صورت ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے اور اگر تخلیق اور بنیادی خالق کی کوئی information غلط ہو گی۔ تو پھر ہم اس خالق کو مان نہیں سکتے۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ انسان ہزار مرتبہ خطا کرے انسان رہتا ہے۔ اس کی جنس، اُس کا حلیہ، اُس کی location، اس کی recognition، اُس کا نام نہیں بدلتا۔ ہزار خطاؤں کے باوجود بھی انسان، انسان رہتا ہے، اگر اللہ ایک خطا بھی کرے تو اللہ نہیں رہتا، دیکھیئے کیا جبر ہے خدا پر کہ اگر اللہ ایک بھی خطا کرے تو خدا نہیں رہتا، تو پھر آپ کے پاس کتنی بڑی وسیع زمین ہے۔ قرآن اتنی بڑی کتاب ہے، کتنی بے شمار اُس میں معلومات ہیں۔ کیا آپ جرأت نہ کرو گے......؟ ایک جرأت بھی نہ کرو گے......؟ کہ اُس information کو اُس تعلیم کو، اُس ساری بات چیت کو جو آپ قرآن میں پڑھ رہے ہو اگر آپ اُس کو properly چیک کرو۔ تو آپ کو قرآن سے بھی نجات ہو جائے گی، خدا سے بھی نجات ہو جائے گی۔

حضراتِ گرامی! خواتین محترمات! میں نے یہ بڑی سنجیدگی سے کوشش کی تھی کہ کسی طریقے سے، جدید ترین researches کے ذریعے اعلیٰ ترین خیالات کی تعلیم کے ذریعے،

دانشورانِ عصر کی مدد سے کسی نہ کسی طریقے سے میں قرآن کی کوئی بات غلط کر دوں مگر افسوس کہ یہ ممکن نہ ہوا...... مگر ایک سوال میں آپ سے بہت seriously کرنا چاہتا ہوں جو شاید پہلے آپ سے نہ کیا گیا ہو۔ یہ سوال آپ سے ہے، سوال یہ ہے کہ تیرہ سو برس سے ہمارے علمائے دین نے چاہے وہ کسی بھی خیال سے تعلق رکھتے ہوں، کسی بھی مذہب کے مسلک سے تعلق رکھتے ہوں، قرآن پر اعتبار کیوں نہیں کیا۔ میں ابھی آپ کو یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ آخر یہ کیا المیہ تھا، یہ کیا حادثہ تھا کہ ہمارے علماء نے، ہمارے صاحبِ فضیلت لوگوں نے، تاریخ میں مرقوم بڑے بڑے ناموں نے، وہ بڑے نام جن کو بڑی عقیدت و محبت سے چومتے ہیں آخر انہوں نے اللہ پر اعتبار کیوں نہیں کیا؟ اگر کر لیتے تو آج پندرہ سو برس بعد آپ بھی تاریخِ عالم میں اُستادِ علوم ہوتے۔
ایک چھوٹی سی بات کہ جب اللہ پندرہ سو برس پہلے یہ کہہ رہا تھا:

''اَوَلَم یَرَالَّذِینَ کَفَرُوا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ کَانَتَا رَتقًا فَفَتَقنٰھُمَا'' (الانبیاء 21:30)

(کہ تم میرا انکار کیسے کر سکتے ہو۔ یہ زمین و آسمان پہلے ایک وجود تھا، یہ بٹا ہوا وجود نہیں تھا۔ یہ پہلے ایک وجود تھا پھر ہم نے اس کو پھاڑ کر جدا کر دیا۔)

''وَجَعَلنَا مِنَ المَآءِ کُلَّ شَیءٍ حَیٍّ'' (الانبیاء 21:30)

(اے لوگو! سن لو کہ میں نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔)

خواتین و حضرات! اگر یہ statement مسلمانوں کے اعتبار میں ہوتی، اگر علمائے دین نے یہ بات مان لی ہوتی، اس پر یقین کر لیا ہوتا، تو Sir James Jeans سے تیرہ سو برس پہلے آپ کا نام، اسلام کا نام، قرآن کا نام Muslim Scientists کا نام اس وقت سرِ فہرستِ تحقیق ہوتا اور یہ credit جو بیسویں صدی کے سائنس دانوں کو گیا ہے، یہ بیسویں صدی کے سائنسدانوں کو نہ جاتا۔ کیا تعجب کی بات ہے کہ قرآن پر لوگوں کو اتنی بے اعتباری تھی کہ اتنی بڑی statement کو کسی chronicle نے بھی mention نہ کیا، اگر علماء اپنے عقائد کا اظہار کرتے اور کتاب ہائے علم میں اس approach کو درج کرتے اور بار بار اس کو ہر زمانے میں repeat کرتے تو غیر کیسے اس discovery کو اپنے نام لے لیتے...... یہ کبھی ممکن نہ ہوتا۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے دانشوروں نے، مفسرین نے، ہمارے محدثین نے، تمام علماء نے، قرآن کی اس آیت کو اُس طرح نہیں لیا، جس طرح اس کو لینا چاہیے تھا۔
خواتین و حضرات! کچھ mentions میں آپ کو سناؤں گا۔ ایک gynae کی

بات ہے، بچے کی پیدائش کی بات تھی اور بڑی دیر کے بعد sonography آئی، بڑی تحقیق ہوئی، بڑی جدوجہد ہوئی مگر اُس کے باوجود پندرہ سو برس پہلے کسی دوربین، کسی خُردبین کے بغیر کسی سونوگرافی کے بغیر پروردگارِ عالم بچے کی پیدائش کی کچھ stages گنا رہا تھا:

''فَاِنَّا خَلَقنکُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن مُّضغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیرِ مُخَلَّقَةٍ''

(پھر بے شک ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا تھا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کے ٹکڑے سے......)

خواتین وحضرات! اب ذرا خود تو سوچو، جب نہ آنکھ تھی، نہ باریکیوں کے پرکھنے والی کوئی جگہ تھی، تب قرآنِ حکیم نے یہ statements دیں۔ Gynecologist اگر ان باتوں کو مان لیتے اور ان باتوں پر ذرا سی تحقیق کرتے Romans نے جو پہلی Anatomy دی...... Greeks کے پاس یہ علم نہیں تھا۔ قرآن حکیم نے ان میں سے کسی بات کو follow نہیں کیا اللہ نے ان سب کو انکل پچو اور خناس کہا اور اپنی تخلیق کے مراحل کا خود ذکر کیا۔ میں اس پر آپ کو ایک internationally renowned top embryologist Keith Moor کی وضاحت بتاتا ہوں:

His comments are recorded in which he said that I have no doubt in my mind that Mohammad, Jesus and Moses come from the same school. اس آیت کو پڑھنے کے بعد کم از کم اگر اُس نے اور کوئی credit دیا ہو یا نہ دیا ہو لیکن ایک credit ضرور دیا رسول ﷺ کو کہ یہ معلومات اتنی سچی ہیں، اتنی غیر معمولی ہیں کہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ محمد ﷺ اور عیسیٰؑ اور موسیٰؑ ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں یعنی یہ پیغمبر ہیں، یہ سچے ہیں، یہ خدا کی طرف سے آپ کو تعلیم دیتے ہیں:. They speak truth and only truth

خواتین وحضرات! بڑی عجیب وغریب کچھ آیات ہیں......اور embryology میں نسلِ انسان کی جو progresses زمانوں میں ہوئی ہیں، پروردگار نے ان کے بارے میں فرمایا:

''هَل اَتٰی عَلَی الاِنسَانِ حِینٌ مِّنَ الدَّهرِ لَم یَکُن شَیئًا مَّذکُورًا '' (الدھر 1:76)

(بے شک آدمی پر ایک وقت گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔)

بلاشبہ زمانے میں انسان کوئی ایسی شے نہ تھا کہ اُس کا ذکر ہوتا، نہ قابل ذکر تھا، نہ اُسکا وجود قابل ذکر تھا، نہ اس کی کوئی ایسی حیثیت قابل ذکر تھی، نہ وہ اپنے مقام میں کسی ترقی میں تھا، وہ اتنا حقیر تھا، اتنا پست تھا.....لوگ کہتے ہیں کہ شاید کائی کی ایک شکل تھا یا شاید وہ الجی کی ایک صورت تھا۔ پھر اللہ نے اُسے progress دی۔

"اِنَّا خَلَقنَا الاِنسَانَ مِن نُّطفَۃٍ اَمشَاجٍ "(الدھر 2:76)

(بے شک ہم نے انسان کو دہرے نطفے سے پیدا کیا۔)

یعنی پھر ہم نے single cell سے اسے مخلوط کر دیا، اب اُس میں male اور female پیدا کیے، single centre کو توڑ دیا، پھر اُس سے آگے ہم نے اُس کے بقا یا system اُسے دینے شروع کئے۔ نَبتَلِیہِ (تا کہ اسے جانچیں) اب ہم نے چاہا کہ اس مخلوق کو اور آگے بڑھائیں:

"فَجَعَلنٰہُ سَمِیعًام بَصِیرًا " (الدھر 2:76)

(پس ہم نے اسے سنتا دیکھتا کر دیا۔)

ہم نے اس کو سماعت کے system دیئے، اس کو بصارت کے system دیئے، مگر یہ ابھی اس قابل کہاں ہوا تھا کہ ہمیں پہچان سکتا۔ پھر پروردگارِ عالم نے فرمایا:

"اِنَّا ھَدَینٰہُ السَّبِیلَ " (الدھر 3:76)

(بے شک ہم نے اسے راہ دکھائی۔)

اب ہم نے اس کو عقل و شعور بخشا، ہدایت بخشی۔ اب یہ اس قابل تھا کہ علم وصول کر سکے، اب یہ اس قابل تھا کہ ہدایات پا سکے اور کس لئے.....؟

"اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُورًا " (الدھر 3:76)

(یا حق مانتا یا انکار کرتا۔)

آپ کو پتہ ہے کافر کس کو کہتے مگر یہاں کافر کا مطلب یہ ہے کہ جو عقل و معرفت کا بیج ہی قبول نہیں کرتا۔ کافر وہ ہے جو عقل و دانش کا، شعور کا بیج ہی اپنے اندر نہیں ڈال رہا۔ اگر وہ بیج ڈال دے وہ اُگنا شروع ہو جائے، تو تحقیق و جستجو اور علم کا معیارِ آخری یہ ہے کہ وہ ضرور اللہ کی تلاش کرے اور اللہ کو پا جائے۔ بدقسمتی سے آپ کا تمام علم و تحقیق، تمام جستجو تمام کوشش اگر اللہ تک نہیں پہنچ رہی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ approach ناقص ہے، تعلیمی انداز ناقص ہے.....تو آپ کو واپس آنا چاہیئے، آپ کو fault discover کرنا چاہیئے اور غور کرنا چاہیئے کہ ہماری کس کم علمی کی وجہ

سے ہم خدا کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں۔

خواتین وحضرات! اللہ تعالیٰ کی یہ بات بہت مدتوں بعد سائنس دانوں نے discover کی، نہ یہ قدیمی سائنس دانوں کے پاس تھی، نہ یہ قرآن کے زمانے میں کسی سائنس دان کے پاس موجود تھی۔ آجکل کے زمانے میں بالآخر سائنس دان اس بات پر متفق ہوئے اور دو اصول قائم کئے کہ تمام حیات واقعی پانی سے پیدا ہوئی ہے اور پھر یہ بھی کہا کہ انسان آغازِ حیات میں محض ایک نفسِ واحد تھا اور حیات تمام ایک سنگل cell سے شروع ہوئی۔ ان باتوں کا سمجھنا اگرچہ تھوڑا مشکل تھا مگر جو سوال میں نے آپ سے کیا تھا کہ عالمِ اسلام میں کیوں پہلے کسی نے علم کی کتابوں میں قرآن کے thesis نہ لکھے۔ معتزلہ، اشاعرہ ماترید یہ، جو Greek philosophy سے اتنے متاثر تھے۔ جو لوگ Romans سے متاثر تھے، اُن کو اُس وقت کیوں خیال نہ آیا کہ قرآنِ حکیم بنیادی حقائق کی جو بات کر رہا ہے، اس سے کسی کو مفر نہیں۔

خواتین وحضرات! آگے بڑھتے ہیں......ایک عجیب وغریب بات جو اللہ نے فرمائی کہ ہم تجربے کرتے چلے آرہے ہیں۔ ہم نے جاندار بنائے مگر اُن کو مختص نہیں کر دیا، ہم نے اُن کو fix نہیں کر دیا، ہم اُن کی تخلیق کو اپنے مقصد کیلئے متواتر بدلتے چلے آئے ہیں۔ اُن میں changes آتی رہی ہیں، اُن میں mutations ہوتی رہی ہیں۔ اگر آپ یہ کہو کہ Darwin سچا تھا تو Darwin صرف partially سچا تھا اسلئے کہ Darwin نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اُس نے تو اللہ کی زمین پر اللہ کیلئے نہ سہی کم از کم اپنی تحقیق وجستجو میں کسی معیار کو حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اُس کے بعد بہت تبدیلیاں ہوئیں، Darwin متروک ہوا اور یہ اسی لئے ہوا کہ بعض changes ایسی تھیں جو اُس کے نظریہ پر پوری نہیں اُترتی تھیں مگر خدا اس سے بہت پہلے آپ کو کہہ رہا تھا۔

نَحنُ خَلَقنٰهُم وَشَدَدنَا اَسرَهُم وَ اِذَا شِئنَا بَدَّلنَا اَمثَالَهُم تَبدِيلاً (الدھر 28:76)

(ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کے جوڑ بند مضبوط کئے اور ہم جب چاہیں ان جیسے اور بدل دیں)

یعنی کہ ہم کہیں نہ کہیں D.N.A. میں، embryo میں changes کرتے رہتے ہیں تا کہ وہ اپنے حالات کے مطابق آگے بڑھنا سیکھیں تا کہ ہم جو مقصد اس سے حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ حاصل کریں اور حتیٰ کہ:

" لَقَد خَلَقنَا الِانسَانَ فِی اَحسَنِ تَقوِیمٍ " (التین 4:95)

تا کہ وہ ایک ایسے توازن میں پہنچے جو ہمارا منشائے کائنات ہے، جو ہمارا مطلب ہے۔اس وجودِ انسان سے وہ ایسا علم پائے جو ہمیں جاننے کیلئے ضروری ہے تا کہ بالآخر ہم اس پر وہ چوتھا قانون لاگو کر سکیں: اِنَّـا هَـدَيـنٰـهُ السَّبِيلَ ...... بعض لوگ اعتراضات کرتے ہیں کہ کیا fixity میں انسان بنایا گیا؟ کیا اُسے مختص اور fix کر دیا گیا؟ کیا اللہ نے اُس کے gene کو ابتدائی شکل میں ہی ایک مکمل انسان کی صورت میں فعال کیا؟ اگر چہ مطلب تو انسان ہی بنانا تھا، انسان ہی کو develop کرنا تھا مگر اُس کے اندر سے کوئی ایسی چیز نکالی نہیں تھی، کوئی ڈالی نہیں تھی۔ پروردگار نے تمام مخلوقات کے بارے میں ایک اصول دیا اور فرمایا:

''اَلحَمدُ لِلّٰهِ فَاطِرَالسَّمٰوٰتِ والاَرضِ جَاعِلِ المَلٰئِكَةِ رُسُلاً اُولِی اَجنِحَةٍ مَّثنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ط يَزِيدُ فِی الخَلقِ مَا يَشَآءُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیءٍ قَدِيرٌ'' (فاطر 1:35)

(سب خوبیاں اللہ کو جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا، فرشتوں کو رسول کرنے والا جن کے دو دو، تین تین، چار چار، پر ہیں۔ بڑھاتا ہے پیدائش میں جو چاہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

جو چیز چاہتا ہے بناتا ہے، اس نے مخلوق کی ابتدا کی، دو پاؤں والے بنائے، چار پاؤں والے بنائے، زیادہ پاؤں والے بنائے، مگر وہ یہ پاؤں بنا کر ختم نہیں کر بیٹھا بلکہ اس نے جس کے genes میں چاہا، بہتری پیدا کی جس میں چاہا، mutation create کیں، embryo میں changes پیدا کیں، اسنے جو چاہا کیا......

خواتین و حضرات ! میں آپ سے سوال کر رہا ہوں کہ اتنی technical گفتگو جو اللہ قرآن میں کرتا رہا، ہمارے تیرہ سو برس کے علماء میں سے کسی نے اُسے scientific آگے بڑھایا؟ کس نے خدا پر اعتبار کیا؟ آج ہم ایک گھڑی بھر میں یورپ اور مغرب سے آئی ہوئی کسی بھی تحقیق کا اعتبار کر لیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اُن مسلمان عالموں نے اتنا بڑا chapter قرآن حکیم میں سے کیسے چھوڑ دیا؟ کیا یہ تو نہیں ہوا کہ وہ غور و فکر کی بجائے رسم و رواج کے قرآن کو قبول کر کے اُس کے دروازے بند کر بیٹھے؟

خواتین و حضرات ! میں ابھی جو آپ کو مثال دوں گا وہ حیران کُن ہے۔ بہت پہلے تین ہزار برس پہلے Ptolemy of Greece نے جدولِ شمسی دیا۔ Ptolemy کی جدول شمسی مانی گئی حتیٰ کہ اُن لوگوں نے بھی مانی جو قرآن پڑھ رہے تھے، جو قرآن پڑھا رہے تھے۔ Ptolemy نے کہا کہ زمین ساقط ہے اور باقی سیارے ہیں اور اس کے گرد چکر لگاتے ہیں۔

Ptolemy گیا، قرآن آیا، قرآن کی بعض progress sciences کرتی رہیں، Copernicus کا زمانہ آیا، Galileo کا زمانہ آیا مگر progress of thought نہیں ہوئی بلکہ سارا شفٹ ہوگیا۔ کاپرنکس نے 1542ء میں کہا کہ سورج ساقط ہے زمین نہیں۔۔۔۔۔ In fact they were fighting about this simple fact کہ کوئی نہ کوئی چیز ساقط ہے، کوئی نہ کوئی چیز سیار ہے۔ جو ثابت ہیں وہ سیار ہیں مگر دیکھئے تو سہی پیچ میں قرآن کیا کہہ رہا تھا۔ یہ حیران کن بات ہے کہ عصر گزرے، سال ہا سال گزرے، صدیاں گزریں، کسی مسلمان نے اللہ کی بات پر اعتبار نہ کیا بلکہ حیران کن بات یہ ہے کہ انیسویں صدی میں اسلام کے خلاف یہ بات ہوئی کہ .Islam is not a religion of science کیونکہ اس کے علماء نے انیسویں صدی تک یہ فتویٰ دیا کہ اگر کوئی شخص کہے گا کہ زمین گول ہے یا زمین متحرک ہے تو ہم اُس کی گردن ماریں گے کیونکہ بطلیموس نے یہ نہیں کہا اور حیران کن بات ہے خواتین و حضرات! کہ قرآن ایک دن کے لئے بھی اُن سے چھپا نہیں تھا اور مسلسل پروردگارِ عالم ایک ہی بات کہہ رہے تھے:

"وَسَخَّرَ الشَّمسَ وَالقَمَرَ کُلٌّ یَّجرِی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ...... (لقمن 29:31)

(اس نے سورج اور چاند کو مسخر کردیا۔ ہر ایک ایک مقرر معیار تک چلتا ہے۔)

سورج کیا، چاند کیا اور ستارے کیا، سارے کے سارے چل رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی ساقط نہیں ہے، ان میں سے کوئی کھڑا نہیں ہے۔ نہ Ptolemy درست، نہ Copernicus درست، نہ Galileo درست۔۔۔۔۔ بات وہ، جو اللہ نے بڑے کھرے انداز میں کہی۔۔۔۔۔ کیا سوال نہیں پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے مفکرین، دانشور اور اسلام کے فلاسفر، جن کی باتیں ہم آج کتنے عزت واحترام سے پڑھتے ہیں مگر اس chapter میں ایک statement بھی کسی مسلم سائنس دان کی نہیں ملتی کہ تمام سیار ہیں اس میں ثابت کوئی نہیں ہے۔۔۔۔۔ کائنات ایک سمندر کی طرح ہے اور اس میں سب چل رہے ہیں، نہ صرف یہ کہ چل رہے ہیں، بلکہ یٰسین میں پروردگار نے مزید بڑی عجیب و غریب بات کہہ دی:

"وَکُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسبَحُونَ " (یٰسین 40:36)

(اور ہر ایک اپنے اپنے فلک میں تیر رہا ہے۔)

مگر کسی مسلمان مفکر کو توفیق حاصل نہیں ہوئی کہ وہ اس پہلو پر غور کرتا۔ اقبال نے کیا خوبصورت بات کہی:

از یٰسین او آساں بمیری

throughout پندرہ سو برس ہم نے سورۃ یٰسین سے ایک سبق سیکھا ہے کہ مرنے والا تکلیف میں ہو، سانس اٹکی ہو، سکرات کا عالم ہو تو یٰسین پڑھ دو اور وہ چھٹی کر دے گا.....خوف کے مارے ہی چھٹی کر دے گا......

آج ہم cosmology میں مغرب سے ایک ہزار سال آگے ہوتے...... جب کوئی Sir James Jeans کہتا کہ Everything is moving in the universe تو ہم اُسے یہ کہتے کہ ہمیں یہ پہلے ہی پتہ ہے.....مگر ہم نے قرآن کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا۔ہم نے اس کے اُن علوم کی معرفت کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا، ہم نے اپنی توجہات ان مسائل کی طرف لگائے رکھی۔ہم نے اپنی اپنی گروہی positions کی خاطر قرآن کی آیات پڑھیں، اُنہیں اپنے اپنے حق میں استعمال کرتے رہے۔سارے قرآن میں اُن کو ایک ہی آیت یاد رہی۔

"فَرِیقٌ مِّنھُم"

کہ تم میں سے ایک فریق ہے، جو سارے مسلمانوں کو نجات دلائے گا۔ ہر روز ایک نیا فریق پیدا ہو کر قرآن کی یہی آیت quote کر رہا تھا کہ دیکھو اللہ نے کہا کہ تم میں سے ایک فریق ہوگا جو ناجی ہوگا، جو تمہیں نجات دلائے گا اور وہ ہم ہیں......

خواتین وحضرات! علم کی اتنی بڑی رسوائی اور اتنے بڑے زمانوں میں، اتنی صدیوں میں پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی اور اللہ کو جتنا offend ہم کر سکتے تھے، ہم نے کیا۔ہم نے غیروں کی باتوں پر اعتبار کیا، ہم نے فلسفے پر اعتبار کیا، اس لئے کیا کہ ہم ذہنی تحقیر کے عادی تھے۔جیسے آج ہم بمقابلہ یورپ اپنی ذہنی حقارتوں کے قائل ہیں۔ہم میں یہ شعور ہی نہیں پیدا ہو رہا۔ Eastern hemisphere کا quantity brain میں اُس سے کہیں بہتر ہے۔مگر ہم اُن کی طرف سے آئی ہوئی ہر ایجاد کو حیرت، اچنبھے اور دہشت سے دیکھتے ہیں۔ان کی ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کی ایجاد ہم پر اُن کا رعب بڑھا دیتی ہے، خوف بڑھا دیتی ہے۔

خواتین وحضرات! یہ بات زمان ومکاں کے بارے میں ہے۔میں بڑی اُداسی سے یہ آیت پڑھتا ہوں، اس لئے کہ جن لوگوں نے بھی مجھ سے پہلے یہ آیت پڑھی انھوں نے اس کے سادہ سے مطلب کو پورا نہ ہوتا دیکھ کر اس کو کوئی نہ کوئی تاویل کا معنی دے دیا۔آیت بہت سادہ تھی، بہت ہی سادہ تھی، آئن سٹائن سے پہلے لکھی گئی quantum اور relativity سے بہت، بہت پہلے لکھی گئی:

"وَالسَّمَآءِ بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ"

(اور آسمان کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔)

ہم نے آسمانوں کو اپنی قوتوں سے بنایا، اپنے دست سے، اپنے ہاتھوں سے بنایا، خصوصی توجہ سے بنایا، خصوصی اصول پر بنایا:

"وَاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ" (الذریت 47:51)

(اور بے شک ہم اسے وسعت دے رہے ہیں۔)

خواتین وحضرات! "لَمُوْ سِعُوْن" کا پہلا، سادہ اور لفظی ترجمہ ہے، وسیع تر کرنا...... حیران کن بات دیکھیئے کہ کسی مسلمان مفکر نے اس کو "لَمُوْ سِعُوْن" کے سادہ مطالب میں نہیں لکھا بلکہ انہوں نے جب دیکھا اور اُن کو نظر نہ آیا تو اُن کا خدا سے اعتبار اُٹھ گیا۔ انھوں نے اللہ پر اعتبار نہیں کیا کہ اللہ جو کہہ رہا ہے کہ ہم اسے وسیع تر کر رہے ہیں۔۔۔ اُس کی بجائے انھوں نے ترجمہ یہ کیا کہ اس میں خلافت رکھ دی، اس میں قوت رکھ دی، اس میں دست و بازو رکھ دیئے اور سادہ سا ترجمہ انھوں نے مسخ کر دیا اور یہ نصیب پھر آئن سٹائن کا تھا۔ جس نے موجودات خداوند میں تحقیق کی، جس نے روشنی کی رفتار کی تحقیق کی، جس نے relativity کا نظریہ تخلیق کیا اور بڑے سادہ سے انداز میں......

میں نے اُس کی برسی پر اُس کی بڑی تصویر دیکھی۔ اس کے اوپر لکھا ہوا تھا: The expanding universe of Einstein خواتین وحضرات! Do you believe so? دیکھئے! پندرہ سو برس پہلے جو بات اللہ نے ختم کر دی تھی، ہم نے اس پر کبھی اعتبار نہیں کیا مگر جب آئن سٹائن نے کہا کہ universe 'expand ہو رہی ہے، جب cosmologist نے یہ کہا کہ universe پھیل رہی ہے تو ہم نے فوراً اعتبار کر لیا۔ یہ کہاں کا ایمان تھا؟ یہ کہاں کا رتبہءِ عالیہ فکر تھا مسلمانوں کا اور ان بڑے بڑے ناموں کا جو آپ سے پہلے گزر گئے ...... تو مجھے بڑے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ The calibre of the knowledgeability, Islam throughout the centuries was absolutely negligible. ان کی تمام تر توجہات school of thoughts کو رہیں، رسم ورواج کو رہیں، نماز کی اقسام میں رہیں، روزے کی اقدار میں رہیں......

Which were very simple problems یہ بہت سادہ مسائل تھے۔ آپ نماز

کیسے پڑھتے ہو؟It is not the headache of God اگر نماز اللہ کی پڑھتے ہو یا اللہ کے بغیر سرسوتی اور درگا کی پڑھتے ہو تو یہ اللہ کا concern ہو سکتا ہے۔ اللہ کا concern پانچوں سے نہیں تھا......

مذہب بنتے بگڑتے چلے گئے، رسم ورواج add ہوتے گئے اور وہ جو پروردگار نے کہا تھا کہ میں نے اس قرآن کی ہر آیت کی تفصیل علم سے دی ہے، وہ علم ہمیں صدیوں میں نظر نہیں آیا۔ اگر نظر آتا، وہ بنیادی اصول نظر آتے تو آپ یقین جانو کہ آج تک، اس وقت تک sciences نے cosmology میں، anthropology میں سوشیالوجی میں اور بے شمار ایسے اصولوں میں آج تک کوئی ایسی ترقی نہیں کی سوائے اس کے کہ انھوں نے تاریخ کے گمشدہ اوراق سے، سوائے اس کے کہ انھوں نے کہیں سے عقل کی سنی سنائی باتوں کو چنا اور خصوصی طور پر ایسا لگتا ہے کہ اہل مغرب اُس وقت تک ترقی کرتے ہیں جب تک وہ قرآن کی کسی آیت کے مطابق نہیں آجاتے مگر کیا قرآن نے بات ختم کردی؟ قرآن نے آج تک یہ باتیں ختم نہیں کیں۔ ایک بڑی Important بات جو زمان ومکاں کے بارے میں تھی، قرآن اس سے آج بھی differ کر رہا ہے۔ قرآن نہ سائنس دانوں سے agree کرتا ہے، نہ فلاسفہ سے agree کرتا ہے، وہ اپنی جگہ پر ایک بڑی solid statement دہراتا ہے کہ یہ کائنات، یہ زمین، یہ آسمان، یہ زندگی، انسان......

''کُلّ'' یَّجرِی اِلٰی اَجَلٍ مَسَمیّ'' (لقمن 29:31)

(تمام اپنے وقتِ مقرر تک چل رہے ہیں۔)

خواتین وحضرات ذرا غور کیجئے کہ کیا مقررہ وقت بھی infinite ہوسکتا ہے؟ غور کیجیے گا کہ کیا کوئی وقتِ مقرر بھی infinite ہوسکتا ہے؟ قرآنِ حکیم کے بقول زمانہ infinite نہیں ہے، زمانہ finite ہے۔ اشیاء کے خدا تک پہنچنے تک کے وقت کو ٹائم کہتے ہیں اور کیا کسی مردے کو بھی وقت گننا آتا ہے......؟ Can deads count time. یہ زندگی کے ساتھ ایک قدر وابستہ ہے۔ نہ یہ اتنی ہولناک تھی جتنا اسے مغرب کے فلاسفر نے بنالیا، نہ یہ اتنی عجیب وغریب تھی کہ اس پر کسی کی دسترس نہ ہوتی۔ اشیاء کے اپنے انجام تک پہنچنے کے process کو وقت کہتے تھے۔ اگر انسان نہ ہوتا، وقت بھی نہ ہوتا۔ اگر احساسِ زیاں نہ ہوتا تو وقت نہ ہوتا۔ اگر جلدی نہ ہوتی تو وقت نہ ہوتا۔ ایک چوک میں جب آپ کھڑے ہوں تو آپ کو پتہ ہے۔ کہ jumble

کم ہوتا ہے؟ آپ نے کہا space نہیں رہتی، اور جو ٹائم space کو چاہیے ہوتا ہے، کم ہو جاتا ہے تو ٹائم سے تو آپ کو کوئی problem پیش نہیں آتی۔ مگر جب space نہ ہو تو آپ کا ٹائم ضائع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ٹائم کا ایک تصور یہ بھی ہے It's a space in space جب جگہ نہ رہے گی۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ (الاعراف 187:7)

(قیامت کو پوچھتے ہیں)

قیامت تو تبھی آئے گی نا، جب جگہ نہ رہے گی۔ قیامت تب آئے گی جب اشیاء کے تصرف کو ان کا وقت میسر نہیں ہو گا۔ اس لئے پرانے عرب لوگ کہا کرتے تھے کہ:

"اَلْوَقْتُ سَيْفٌ قَاطِعٌ"

(وقت کاٹتی ہوئی تلوار ہے۔)

وقت چیزوں کی تقسیم ہے، حیات کی تقسیم ہے۔ یہ اپنی ذات میں کوئی independent شے نہیں ہے۔ ایک غلطی کی وضاحت کرتا چلوں..... جناب علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ میں نے برگساں کو جب یہ حدیث سنائی:

"لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ اَنَا دَهر"

(زمانے کو برا نہ کہو میں زمانہ ہوں۔)

تو وہ پاگل تھا، اپنی کرسی سے اچھل کر زمین پر گر پڑا، کہنے لگا: I swear Mohammad is the prophet... کیونکہ prophet کے بغیر تو کوئی یہ بات کہہ ہی نہیں سکتا۔

خواتین و حضرات! اگر آپ غور کرو۔ تو یہ وقت کی تعریف نہیں ہے۔ وقت کی تعریف میں یہ جملہ نہیں کہا گیا۔ میں اس کی تھوڑی سی وضاحت کرتا ہوں۔ اس کو غلطی سے زمان و مکاں پر منطبق کیا گیا۔ ایسا نہیں تھا، بلکہ یہ مقدر تھا، اللہ کی دین تھی۔ اللہ کی عطا کردہ چیز پر اعتراض کرنے کی وجہ سے یہ حدیثِ قدسی اتری تھی، اس لئے کہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ آج اچھا نہیں گزرا۔ آج برا دن تھا، تو دراصل میں دن کو برا نہیں کہہ رہا ہوتا، میں اس کے خالق کو بُرا کہہ رہا ہوتا ہوں۔ تمام تخلیقات کا رُخ اللہ کی طرف مُڑتا ہے، ہر چیز اللہ نے پیدا کی ہے، گردشِ روز و شب اللہ نے پیدا کئے ہیں، صبح و شام جو حوادث ہیں سب اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ جو برکات ہیں اللہ نے دیئے ہیں جو فیوض ہیں اللہ نے دیئے ہیں، جو حادثات ہیں اللہ نے دیئے ہیں۔ اب اگر میں اپنی زندگی پر

اعتراض کروں اور یہ کہوں کہ زمانہ کچھ ٹھیک نہیں ہے، اوقات اچھے نہیں ہیں، دن اچھا نہیں ہے تو زمانے کی کیا حیثیت ہے اس کا کونسا وجود ہے جو آپ اس پر اعتراض کر رہے ہو۔ دن کیا شے ہے؟

یَسْئَلُونَکَ عَنِ الاَهِلَّةِ ط قُلْ هِیَ مَوَاقِیتُ لِلنَّاسِ وَالحَجِّ (البقرة 189:2)

یہ تو آپ کے اوقات ہیں، ان کا تو کوئی وجود نہیں ہے کہ جس پر لعنت بھیجو...... نعوذ باللہ اَستغفرُ اللہ...... ان کی کوئی حیثیت بھی نہیں ہے کہ جن سے آپ جھگڑو اور آدھی شاعری زمانے کو برا بھلا کہتے ہوئے گزر گئی۔ اس کی کیا حیثیت ہے مگر زمانے کو برا کہنا دراصل زمانے کو نہیں، اللہ کو اُس کی تخلیق میں کمی کا طعنہ دینا ہے۔ اللہ کو بتانا ہے کہ آج کا دن آپ نے ٹھیک نہیں بنایا، بابا......! کم از کم میرے لئے ٹھیک نہیں بنایا اور اللہ میاں کہتا ہے کہ تم نے آج ہی کا دن دیکھا ہے، ناں، اگر کل کا دن دیکھ لیتے تو کہتے کہ شکر ہے اللہ نے پہلا دن ٹھیک نہیں بنایا تھا۔ اس لئے کہ:

''وَعَسی اَن تَکرَهُو شَیاءً وَّهُوَ خَیرُلَّکُم وَعَسٰی اَن تُحِبُّو شَیاءً وَّ هُوَ شَرُّ لَّکُم ط واللهُ یَعلَمُ وَاَنتُم لَا تَعلَمُونَ '' (البقرة 216:2)

(کسی چیز سے تم کراہت کھاتے ہو اور اُس میں خیر ہوتی ہے۔ اور کسی چیز سے تم محبت رکھتے ہو اور اُس میں شر ہوتا ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔)

مگر خواتین و حضرات! کچھ ایسی باتیں ہیں، جو زمانے کی سمجھ میں نہیں آئیں۔ اللہ کا تصورِ زمان و مکاں کچھ عجیب و غریب سا ہے۔ اتنا advance اتنا حیران کن ہے، اتنا پریشان کن ہے کہ زمانہ بحیثیت ایک وجود کے ختم ہو جاتا ہے اور صرف ایک چیز اُبھرتی ہے اور وہ اللہ کی خواہش، اللہ کا ارادہ، اللہ کا حکم ہے۔ آیئے ذرا عزیرؑ کے واقعہ پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ برباد بستیوں سے گزرتے ہوئے، پیغمبر نے اوندھے پڑے ہوئے گھروں کو دیکھا، سوکھے ہوئے کنوؤں کو دیکھا، ان کو الٹا پڑا ہوا دیکھا، چھتوں پر اوندھے پڑے ہوئے لوگوں کو دیکھا تو بہت پریشان ہوا، پیغمبر حیران کن استعجاب میں چلا گیا۔ جب ان برباد زمینوں کو دیکھا تو پروردگار سے سوال کیا:

''اَو کَالَّذِی مَرَّ عَلٰی قَریَةٍ '' (البقرة 259:2)

(یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر۔)

''وَّهِیَ خَاوِیَةُ عَلٰی عُرُوشِهَا '' (البقرة 259:2)

(اور وہ مسمار ہوئی پڑی تھی اپنی چھتوں پر۔)

تو اس نے کہا کہ دکھا تو سہی اے مالک! تو مردہ کو زندہ کیسے کرتا ہے......؟ دیکھئے! پیغمبر مشاہدے

کی آرزو کر رہا ہے۔ ابراہیمؑ نے بھی کہا تھا: ''رَبِّ اَرِنِی کَیفَ تُحیِ الموتٰی " (اے رب مجھے دکھا کہ تو مردہ کیسے زندہ کرے گا......) تو پیغمبر علیہ السلام کو اللہ نے فرمایا: ''قَالَ اَوَلَم تُؤمِنُ " اے ابراہیم میں نے اتنی عقل دی آپ کو، اتنا شعور بخشا، priory method آپ کو بخشا، a priory method بخشا، میں نے آپ کو جدلیاتِ عقل سے سرخرو نکالا، آپ حقانیت پر پہنچے، اس کے باوجود آپ کو شبہ ہے۔

" قَالَ بَلٰی وَلٰکِن لِّیَطمَئِنَّ قَلبِی "(البقرۃ 260:2) (''کہا: کیوں نہیں اور لیکن یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے"۔) کہ باوجود ہزار دلیل کے دل مشاہدہ مانگتا ہے، دل نظر مانگتا ہے۔ باوجود ultimate convincing, جب تک آپ personal نظر، کسی چیز پر نہیں ڈال لیتے، شاید آپ تھوڑے تھوڑے بے اطمینان رہتے ہو۔ اب آپ اپنی طرف غور کیجیے ...... تسبیح الٰہی ہے......ذکرِ پروردگار ہے اور قرآن میں اللہ نے فرمایا: ''فَاذکُرُونِی اَذکُرکُم " (البقرۃ 152:2) (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔) اب جب آپ اُسکو یاد کر رہے ہو اور اگر قرآن سچا ہے۔ تو اللہ بھی آپ کو یاد کر رہا ہے، پھر بھی آپ کو کیوں نہیں یقین آتا؟ آپ نظر سے دیکھنا چاہتے ہو، آپ کو نظری، بصری شہادت چاہیے ...... یہاں بھی پیغمبر request کر رہا ہے:

''قَالَ اَنّٰی یُحیِی هٰذِهِ اللّٰهُ بَعدَ مَوتِهَا "(البقرۃ 259:2)

(بولا اسے کیسے زندہ کرے گا اللہ اِس کی موت کے بعد)

اللہ نے کہا: ٹھیک ہے demonstration دے دیتے ہیں، سو برس کیلئے مار دیا...... پھر جگا دیا......

''فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ " (البقرۃ 259:2)

(تو پھر اللہ نے اُسے سو برس تک مردہ رکھا۔ پھر اسے جگا دیا۔)

''قَالَ کَم لَبِثتَ "

(کہا کتنی دیر ٹھہرا......)

اللہ نے پوچھا: اے عزیر! کتنی دیر سوئے رہے ہو؟

''قَالَ لَبِثتُ یَومًا اَو بَعضَ یَومٍ "

(کہا: دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا پھر کچھ کم۔)

یہ بڑی important آیت ہے۔ One of the most impossible mention جس آیت کا ہوتا ہے، وہ یہ آیت ہے...... اللہ نے پوچھا: ''کتنی دیر سوئے رہے، اے عزیر''......! کہا: ''اے اللہ ایک دن یا آدھا دن سویا رہا ہوں''۔ اللہ نے تبسم فرمایا اور کہا:

''قَالَ بَل لَبِثتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانظُر اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَم یَتَسَنَّہ''

(کہا: نہیں تجھے سو برس گذر گئے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ جواب تک بُو نہ لایا۔)

ذرا دیکھ تو شراب کو، پانی تو دیکھ، ویسے ہی پڑا ہے اس کو یعنی پانی کو کسی نے چھوا تک نہیں، وہ ویسے ہی پڑا ہے اور سو برس کی گردش نے کھانے کو چھوا تک بھی نہیں۔

''وَانظُر اِلٰی حِمَارِکَ''

(ذرا گدھے کو تو دیکھ، اس پہ سو برس پورے گذر گئے۔)

خواتین و حضرات! اللہ کی قدرت کے علاوہ جو سب سے عجیب و غریب بات اس پوری آیت میں ہے، وہ یہ کہ ایک چھوٹے سے span میں تین وقت گزر گئے، ایک چھوٹی سی زمین پر...... Perhaps nobody can find such a statement about relative time. ایک چھوٹی سی space میں تین وقت گذرے، ایک دن اور رات گذری، ایک لمحہ بھی نہ گذرا...... ''لَم یَتَسَنَّہ'' کسی نے اسے چھوا تک نہیں اور یہ یاد رکھئے گا کہ جب کھانے کا ذِکر ہوا تو کھانا بظاہر خراب ہونے سے نہیں رُک سکتا۔ کھانے کی کچھ جزئیات ہیں۔ کچھ maggots ہیں، کچھ اس کے اندر جراثیم ہیں، جنکو ہر صورت اپنی مدتِ حیات پوری کرنی ہوتی ہے۔ اڑتالیس گھنٹے میں کھانے کو خراب ہونا ہوتا ہے۔ پانی کو، باہر سے آمیزش ملنی ہوتی ہے، مگر وہاں زندگی کا یہ تمام procedure رک گیا۔ وقت سرے سے اس کھانے پر گذرا ہی نہیں۔ وقت اس badger پر بھی نہیں گذرا۔ وقت اس جرثومے پر بھی نہیں گذرا جو پانی کے اندر تھا، وقت اُس کھانے میں، اُس خوراک کے اندر کسی جرثومے پر نہیں گزرا...... حیران کن بات ہے کہ سو برس میں زندگی کی minutest اور most important تمام صورتیں وہاں solidify ہو گئیں۔ نہ وہاں بارش تھی، نہ سردی تھی، نہ آگ تھی، پھر وہ کیا قوت تھی جس نے صرف حکم دیا تھا کہ وقت نہ گذرے تو وقت نہیں گذرا...... چیزیں اپنی مدت تک نہ پہنچیں، چیزیں اپنی مدت تک نہیں پہنچیں۔ پھر اس نے کہا کہ دیکھو، ذرا گدھے کو دیکھو...... سو برس گذر گئے، ہڈیاں پڑی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پوچھا تو کتنی دیر رہا......؟ کہا......: دن یا آدھا دن یا ڈیڑھ دن۔

خواتین وحضرات! اس سے عجیب وغریب زمان ومکاں کی کوئی صورت سامنے نہیں آتی کہ چھوٹے سے span of time میں ایک جگہ سرے سے وقت نہیں گذرا، دوسری جگہ وقت کو squeeze کیا گیا، وقت کو ضبط کیا گیا، وقت کو، سو برس کو، سمیٹ کر ایک آدھے دن میں ڈھال لیا گیا۔ حیران کن صورت جو اس میں آئی ہے کہ پھر اللہ نے اُسے ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر دکھایا......

"وَانظُرْ اِلَى العِظَامِ كَيفَ نُنشِزُ هَا ثُمَّ نَكسُوهَا لحمًا"

"فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعلَمُ اَنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَىءٍ قَدِيرٌ" (البقرة 259:2)

(اور اپنے گدھے کو دیکھ کیونکر ہم انہیں اکٹھا کرتے ہیں، پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں، جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہو گیا بولا میں خوب جانتا ہوں کہ تو سب کچھ کر سکتا ہے۔)

کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا دانشور اور فلاسفر اس حقیقت کا انکار کرے گا جو وہاں گزری...... سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا انکار کر جائے، سوائے اس کے کہ وہ اس واقعے کا انکار کر جائے، سوائے اس کے کہ وہ اس authority کا انکار کر جائے، جو اس واقعے کا موجب بنی، اس واقعے سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ وقت بذاتہ کوئی شے نہیں۔ اگر وہ کوئی شے ہوتا، کوئی اصول ہوتے، کوئی اُس کے انداز ہوتے، تو وہ ایک طرح سے گذرتا۔ ایک چھوٹے سے span میں، ایک چھوٹی سی space میں اُس کے ساتھ وہ حشر کیا گیا کہ کہیں اُسے ایک لمحہ نہ گذرنے دیا گیا، کہیں اُسے نچوڑ کر دن اور رات میں قید کیا گیا، اور کہیں immensity کو سو برس میں گزار دیا گیا۔ یہ concept کسی مسلمان سکالر کو excite نہیں کر سکا ورنہ وہ بہت پہلے relative understanding کا مالک ہو جاتا۔ بہت پہلے وہ "اِنَّا لَمُوسِعُونَ" کی جہت دریافت کر لیتا......

خواتین وحضرات! اب کی بات نہیں، کچھ آگے کی باتیں بھی اللہ نے کی ہیں۔ سائنس دانوں سے بہت آگے کی باتیں...... ہبل کے vision سے بہت آگے کی باتیں...... اب کہیں کہیں ہبل کو ان باتوں کا سراغ مل رہا ہے۔ فرض کیجئے کہ کوئی مسلم سائنسدان جیسے ڈاکٹر ہود بھائی کو ہی لے لیجئے۔ وہ حضرت کہہ رہے ہیں کہ مسلمانوں میں تو سائنس دان ہو ہی نہیں سکتا۔ بھئی! آپ تو ہو۔۔۔ کہ آپ بھی نہیں ہو...... یعنی خود اپنی نفی فرما رہے ہیں کہ سائنس دان تو اسلام میں کوئی ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ اسلام سائنس کو promote نہیں کرتا۔ خود relativity کے

پروفیسر ہیں......تو کسی نے ان سے پوچھ ہی لیا کہ آپ نے قرآن کتنا پڑھا ہے......کہا کہ بس تھوڑا تھوڑا سا پڑھا ہے......یعنی وہ لوگ جو ایک چھوٹی سی، ایک ادنیٰ سی، تکمیلِ علم کیلئے تیس تیس سال بسر کرتے ہیں، قرآن کو آدھا دن دینا بھی ان کیلئے مشکل ہوتا ہے، ایک گھنٹہ بھی دینا مشکل ہوتا ہے، وہ بھلا قرآن کو کیا سمجھ سکیں گے؟ وہ کیسے قرآن کی understanding حاصل کریں گے......؟ Because it is the law of knowledge, it's a rule and principle of knowledge. اگر ایک معمولی سے جزوِ تعلیم کی تحصیل کیلئے آپ کے بیس بائیس برس گذر جاتے ہیں، تو کائنات کی سب سے بڑی کتابِ علم کیلئے، اگر آپ کی پوری زندگی بھی ہو تو اس کے اشارات کے لئے کم ہے، مگر آپ قرآن کو کیا وقت دیتے ہو؟ یہ دوسرا بڑا ستم ہے ایک وہ ستم ہوا کہ جس میں ہمارے پرانے فلاسفر اور دانشوروں نے قرآن پر اعتبار نہیں کیا۔ انھوں نے Ptolemy پر کیا......Copernicus پر کیا......آج تک کرتے چلے آ رہے ہیں مگر انھوں نے اللہ کی آیات پر یقین نہیں کیا۔ اگر یقین کرتے تو کوئی تحقیق کرتے اور پھر اس تحقیق کا رستہ اللہ آسان کرتا۔ اگر قرآن پر اعتبار کرتے تو دنیا کے cosmologists میں اُن کا بھی بڑا نام ہوتا۔ چندر شیکھر کا نام ہے تو کسی مسلمان ہود بھائی کا بھی نام ہوتا مگر افسوس کہ اُن کو قرآن پر کوئی اعتبار نہیں۔

خواتین وحضرات! اللہ نے بہت آگے کی بات کی، ابھی double universes کے concepts نہیں آئے تھے۔ ابھی لوگوں نے کسی دوسری جہت کے بارے میں سوچا نہیں تھا۔ ہم تو ابھی کائناتِ اوّل کی دہلیز سے پار نہیں ہوئے تھے ہمیں کیا پتہ تھا کہ اللہ کیا کہہ رہا ہے؟ مگر اگر یقین رکھتے تو سوچتے اور تحقیق کرتے کہ اللہ کیا کہتا ہے۔

''اَللّٰہُ الَّذِی خَلَقَ سَبعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الاَرضِ مِثلَھُنَّ '' (طلاق 12:65)

(اللہ تو وہ ہے جس نے سات آسمان تخلیق کئے اور اسی طرح کی سات زمینیں۔)

اس آیت پر غور کرنے والے مسلمان، دانشوروں نے آسمان کی تعریف ہی کبھی نہیں کی۔ مختصراً کسی نے آسمان کی تعریف constellation سے کی، کسی نے galaxy سے کی...... میں ایک چھوٹی سی آیت آپ کو اس کے ساتھ جوڑ کر بتاتا ہوں:

''وَلَقَد زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنیَا بِمَصَابِیحَ '' (ملک 5:67)

(ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے سجایا۔)

خواتین وحضرات! جہاں جہاں تک آپ کی نظر جاتی ہے۔ جہاں جہاں تک آپ کو جلتے ہوئے چراغ نظر آتے ہیں، وہ آسمانِ دنیا ہے۔ ایک universe ہے، چاہے اُس میں دوارب سورج ہوں، چاہے اُس میں seven billion sun ہوں، چاہے اس میں trillions of stars ہوں مگر جہاں جہاں آپ کی نظر روشنی کو جاتی ہے یہ آسمانِ دنیا ہے اور اس آسمان دنیا کو خداوند کریم ایک آسمان کہہ رہا ہے اور اللہ تو وہ ہے جس نے سات اسی طرح کی کائناتیں تخلیق کی ہیں، وہ کائناتیں کیا بندوں سے خالی ہیں؟ کیا life belt سے خالی ہیں؟ کیا زندگی اُن میں موجود نہیں ہے؟ کیا قرآن نہیں اُترتا؟ کیا احکامِ الہیٰ اُس کو زینت نہیں بخشتے؟ فرمایا نہیں......

''یَتَنَزَّلُ الامرُ بَینَھُنَّ '' (طلاق 12:65)

(ان تمام زمینوں میں میرا حکم اترتا ہے۔)

ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں...... میں آپکو ایک بات تخصیص سے کہہ دوں کہ اصحاب نے کوئی غلطی نہیں کی۔ تابعین نے کوئی غلطی نہیں کی۔ تبع تابعین میں سے بھی کچھ بڑے سچے علم کے متلاشی رہے۔ اس کے بعد یہ بحران آیا جو تیرہ سو برس سے چل رہا ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا...... کہ اگر میں تم پر سات آسمانوں کی حقیقت کھول دوں...... جیسے تم یہاں ہو، وہاں بھی لوگ ہیں۔ جیسے یہاں کام ہے، وہاں بھی کام ہیں۔ جیسے ہم یہاں پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں، وہاں بھی لوگ پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں۔ شاید میں وہاں بھی ہوں اور میں یہاں بھی ہوں اور کہا کہ اگر اس کی حقیقت کو میں آشکار کر دوں تو شاید تم کافر ہو جاؤ۔ کیونکہ اُس وقت ان چیزوں کو سمجھنے کیلئے اتنی عقل ومعرفت نہیں تھی۔

خواتین وحضرات! پھر اتنی بڑی باتوں کے بعد بھی خداوندِ کریم کس چیز کا دعویٰ کرتا ہے......؟ قدرت کا......؟ کہتے ہیں کہ نہیں......

'' وَّاَنَّ اللّٰہَ قَد اَحَاطَ بِہٖ بِکُلِّ شَیءٍ عِلماً'' (الطلاق 12:65)

(علم کی معرفت سے میں نے اس زمین وآسمان کو گھیرا ہوا ہے)

ایک اور بڑے مزے کی بات میں آپ کو بتاؤں۔ بڑی عجیب وغریب بات ہے اور دیکھیں اُسکا ترجمہ کیسے کیا گیا۔ اللہ نے کہا:

''وَتَرَی الجِبَالَ تَحسَبُھَا جَامِدَۃً'' (النمل 88:27)

(اور تم خیال کرتے ہو کہ پہاڑ کھڑے ہیں۔)

یہ تو اُڑتے ہوئے بادلوں کی طرح چل رہے ہیں۔کیا کبھی Islamic sciences میں بھی یہ statement آپ نے سنی ہے......؟ اللہ کہتا ہے کہ تمہارا تو یہی خیال ہے کہ پہاڑ کھڑے ہیں لیکن دنیا اب twentieth century میں آپ کو confirm کرتی ہے کہ پہاڑوں کے بارے میں یہ جو نظریہ ہے کہ یہ کھڑے ہیں، یہ غلط ہے۔ یہ زمین کے ساتھ اُسی تیزی و تندی کے ساتھ بھاگ رہے ہیں جس تیزی و تندی سے زمین بھاگ رہی ہے۔ اگر وہ اڑتالیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھاگ رہی ہے تو یہ اڑتالیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھاگ رہے ہیں مگر جاننے والوں نے، سمجھنے والوں نے، دانشوروں نے جو اس کا ترجمہ کیا وہ بڑا عجیب تھا: کہا کہ یہ اُس وقت کی بات ہے جب قیامت میں پہاڑ چلائے جائیں گے۔ خواتین و حضرات! آپ اگر اس آیت کو پڑھیں تو اس کا کوئی تعلق قیامت کے ساتھ نہیں ہے اللہ تو ایک general visual faith کی بات کر رہا ہے کہ ہمیں سارے پہاڑ کھڑے نظر آتے ہیں مگر خدا کہتا ہے کہ یہ پہاڑ کھڑے نہیں ہیں:

”وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ“ (النمل 88:27)

(اور یہ تو چلتے ہیں بادل کی چال۔)

جب پہلا astronaut خلا میں گیا تو اس نے بڑی خوبصورت statement دی، بلکہ قرآن کو repeat کیا کہ I am seeing clouds running along the earth.
رنگ برنگے بادل......اور یہ سب سے خوبصورت منظر ہے، جو خلاء سے ہمیں زمین پر نظر آتا ہے۔

خواتین و حضرات! کتنی عجیب بات ہے ہمارے بعد اسلام کے اتنے اتنے بڑے مفکروں نے، دانشوروں نے، کسی نے ان statements کو پڑھنے کی کوشش نہیں کی اور اگر پڑھا تو ان کی اتنی غلط تاویلیں کیں۔ It is a tragic fact that they did not believe words of God, they more believed in all those opinions which were current in those times. جیسے Ptolemy تھا، جیسے ارسطو تھا، افلاطون تھا، سقراط تھا...... سب لوگ اُن کی باتوں پر اعتبار کر رہے تھے۔ یہ اللہ کی بات پر اعتبار نہیں کر رہے تھے اور یہ بحران علم و عقل بالآخر آج کی غلامی میں نکلا ہے۔ ایک آخری بات جو اسی ضمن میں میں کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ میاں نے پہاڑوں کے بارے میں بڑی عجیب statement دی ہے فرمایا: کہ میں نے پہاڑ زمینوں میں ڈالے، یہ میخوں کی طرح

گڑے ہیں۔ پہاڑ زمین میں میخوں کی طرح گڑے ہیں۔ ایک حیرت انگیز واسطہ یہ پڑتا ہے کہ پہاڑ تو اوپر کھڑے ہیں میخ تو نیچے گڑتی ہے اور ظاہر ہے کہ اگر میخ کو گاڑا جائے، تو میخ زیادہ تو غائب ہوتی ہے، اُس کا تھوڑا سا سرا باہر ہوتا ہے اور یہ کس کے تصور میں پندرہ سو برس پہلے تھا؟ کون جانتا تھا اس بات کو کہ پہاڑ واقعی میخوں کی طرح گڑے ہیں؟ اگر اُوپر ایک میل ہیں تو centre of the earth میں، metallic سمندر میں، یہ کم از کم بیس میل تک گڑے ہوتے ہیں۔ پانچ میل سے لیکر، دس میل سے لیکر یہ تیس میل تک crust of the earth سے نیچے گڑے ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اوپر سے ٹوٹتے نہیں پاتے اور tectonic plates کی رگڑ کی وجہ سے پہاڑ اوپر اُٹھتے ہیں اور اُن کی material کی thickness پر آپ غور کریں کہ پہاڑ آپ کو کتنے سخت نظر آتے ہیں، مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کی thickness اُس سمندر سے بہت کم ہے، جو زمین کے اندر چل رہا ہے۔ ان پہاڑوں کی thickness 2.7 ہے اور زمین کے اندر جو دھاتوں کا سمندر چل رہا ہے اس کی کثافت 3.5 ہے۔ یہ حیران کن واقعہ ہے۔ perhaps یا جیسے میں نے آپ سے کہا کہ قرآن کتابِ تخلیق ہے اور سائنس کتابِ تحقیق ہے خالی یہ نہیں، خواتین و حضرات! اگر کسی نے psychology پڑھی ہوتی ہے، کسی نے anthropology پڑھی ہوتی ہے، تو یہ ضروری نہیں کہ اللہ تمام قوانین کی وضاحت کر دے، اللہ تو بنیادی اصول کی وضاحت کرتا ہے۔ وہ تو انسان پر چھوڑ دیتا ہے کہ آگے بڑھو۔ جاننے کی کوشش کرو، پرکھنے کی کوشش کرو اور سمجھو۔

خواتین و حضرات! یہ تمام آیات متشابہات کے ضمن میں تھیں اور یہ سمجھا گیا تھا کہ اللہ نے اس پر قید لگا دی کہ تمہارے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ ہر آدمی کو شاید ان کی غور و فکر میں دسترس حاصل نہ ہو۔ تم میں جو محقق ہیں، جو دانش ور ہیں، جو کہہ سکتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، کیا عجیب بات ہے کہ متشابہات کے ضمن میں اللہ یہ بات کہہ رہا ہے:

وَالرّٰسِخُونَ فِی العِلمِ یَقُولُونَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّن عِندِ رَبِّنَا (اٰلِ عمرٰن 3:7)

(اور علم میں راسخ لوگ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔)

جو علم میں راسخ ہے، جو یہ سمجھتا ہے کہ جو information خدا دے رہا ہے، جو creator دے رہا ہے، جو ایک ultimate truth authority دے رہا ہے، وہ اصل علم ہے اور باقی اُس کی explanation ہے، یا جزئیات میں ہے۔ تو جن لوگوں نے خدا

کے علم پر حتمی یقین کیا اور اُس کی وضاحتیں چاہیں، انھی لوگوں کو اللہ نے راسخون فی العلم کہا۔
خواتین وحضرات! ایک بڑا فتنہ آج کے دنوں میں اٹھا کہ لوگوں نے کہا کہ کچھ آیات localہیں اور کچھ آیات پڑھنے والی ہیں۔ لوکل آیات میں quote کیا گیا کہ جیسے ازواجِ مطہرات کا جو ذکر ہے اور یہ کہ چار شادیوں کے بعد اُن کی شادیوں کو maintain کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیات لوکل آیات بھی ہیں، جو بعد میں apply نہیں کی گئیں۔
خواتین وحضرات! بات یہ ہے کہ یہ ایک تعلیمی بحران ہے کہ لوگ کسی بات کو سمجھنے میں کسی تردّد سے کام نہیں لیتے۔ قصہ صرف اتنا تھا کہ اس حکم سے پہلے پروردگارِ عالم نے اُن عورتوں پر تھوڑی سی کشیدگی فرمائی۔ اُمہات المومنین پر کشیدگی فرمائی۔ اُن کو ایک choice دی: چاہتی ہو تو مال واسباب لو، دُنیا لو، مالِ غنیمت لو۔ اور رسول ﷺ کو چھوڑ جاؤ۔ اللہ اگر چاہے گا تو اپنے رسول ﷺ کو بہتر خواتین کی معیت دے دے گا۔ مگر تمام عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کو چنا۔ یہ پہلا credit تھا۔ بہت بڑا credit تھا کہ کسی بھی عورت کے، کسی بھی اُم المومنین کے ایمان میں کمی نہیں آئی They all chose God and they all chose Prophet
پھر اُن سے کہا گیا کہ خواہ تم نوجوان ہو یا بوڑھی ہو، Prophet کے بعد تم کسی سے شادی نہیں کر سکتی۔ اللہ نے اُس کو lock کر دیا کہ دیکھو یہ دو رِسک تم کو لینے پڑیں گے۔ ایک تو اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ عسرت وغربت اور فقر و فاقہ کی یہی زندگی قبول کرو گی تو تب ان کے ساتھ رہو گی تو انھوں نے کہا کہ رہیں گی۔ پھر اللہ نے کہا: اے رسول ﷺ کی بیویو! تم ان کے بعد کسی سے شادی نہیں کر سکتی ہو کیونکہ تم ان کی مائیں ہو۔ انہوں نے یہ بھی قبول کیا۔ اب آپ انصاف فرمائیں کہ جب چار کا حکم آیا تو کیا اللہ اور رسول ﷺ اتنے بے انصاف تھے؟ کیا اللہ اور رسول ﷺ اُن عورتوں پر یہ بوجھ ڈال سکتے تھے، یہ مشقت ڈال سکتے تھے، اُن کو یہ سزا دے سکتے تھے۔ کہ وہ رسول ﷺ کی معیت سے محروم کر دی جائیں تو اُس پورے قانون میں ایک exception create کی گئی اور وہ exception یہ تھی کہ اُن عورتوں کے اُس درجہء ایمان کی بدولت اللہ نے اُن کے لئے اس پورے قانون میں ایک exception قرار دی۔ یہ رسول ﷺ کے لئے exception نہیں تھی۔ اگر آپ غور فرمائیں تو اس قانون کی exception رسول اللہ ﷺ کے لئے نہیں تھی۔ اس قانون کی exception اس وجہ سے create کی گئی کہ اُن عورتوں کے ایمان، اُن کی وفا کی وجہ سے، اُن کی محبتِ خدا اور رسول ﷺ کی وجہ سے اُن کو advantage دِیا

گیا تھا کہ اللہ کا رسول ﷺ تمہیں اپنی ذات سے جُدا نہیں فرمائے گا۔

خواتین و حضرات! اب میں major part کو آتا ہوں کہ تبدیلی کیوں واقع ہوئی، local law کیوں واقع ہوا۔ اگر جس چیز پر لوکل law اُترا ہو اور چیز بدل جائے تو law بھی بدل جاتا ہے مگر آج تک کسی دانشور نے غور کیا کہ قرآن کس چیز پر اترا ہے۔

خواتین و حضرات! قرآن فطرتِ انسان پر اترا ہے۔ وہ فطرتِ انسان جو آج سے بائیس ہزار سال پہلے بھی ایسی تھی، جو Homo Sapiens میں بھی ویسی تھی۔ جو پہلی آباد انسانیت میں بھی ویسی ہی تھی، جو periclese کی democracy میں بھی ویسی ہی تھی، Sparta کے قانون میں بھی وہی فطرتِ انسان تھی اور اب، آج بھی وہی فطرتِ انسان ہے۔ اس میں قطعاً کسی قسم کا کوئی فرق نہیں آیا تا نکہ اسے خود خدا بدل دے۔ اور یہ آپ دیکھ لیجئے کہ آج سے تین ہزار سال پہلے جو قوانین خرابی کے، فحاشی کے، بدباطنی کے، انسان بناتا تھا، آج بھی وہی قانون تخلیق کر رہا ہے۔ یورپ کا مہذب ترین انسان وہی قانون تخلیق کر رہا ہے جو lesbass میں lesbians کا تھا یا جو یورپ نے ہم جنسی کے قوانین پاس کئے ہیں وہ کوئی نئے قوانین نہیں ہیں۔ نہ فطرت بدلی ہے، نہ انسان بدلا ہے اور قرآن کی کوئی آیت اپنے مطالب میں نہیں بدلی ہے کیونکہ انسان وہی ہے، قرآن وہی ہے......

خواتین و حضرات! لوگ کہتے ہیں کہ situations بدل گئی ہوں گی مگر لوگوں کو غلط فہمی ہے۔ اللہ نے آیاتِ قرآنی کی وضاحت کے لئے بدر و احد و حنین تخلیق کئے۔ باہر وہ situations موجود نہ تھیں مگر قرآن اتر رہا تھا، کتاب کی وضاحت ہو رہی تھی۔ اللہ نے باہر وہ create' situations کیں جن کی وجہ سے کتاب کی آیات کی وضاحت ہوگئی۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ حنین میں کیا کہتا ہے؟ کہ مسلمان جب ذرا ناز میں آئے اور کہا کہ پہلے ہم قلیل التعداد ہوتے تھے، تب بھی جیتتے تھے، آج تو ہم بہت زیادہ ہیں تو اللہ نے کہا: اچھا! اب تم خدا کے توکل سے ہٹ گئے، اب تمہیں خدا پر اعتبار نہیں رہا۔ پہلے تم قلیل التعداد ہونے کے باوجود اللہ پر شکست و فتح کے لئے اعتبار کرتے تھے مگر اب تمہیں اپنی تعداد پر فخر ہوا، اب تم اپنی تعداد پر جیتو گے۔ جاؤ ذرا جیت کر دکھاؤ......تو وہ شکست، وہ ہلکی پھلکی سی سرزنش جو اللہ نے حنین میں دی، وہ کتاب کی اُس آیت کیلئے create کی گئی جہاں اللہ مسلمانوں کو warn کر رہا ہے۔

تمام کائناتی situations ایک ہیں۔ اگر آپ غور کرو تو یہ کسی علمی اصول کی تحقیق

میں ہوتی ہیں۔ آج اگر Uranium ہے، آج اگر Plotonium ہے تو اس کی بنیاد رکھنے والا انسان نہیں ہے۔ دو ارب سال پہلے جس اللہ نے زمین میں اس قوت کو رکھا جو آگے جا کر کسی انسان کے کام آنی تھی اور قرآن میں اس بات کا ذکر فرمایا:

" وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوقِهَا وَبٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا اَقوَاتِهاَ فِي اَربَعَةِ اَيَّامٍ ۵ سَوَآءً لِلسَّآ ئِلِينَ ۵ ثُمَّ استَوىٰ اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ " (حم السجدہ 10:41)

(جب ہم بلند ہوئے، ہم نے دو دن لگائے زمین کے بنانے میں اور دو دن لگائے اس میں اسبابِ ضرورتِ انسان رکھنے میں۔)

اور دیکھئے کبھی تو ضرورتِ انسان فوری طور پر وجود میں آتی ہے اور کبھی ضرورتِ انسان دو ارب سال کے بعد پیش آتی ہے۔ قرآن کے بارے میں یہ یاد رکھئے کہ بہت سے لوگ یہ متعدد مرتبہ کہتے ہیں کہ "کُن فَيَكُون " شاید ایک دھماکہ تھا، ایک روشنی تھی، ایک جھما کا تھا شاید ایک پل میں پوری کائنات وجود میں آئی، شاید ایک پل میں زمین و آسمان تخلیق ہوئے۔ خواتین و حضرات! اللہ ایسے نہیں کرتا، نہ ایسے کرتا ہے، نہ کہتا ہے۔ اللہ نے خاص طور پر کہا:

"وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الاَرضِ اِلاَّ عَلَى اللهِ رِزقُهَا وَيَعلَمُ مُستَقَرَّ هَا وَمُستَودَعَهَا "(ھود 6:11)

(اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو اور وہ جانتا ہے کہ کہاں ٹھہرے گا اور کہاں سپرد ہوگا۔)

مگر یہ ہے کہاں......؟ یہ صرف اللہ کے دماغ میں نہیں...... "كُلٌ فِي كِتٰبٍ مُّبِين" یہ سارے کا سارا...... ایک بہت بڑا ٹیبل ہے جس پر ایک master plan رکھی ہے، ایک total master plan ــــ۔ اسی سے قرآن اتارا گیا، اسی سے زندگی کے واقعات اتارے گئے مگر جب پلان بنا چکے تو پھر اس نے کہا Now I am perfectly satisfied with my design with my creative faculty تو اس نے کہا:

"هُوَ اللهُ الخَالِقُ البَارِئُ المُصَوِّرُ " (الحشر 24:59)

میں تصویر کش ہوں، میں نے دُنیا میں جتنے لوگ پیدا ہونے تھے اُن کی تصویریں بنالی ہیں، تمام sources کو میں نے پیدا کر دیا ہے، میں "يُعِدُ اور يُعِيدُ کے تحت پیدا کرنے والا ہوں، لوٹانے والا ہوں،۔ میں نے اُن کی شکل بنالی ہے۔ میں نے پہاڑوں کو شکل دے دی ہے۔ پانی پیدا کر لیا ہے۔ اب "كُن فَيَكُون" اب یہ سکیم چل پڑی ہے۔ Now start up اگر آپ

نے کرکٹ میچ دیکھا ہو تو شروع کرنے سے پہلے ایمپائر کہتا ہے کہ Now let's start up پہلے سب کچھ بن چکا ہوتا ہے، ٹیمیں بن چکی ہوتی ہیں، پروگرام بن چکے ہوتے ہیں، میچ ہمارا ''کُـــن فَیَـــکُـــوْن'' سے شروع ہوا۔ جب اللہ نے یہ کہا کہ Now according to all this master plan things should start working, they started working. زمین پیدا ہونی شروع ہوگئی۔ آسمان ڈھلنا شروع ہوگیا......

خواتین وحضرات! اگر آپ قرآن کا مطالعہ تھوڑا سا شوق سے کرلیں، توجہ اور محبت سے کرلیں، تو آپ کی راہ میں صرف ایک رکاوٹ آئے گی۔ یہ وہ وضاحتیں ہیں جو آپ اس سے پہلے سُن چکے ہو، وہ وضاحتیں جو بارہویں، تیرہویں اور سولہویں صدی کے مفکرین نے دی ہیں۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ اُن لوگوں نے قرآن کو غیر فطری علوم کی معرفت سے کیوں اُجاگر کرنا چاہا؟ اُن لوگوں نے قرآن کے سادہ سے مطالب آلودہ کیئے، اُن لوگوں نے دور از کار تاویلوں کے ذریعے direct معنی کو خراب کیا۔ تاویل کا حق اُسی کو ہے جس کے بارے میں اللہ نے کہا ہے: ''وَالرّٰسِخُونَ فِی العِلمِ یَقُولُونَ اٰمَنَّا'' یقیناً اسی وجہ سے یہ علم، یہ تمام دانش اور برہان کسی نہ کسی تعلیم، اُستاد اور مشاورت سے چلتی ہے۔ یہ سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بے پناہ system of education اسی لیئے چل رہا ہے کہ on his own ایک نوزائیدہ بچہ یہ تمام چیزیں از خود حاصل نہیں کرسکتا، علم، اُستاد، تعلیم اس کے لیئے ضروری ہیں مگر اگر آپ ان علوم سے آگے گزریں گے، جب آپ دنیاوی علوم سے آگے گزریں گے، جب آپ کے دنیاوی مقاصد پورے ہوجائیں گے اور کبھی آرزوئے خداوند ہوگی تو پھر آپ کو اُس علم کی خواہش ہوگی، جو آپ کو اللہ تک پہنچا سکتا ہے، پھر اُس دلیل کی خواہش ہوگی، جس کے بارے میں آپ کو حتمی یقین ہو، جس کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہ رہے، تو مجھے پورا پورا یقین ہے کہ پھر آپ کے پاس قرآن کے سوا کوئی کتاب نہیں ہے۔

خواتین وحضرات! قرآن یقیناً گلہ گزار ہے، اس کا معیار وہ لوگ تھے جو صبح وشام اللہ کی یاد میں گزارتے اور خشیت ومحبت کے آنسوؤں سے غسل کرتے تھے۔ اللہ کے رنگ میں سرتاپا رنگے ہوتے، دنیا وکائنات کی کسی شے کو باطل نہ سمجھتے تھے:

''وَمَا خَلَقنَا السَّمَآءَ وَالاَرضَ وَمَا بَینَھُمَا بَاطِلاً'' (ص 27:38)

(اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ۔)

اُن کو قرآن کی اِس آیت پر یقین تھا کہ اللہ نے کوئی چیز مفروضے میں پیدا نہیں کی۔ ہر چیز کسی مقصد کے لئے ہے، کسی کارگزاری کیلئے ہے۔ وہ غور وفکر کی صلاحیتوں کو استعمال کرتے، تخلیقِ کائنات، سماواتِ شب وروز کے اختلافات کے اصول ڈھونڈتے، تصریفِ ریاح کرتے، تسخیرِ سحاب کرتے، تحفۂ زمین کی نگہداشت کرتے، صرف ایک آیت اگر قرآن کی آپ دیکھ لو تو حیران کُن ہے۔ تمام آٹھ اصولِ تخلیق صرف اُس آیت میں ہیں:

''وَاِلٰھُکُم اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحمٰنُ الرَّحِیمُ ہ اِنَّ فِی خَلقِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَاختِلَافِ الَّیلِ وَ النَّھَارِ وَ الفُلکِ الَّتِی تَجرِی فِی البَحرِ بِمَا یَنفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِن مَّآءٍ فَاَحیَا بِہِ الاَرضَ بَعدَ مَوتِھَا وَبَثَّ فِیھَا مِن کُلِّ دَآبَّۃٍ وَّ تَصرِیفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ المُسَخَّرِ بَینَ السَّمَآءِ وَالاَرضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَومٍ یَّعقِلُونَ '' (البقرة 2:163,164)

(اور تمہارا خدا ایک خدا ہے۔ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے، بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کی گردش میں اور کشتیاں جو سمندر میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہیں اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا پابند ہے ان سب میں عقلمندوں کیلئے ضرور نشانیاں ہیں۔)

خواتین وحضرات! ایک آخری تھوڑا سا حصہ اس لیکچر کا حروفِ مقطعات پر ہے جس کے بارے میں مدتوں یہی کہا گیا کہ یہ اسرارِ ربانی ہے۔ یقیناً اسرارِ ربانی ہے...... یقیناً یہ رازہائے سربستہ ہیں مگر اگر یہ حروفِ مقطعات میرے اور آپکے لئے نہیں ہیں تو خدا سے بعید ہے کہ وہ آپ سے بے معنی مشقت کروائے۔ اگر ہم نے روز یہ پڑھنے ہیں تو پھر خدا کا یہ کہنا کہ غور وفکر اور تدبر کے بغیر تو میں انسان کو جانور سمجھتا ہوں۔ تو حروفِ مقطعات سے دراصل ہم نے ہاتھ اٹھا لئے۔ ہم نے ہتھیار پھینک دیئے کہ ہمیں انکا مطلب نہیں آتا۔ ہم نے صرف ان کی تلاوت سے حظ حاصل کیا یا ان کی تلاوت کو ہی کافی سمجھا، بہت سارے علماء نے دعوے بھی بہت کئے اور بہت سارے لوگوں نے کہا کہ ہمیں حروفِ مقطعات کا علم دیا گیا مگر ان کی practical demonstration کبھی سامنے نہیں آئی۔ دعوے ضرور سامنے آئے مگر اُس عصر میں، نہ اِس عصر سے پہلے، اُس دعوے کے بارے میں کوئی ایسی حقیقت سامنے نہیں آئی۔

خواتین وحضرات! میں بھی ایک چھوٹا سا طالب علم ہوں۔ crazy, curious اور mad یہ تین لفظ پوری طرح میرے رجحان کی نشاندہی کرتے ہیں تو خواتین وحضرات! میں نے اللہ سے گلہ کیا، آرزو کی کہ اگر یہ حروف ہمارے سمجھنے کیلئے نہیں ہیں تو ہم پھران کو کیوں پڑھتے ہیں؟ اس کا مطلب ہے کہ قرآن میں اور بھی بڑی آیات ہونگی جو میرے پڑھنے کیلئے ہیں مگر سمجھنے کیلئے نہیں ہیں تو پھر لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ قرآن کی صرف تلاوت ہی کافی ہے۔ آپ نے پھر بار بار یہ کیوں کہا ہے کہ قرآن غور وفکر سے پڑھو، سوچ سمجھ سے پڑھو تو کچھ نہ کچھ قرآن کو بغیر سوچے سمجھے بھی پڑھنا چاہیئے۔ خواتین وحضرات! میں نے آرزو کی...... میں نے یہ نہیں کہا کہ جو مطلق اس کا حل ہے، وہ مجھے عطا کر، میں نے آرزو کی کہ اس کی placeable definition مجھے عطا فرما، acceptable explanation عطا فرما۔ میں نے بس اتنی آرزو کی...... میری آرزو سے...... "ہے بسا آرزو کہ خاک شدہ" اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے چلے، بہت ڈھونڈا، دماغ سے یہ خیال گیا نہیں کہ حروفِ مقطعات کا کوئی مطلب ہے، کوئی معنی ہے مگر سراغ کوئی نہیں مِلا۔ اتفاق یہ دیکھئے، بعض اوقات کوئی اشارہ مل جاتا ہے۔ سیب گرا تو Newton کو اشارہ ملا۔ اتفاق دیکھئے کہ مجھے ایک لفظ اشارہ دے گیا۔ میں محی الدین ابن العربی پر Louis Massignon کی کتاب پڑھ رہا تھا، تو اُس نے ایک لفظ استعمال کیا: "basic categories"

خواتین وحضرات! جونہی میں نے وہ لفظ "basic categories" سنا تو میرے ذہن میں ایک شعلہ لپکا کہ Perhaps when the language started, when the humans started, when the life started there must be some basic categories. اور وہ basic categories اسی طرح ہوں گی جیسے کسی فائل کی categories ہوتی ہیں۔ فرض کیجئے کہ حضرت انسان کی فائل مرتب ہوئی، اُس میں A, B, C,D,E کر کے جو اجزائے حیات بنائے گئے، یہ اُس کی basic category ہے...... but how to apply and how to give... یہ اگلے دو کام تھے۔

خواتین وحضرات! مسند امام اہل بیت میں مجھے ایک حدیث نظر آئی۔ وہ بڑی عجیب و غریب حدیث تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جناب علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ یا علی یہ کیا بات ہے کہ کچھ لوگ بڑے عبادت گزار ہوتے ہیں مگر ہمارے دل اُن کو نہیں چاہتے اور کچھ لوگ اتنے

بڑے عبادت گزار نہیں ہوتے۔ بالکل گئے گذرے ہوتے ہیں لیکن ہمارا دل ان سے دوستی کو چاہتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: امیر المومنین! یہ مجھ پر بھی ایک سوال اُٹھا تھا۔ میں نے پھر اسے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا تھا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے جب ارواح کے لشکر تخلیق کیے تو ان میں سے کچھ کی کچھ سے موانست ٹھہرا دی اور کچھ کا کچھ سے اختلاف ٹھہرا دیا۔ اب جو وہاں موانست اور اختلاف ٹھہرا، وہ زمین پر آ کر بھی ویسے ہی ہوگا چاہے آپ جو مرضی کر لیں۔ پھر مجھے تھوڑا سا سراغ اور ملا۔ مجھے جو سب سے بڑا سراغ ملا کہ الفاظ کے جو groups ہیں اور جب ان کی مخالفت کا زمانہ آتا ہے تو پھر آپ ان اسماء کے متقابل ایسی value ڈھونڈو گے جس کی وجہ سے "ا، ل، م" "حم" کے خلاف جائے گا، "ع س ق" کے خلاف جائے گا تو ایک اصول جو اس میں سے نکلا وہ یہ کہ اسماء اگر پورے پورے نہیں تو جو مقطعات ہیں یہ پوری کی پوری determine' range of relationship کرتے ہیں، develop' range of relationship کرتے ہیں، نہ صرف انسانوں میں بلکہ اشیاء میں، جگہوں میں، درختوں میں اور چھوٹے چھوٹے پودوں میں......

اب آپ کو آخری اور بڑے مقطعات کے سوال کا جواب دیتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ جب ہم اسے demonstrate کرتے ہیں تو سوال کرنے والے کہتے ہیں کہ آپ ان کو value کیسے دیتے ہیں؟ فرض کرو میں ایک demonstration دیتا ہوں جیسے ایک صاحب میرے پاس آئے۔ وہ ماشااللہ بڑے اچھے وکیل تھے، تو میں نے کہا کہ آپ نے کبھی heart check کروایا، کہنے لگے: نہیں......تو میں نے کہا مجھے لگتا ہے کہ آپ کے معدے کے enzymes ٹھیک نہیں ہیں اور وہیں سے ہارٹ اٹیک نہ ہو جائے تو انہوں نے کہا کہ مجھے آج تک دل کی تکلیف ہی نہیں ہوئی، تو میں نے کہا کہ چلو ٹھیک ہے، ہمارا کام تو بال ٹھیک کرنا ہے جب وہ واپس لاہور گئے تو اُن کی arteries بند نکلیں اور ان کے enzymes کی average بہت ہی بگڑی ہوئی نکلی، بڑے پریشان ہو کر وہ پھر واپس آئے اور کہنے لگے: "جی ابھی تک چونکہ کوئی حادثہ ایسا نہیں بیتا تھا تو آپ کو یہ کیسے پتہ چلا۔ خواتین و حضرات! It's a very shocking knowledge sometimes کہ کیسے پتہ لگا۔ کسی چیز کو value دینا......خاص کر کسی ایسی چیز کو value دینا جس کی کوئی مثال ہمارے سامنے موجود نہ ہو، سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔ اس کیلئے پوری زندگی انسان کا، اشیاء کا، کسی بھی چیز کا مطالعہ

چاہیئے۔اب آپ دیکھئے کہ جب سلیمانؑ چیونٹیوں کے پاس سے گزرے تو چیونٹیوں کی سردار نے ان سے کہا: "اے چیونٹیو! بل میں چلی جاؤ...... ! ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔" اس کی بات سن کر سلیمانؑ متبسم ہوئے کہ کتنی سیانی ہے جس نے یہ بات کہی......

خواتین و حضرات! اہلِ یورپ نے قران کی اس بات پر اعتراض کیا......قرآن حکیم میں ایک بڑی خوبصورت آیت ہے......اس سے پہلے میں آپ کو ایک بہت بڑے صاحبِ قدر حکیم کا حروفِ مقطعات کے بارے میں ایک جملہ سنا دوں۔ مجھے وہ جملہ بڑا پسند ہے۔ بات وہی ہے جو قران نے کہی ہے مگر شاید انہوں نے اسماء کا حق ادا کیا ہے:

"لِحَکِیمُ سِرُّ نَصَّہُ قِطْعَہ"

کہ یہ ایک ایسے حکیم کا راز ہے جو جسے چاہتا ہے بتاتا ہے یہ ایسے ربِّ کریم کا اسرار ہے، یہ ایسی بڑی حکمت کی نص ہے کہ جسے وہ چاہتا ہے، بتاتا ہے...... میں آپ کو سلیمانؑ کا واقعہ سنا رہا تھا......تو بہت سارے محققین نے جو اس وقت وہاں موجود تھے، انتظار نہیں کر سکے اور انھوں نے کہا کہ قرآن غلط ہے کیونکہ ہماری تحقیق میں چیونٹی بولتی نہیں ہے، آواز نہیں سنتی ہے۔۔اُس کا اندازِ گفتگو کچھ اور ہے، بہر حال زبان نہیں ہے۔ She does not have any kind of communication in language. میں تھوڑی سی وضاحت اس لئے آپ کو بتا رہا ہوں کہ بہت سے لوگ قرآن کے ساتھ تھوڑا سا عجلت سے کام لیتے ہیں۔ یہ ایک معمولی سی Information میں آپ کو پہنچا رہا ہوں: The sound heard by ants are in audible range frequency of one kilo hertz... Ants communicate with each other through air using near field sound. The near field is in which the characteristics of the transition zone surrounding a small source, the size of any sound change abruptly before it can propagate fully in the far field. اس کی تفصیل بعد میں آپ ڈاکٹر صاحب سے ضرور پوچھئے گا......قرانِ حکیم کی بہت ساری باتیں آپ کو ایسی نظر آئیں گی جو بظاہر آپ کے خیال کی جدت، آپ کے دورِ حاضر کے نتائج سے مطابقت نہیں رکھیں گی مگر آپ یقین جانیے کہ قرآن آخرِ زمانہ کا انجام دے چکا ہے، وہ بتا چکا ہے:

''اِذَا الشَّمسُ كُوِّرَت ہ وَاِذَ النُّجُومُ انكَدَرَت "

(جب سورج بجھ جائے جب تارے جھڑ پڑیں)

وہ بتا چکا ہے: " وَخَسَفَ القَمَر " (اور جب چاند گہنائے گا۔)" وجُمِعَ الشَّمسَ وَالقَمَرَ " (اور سورج اور چاند کو جمع کر دیں گے۔) (القیٰمہ 9,8:75) جب پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑیں گے:

''اَلقَارِعَةُ . مَاالقَارِعَةُ . وَمَا اَدرٰاکَ مَا القَارِعَةُ . یَومَ یَکُونُ النَّاسُ کَالفَرَاشِ المَبثُوثِ . وَتَکُونُ الجِبَالُ کَالعِھنِ المَنفُوشِ"(القارعة 101:1-5)

یہ سب کچھ وہ بتا چکا ہے۔اگر کسی چیز کے بارے میں آپ موجودہ information لیں اور قرآن میں کوئی تفاوت آ جائے تو قرآن یہ کہتا ہے کہ ہم نے ہر آیت کو سوچ سمجھ کر رکھا ہے، ماپ تول کر رکھا ہے، ہر زمانے کیلئے رکھا ہے، ہر زمین کیلئے رکھا ہے اور اگر آپ کو کوئی شبہ پڑ جائے، کوئی غلط سمجھ آ جائے تو تھوڑا سا توقف کرنا، تھوڑا سا ٹھہر جانا۔ جب تک کہ خدا کی بات سچی نہ ہو جائے۔ یہ اصول تعلیم قرآن ہے۔

خواتین وحضرات! قرآن میں جلدی کرنے والا کبھی علوم قرآن تک نہیں پہنچتا۔ جیسے میں کہہ رہا تھا آیات کے تجسس میں جو لوگ مصروف رہتے ہیں، شکرگزارِ حکمتِ کتاب ہوتے ہیں، عبادتِ الٰہی میں مصروف، حقِ بندگی ءصاحبِ کائنات کرتے ہیں۔ یہ ادیب، یہ سائنسدان، یہ مفکر، یہ متجسس روحیں ہیں جن کے علم کی پیاس سوائے قرآن کے کسی کتاب سے نہیں بجھتی، جو اسے پڑھ کر کبھی سیر نہیں ہوتے، وہ لوگ ہم میں سے اٹھ گئے ہیں......

"اَلَّذِینَ یَذکُرُونَ اللہَ قِیَامًا وَّقُعُوداً وَّعَلٰی جُنُوبِھِم وَیَتَفَکَّرُونَ " (ال عمران3:191)

(وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں کے بل اللہ کو یاد کرتے ہیں اور غور و فکر کرتے ہیں۔)

''اَولیَائِی تَحتَ قَبَائِی"اللہ کے لبادے میں سمٹے ہوئے:

''اِنَّمَا یَخشَی اللہَ مِن عِبَادِہِ العُلَمٰٓؤا" (فاطر 35:28)

(بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے اسکے عالم ہی ڈرتے ہیں۔)

یہ مسلم اور مومن اللہ کو اتنے عزیز تو ضرور ہوتے ہیں کہ ان پر مخفی علوم کی راہیں کشادہ کی جاتی ہیں۔ وہ عالم کتاب ہوتے ہیں، جو آصف بن برخیہ کی طرح fusion اور difusion پر قدرت رکھتے ہیں۔

خواتین و حضرات! fusion اور difusion کے جس مسئلے پر سائنس دان چونکہ جنرل movement میں بیکار ہو گئے تھے۔ ابھی وہ کوشش کر رہے ہیں کہ ionized atoms کے ذرات یعنی plasma کے ذرات کے ذریعے gain' fusion کر سکیں۔ اب وہ اس قابل ہو رہے ہیں کہ fusion کریں۔ اس process میں چونکہ اتنی heat پیدا ہوتی ہے کہ سب کچھ جل جاتا تھا، اس لئے اب آج کے سائنس دانوں نے plasma میں movement کر کے fusion کو gain کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ آپ دیکھ لیجئے گا کہ قرآن میں ہر بات جو آسانی سے پوری ہوئی سائنس دان اسے بڑی مشکل سے پوری کریں گے، دکھائیں گے...... یہی فرق ہے خدا کے بندوں میں اور سائنس کے بندوں میں......

سائنس کے بندوں کو محنت کرنی پڑتی ہے، جدو جہد کرنی پڑتی ہے، تخلیق کے قوانین دریافت کرنے پڑتے ہیں۔ بڑا زور چاہیے سائنس کیلئے...... مگر خدا کے بندوں میں پندرہ سو بلکہ تین ہزار برس پہلے...... اللہ کہتا ہے کہ وہ جسے ہم نے کتاب کا علم دیا تھا۔''یعنی حضرت آصف بن برخیہ جسے ہم نے قرآن کا علم دیا تھا۔ وہ کیا علم ہوگا جو کتاب اللہ میں موجود ہے۔ جس پر آپ کی نظر نہیں جا رہی اور کیسے کیسے علوم ہونگے قرآن میں جس کی طرف آپ کی نظر نہیں جا رہی، اگر اخلاص سے اُس میں غور و فکر کریں...... اور یہ کتاب وہ واحد کتاب ہے جو دنیا کی سب سے آسان کتاب ہے۔ اسے ان پڑھ پڑھ لیتا ہے، پڑھا لکھا پڑھ لیتا ہے، دانش ور پڑھ لیتا ہے، فلسفی پڑھ لیتا ہے۔ مگر overall اس کتاب کے مطالب تک پہنچنا سب کیلئے انتہائی آسان ہے، یہ اللہ نے آپ کو سوغات بخشی ہے، یہ نعمت آپکو بخشی ہے کہ جملہ مسلمان اگر غور و فکر سے، اس کتاب سے، اپنی زندگی کے حقائق کیلئے اصولِ زندگی اگر اخذ کرنا چاہتے ہیں تو ہر قسم کا اصول اس میں موجود ہے۔

یہ وہ عالم کتاب ہیں کہ ان کے انگشتہائے مبارک سے شمعیں فروزاں ہوتی تھیں۔ یہ واقعہ مدینہ میں پیش آیا: آندھی اور جھکڑ چل رہے تھے، دو اصحابِ رسول ﷺ مدینہ میں مسجد نبوی ﷺ کیلئے نکلے تو سخت اندھیرا تھا تو دیکھا کہ دو شمعیں ان کے آگے فروزاں ہو گئی ہیں اور اُن کو لیکر وہ مسجد کے دروازے تک پہنچے۔ یہ معجزات نہیں ہیں۔ یقین جانیے، یہ معجزات نہیں ہیں۔ آپ کو پتہ ہے کہ یہ کیا ہے؟ یہ اعتبار کی وہ نعمت ہے جو آپ حاصل کر رہے ہوتے ہو۔ آپ کو کتنا scientific اعتبار حاصل ہے؟ آپ کو پتہ ہے کہ یہ بٹن دبائیں گے تو یہ مشین، یہ function کرے گی...... ربِ کعبہ کی قسم ہے اگر آپ کو خدا پر اتنا ہی اعتبار ہو، جتنا ہمیں scientific

informations پر ہے تو یہ کام اتنی آسانی سے آپ کے رستے میں ہو کہ آپ حیران ہو جاؤ۔
بہر حال "اَلحُکمُ لِلّٰہِ" ملائکہ اور جنات بنی آدم کی سعادت میں سر جھکاتے ہیں:

"وَاِذ قَالَ رَبُّکَ لِلمَلٰئِکَۃِ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الاَرضِ خَلِیفَۃً" (البقرۃ 2:30)

(اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔)

آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر آدم میں صلاحیت اور طاقت وقوت نہ ہوتو وہ جن اور ملک کو کیسے قابو کر سکتا ہے۔۔۔؟ دو صورتوں سے قوت قائم ہوتی ہے یا میں ملائکہ اور جنات کی قوت اپنے تصرف میں لاؤں اور وہ میرے لئے اُسے استعمال کریں یا میں اُن سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں، اسی لئے اللہ نے اُن کو میرے سامنے جھکایا ہے۔ میں مسجودِ ملائک اس لئے ہوں کہ یا میں مَلک سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں یا یہ کہ میں اُن کی طاقت اپنے مقاصد کیلئے استعمال کر سکتا ہوں۔

خواتین وحضرات! پہلا حصہ صحیح ہے کہ جب انسان کا دل خالی ہو جائے ...... شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ ملکۂ سباء نے جیسے اپنے سرداروں کو کہا کہ جب بڑے بادشاہ کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اُس میں چھوٹے چھوٹے امراء کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں داخل ہوتا ہے تو چھوٹی موٹی آرزو وخواہش کو ختم کر دیتا ہے اور اُس ویرانے میں صرف ایک چراغ جلتا ہے۔ اللہ کی یاد کا چراغ ...... اور پھر آپکو قرآن کی رہنمائی نصیب ہوتی ہے۔ یہ خواب وخیال کی باتیں نہیں۔ خواتین وحضرات! یہ مسلمانوں کی باتیں ہیں، یہ اللہ کے بندوں کی باتیں ہیں۔ یہ کتاب کے وارثوں کی باتیں ہیں۔ خلیفۃ اللہ فی الارض کی باتیں ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے ماننے والوں کی باتیں ہیں۔ قرآن کے طالب علموں کی باتیں ہیں۔ باقی تو وہ سب کچھ نہیں رہا۔ اب تو بڑا خلا ہے، بڑا بحران ہے، بڑی ویرانیاں ہیں، سیراب چشمے، سراب صحرا میں بدل گئے۔ مقدس راستوں پر دھول اُڑتی ہے۔ اجتماعیت تفرقہ سازی کی نذر ہو رہی ہے، ہو چکی ہے۔ امتِ مسلمہ پر دھن غالب ہے، دولتِ دنیا غالب ہے، دولتِ امریکہ اور انگلینڈ غالب ہے، اثر ورسوخ غالب ہے، غیر کے منت پذیر ہیں اس لئے اب ان میں وہ کردار واخلاق قائم نہیں رہا۔ اخلاق وایمان اب قصہ پارینہ ہے۔ متاعِ اہلِ ایمان تماشائے بازار ہو چکی ہے۔ اللہ پر یقین ریش دراز کی لمبائی اور necklace کے ٹیکے تک محدود ہو گیا ہے مگر کیا رجعت ممکن ہے؟ کیا آپ کے خیال میں ممکن ہے؟ کیا میرے خیال میں ممکن ہے؟ وہ غلبہ واقتدار جو ہمارے آباؤ اجداد کو اور اصحابِ رسول ﷺ کو حاصل تھا، کیا ہم بھی وہ حاصل کر سکتے ہیں؟ ہاں

instrument موجود ہے۔ اِس اقتدار کا، غلبے کا instrument موجود ہے۔ سب کچھ گنوانے کے باوجود ایک چیز محفوظ ہے، ایک خزانہ تو ہے جسے کوئی نقب نہیں لگا سکتا۔ ہم اُسے بھی خراب کر دیتے، ہم اُسے بھی برباد کر دیتے، اتفاق یہ ہے کہ اُس کی حفاظت ہمارے ذمہ نہ تھی۔

''نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُونَ '' (الحجر 9:15)

(ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔)

ایک کتاب تو آج تک کبھی آلودہ تحریف نہیں ہوئی ورنہ اس کے پیچھے سے اللہ کی سند ہٹ جاتی۔ اللہ کا کلام، اللہ کی دلیلِ غالب، سلطانِ نصیر، احساسِ علم وحکمت، شرفِ مسلم واسلام، فلسفۂ ذات و کائنات، تحریکِ فکرِ ترجیحات، کلیدِ محبتِ خدا اور رسولؐ، طلسم کشائے چیستان، لذتِ زبان، انکسارِ خیال، رفعتِ فکر، انتہائے تخلیقِ انسان...... جب آپ اسکی طرف پلٹو گے، تو فاصلے سکڑ جائیں گے، حوادث کے رُخ پلٹ جائیں گے، آسمان کے بالا خانوں سے رحمت کی پھوار پڑے گی، آفتاب رُخِ محروم کی تاریکیاں نوچ لے گا، گردشِ افلاک شرمسار ومنفعل ہوگی اور زمین وآسمان پابندِ خلیفۃ اللہ فی الارض......

وَمَا عَلَینَا اِلَّا البَلاغ

لیکچر کے خاتمے تک چند ایک بہت اہم باتیں تھیں جو اس ضمن میں کرنی تھیں۔ ہمارا اصول تھا، پہلے فاتحہ پڑھنا۔ وہ اس لئے نہ ہوسکا کہ اس عرصے میں اتنا بڑا حادثہ گزر گیا۔ مظفر آباد کا حادثہ...... ہمارے پاس اس وقت بھی بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں کہ جنہوں نے اپنے عزیز واقارب اس حادثے میں گنوائے، اس زلزلے میں گنوائے۔ زلزے کے بارے میں جو technical رائے تھی، وہ تو میں پہلے دے چکا ہوں۔ ایک speech میں کہہ چکا ہوں تو میرا خیال یہ ہے کہ ایک اور مسئلے پر تھوڑی سی گفتگو کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ہم فاتحہ پڑھیں گے۔ مرنے والوں کیلئے دعا کریں گے۔ ایک دوسری بات جو آج کل کے زمانے مین بڑی شدت سے جاری ہے، ابھی بھی جاری ہے، ڈنمارک کے کارٹونسٹ کی توہینِ رسالت پر بہت سے لوگوں نے فون پر مجھ سے میری رائے پوچھی......

خواتین وحضرات! میرا یقین کریں کہ دشمن سے رعایت مانگنی نہیں چاہئیے۔ اگر آپ دشمن کو رعایت دو گے تو وہ آپ کو اُسی نقطے پر بار بار تنگ کرے گا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ہستیء مبارکہ ہمارے ایمان کا معتبر حصہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیثِ مبارکہ ہے: فرمایا:

''ایمان کی حلاوت اگر کسی نے چکھنی ہوتو تین چیزوں میں ہے۔ایمان کی حلاوت اللہ کو'' وحدہٗ لاشریک'' ماننے اور پھر اس میں کسی کو شریک نہ کرنے میں ہے اور ایمان کی حلاوت رسول اللہ ﷺ کو اپنے جان و مال، اولاد ہر چیز سے بڑھ کر چاہنے میں ہے اور ایمان کی حلاوت اسلام سے کفر کو واپس جانے میں کراہت کو کہتے ہیں''۔

خواتین وحضرات! میں سمجھتا ہوں آج ہی نہیں، پہلے بھی بہت ایسے واقعات گزرے ہیں کہ جب رجنالڈ، کرک کے والی نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی ایک عزیزہ جو حاجیوں کے گروہ کے ساتھ جارہی تھی، اُن پر حملہ کیا۔تو اُس خاتون نے آواز دی:''وامحمداہ'' (اے محمد ﷺ میری مدد کریں) یہ آواز عجیب وغریب تھی...... وہاں، اس وقت اس زمانے میں یہ آواز دینا بُرا نہیں سمجھا جاتا تھا......تو اُس عورت نے کہا:''وامحمداہ'' رجنالڈ نے یہ سن کر کہا:''آج محمد ﷺ تو کیا تیرا خدا بھی تجھے میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا''۔جب سلطان صلاح الدین ایوبی کو یہ بات پہنچی تو اس نے قسم کھائی کہ اس مردود کا سر میں خود اپنے ہاتھوں سے قلم کروں گا۔وادیٔ Hittin کی جنگ کے بعد Twenty five princes of Europe قید ہوئے، گرفتار ہوئے، صلاح الدین کے سامنے لائے گئے......جنگِ Hittin دراصل پیاس کی جنگ ہے، جہاں یورپی سپاہی ذرہ بکتر پہنے ہوئے تشنگی کے باعث ہی مر گئے تھے بلکہ اتنی پیاس کی جنگ تھی کہ جب اُن کو قتل کرنے کیلئے کوئی سلجوق یا کوئی ترکمان پہنچتا تو وہ کہتے کہ سر اتار لے مگر ایک گھونٹ پانی پلا دے۔جب اس عالم میں اُن کو پانی دینے لگے تو صلاح الدین نے کہا کہ اسے پانی نہیں پلانا......تو سلطان صلاح الدین اٹھا، اُس نے اسے تلوار کا ہاتھ مارا اور فنا فی النار کیا''......تمام بادشاہ بہت ڈر گئے تو صلاح الدین نے بڑی مشہور بات کہی: Kings don't kill the kings ''بادشاہ بادشاہوں کا قتل نہیں کرتے مگر اس کی گستاخی بہت دور کی تھی جو اس نے ہمارے پیغمبر کی شان میں کی تھی۔

تو خواتین وحضرات!

؎ ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

آپ انکا ہاتھ نہیں روک سکتے ہو، انہوں نے آپ کو مفلوج کر رکھا ہے۔آپ اُن کے غلبے کے اسیر ہو۔آپ محکوم ہو۔حکمران نہیں ہو۔زیادہ سے زیادہ آپ اُن سے نفرت کر سکتے ہو۔اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہو مگر جب اُن کو آپکی کمزوری ہاتھ آ گئی تو بار بار وہی حرکتِ نازیبا کریں گے......

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

یہ روحِ محمد ﷺ کبھی اپنے لوگ بھی نکالتے ہیں، کچھ غیر بھی ایسا کرتے ہیں تو میری خواہش یہ ہے کہ اپنی کمزوری آپ expose نہ کرو۔ سب سے بڑی جو محکم بات ہے، وہ یہ کہ اگر ہم پر اُن کا کسی چیز کا احسان ہے تو ہم لوٹا دیں۔

اگر ڈنمارک کی کوئی چیزیں ہمارے استعمال میں ہیں تو ہم اُن سے پرہیز کر سکتے ہیں۔ ہم احتجاج سے دنیا کو آگاہ تو کر سکتے ہیں، مگر ان بدبختوں کو دوبارہ ایسی حرکتیں کرنے سے روک نہیں سکتے۔

میرا تو ویسے بھی یقین ہے کہ Third world war has started کوئی نہ کوئی عذر اور بہانہ تو ایک مکمل جنگ کو لگتا ہے تو emotional تو آپ ضرور ہو جایئے۔ اللہ کی محبت، رسول ﷺ کی محبت، emotionally ہی حاصل ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ علم، وہ عقل و دانش، وہ reason، وہ جو بنیادی طاقت ہے، اُس کو مت بھولیئے۔

ہم اُن کو صرف ایک جواب دے سکتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے رسول ﷺ کی تضحیک کرنا چاہیں تو ہم اپنے رسول ﷺ کو زیادہ پیار کر سکتے ہیں، اُن کی زیادہ بات مانیں، اُن کے کہے ہوئے پر زیادہ چلیں، ہم اُن کو ہر جگہ پر quote کر سکتے ہیں۔ وہ ہماری آنکھوں میں بس سکتے ہیں۔ ہماری زبان میں رچ سکتے ہیں۔ ہمارے دل میں قیام پذیر ہو سکتے ہیں، یہی اُس کا سب سے بڑا جواب ہے۔ ذہنی سطح پر، intellectual سطح پر، قلبی سطح پر، عقلی سطح پر، ہم اپنے آقا کو اُس سے کہیں بڑھ کر چاہیں گے۔ وہ اُن کی عبا کو آلودہ نہیں کر سکتے۔ دنیا کی کوئی طاقت بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی عبا پر کوئی چھینٹ نہیں دے سکتی۔ اللہ اُن کی حفاظت پر قادر ہے مگر وہ وقت ضرور قریب آ رہا ہے، جنابِ طاہر القادری کے سات سو ساٹھ برس نہیں ہیں...... کیا عجیب بات ہے کہ ہمارے علماء وہ دعویٰ کرتے ہیں جو کسی کی زندگی میں بھی پورا judge نہ ہو سکے۔ اب آپ سات سو ساٹھ برس جیو گے تو مہدی دیکھو گے مگر سوال یہ ہے کہ ہم آج سے یہ تیاری کیوں نہ کریں۔

دُشمن سے بھیک نہیں مانگی جا سکتی۔ دشمن سے کسی courtesy کی توقع رکھنا بہت بڑی حماقت ہے۔ وہ ہم پر رحم کیوں کریں گے؟ ہم کو چاہیئے کہ ہم اپنے آپ پر رحم کریں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم خدا اور رسول ﷺ کے طریقوں پر چلیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم honesty اختیار کریں۔ ایک مضبوط تر نسل بن جائیں۔ ایک اعلیٰ اقدار کی نسل بن جائیں پھر دیکھیں گے کہ کون

جرأت کرتا ہے؟ انشاءاللہ وہ وقت آئے گا جب آپ ان سے اس تضحیک کا پورا حساب لیں گے۔ پورا بدلہ لیں گے۔ میزان تولی جائے گی......

"یَا اَرحَمَ الرَّاحِمِین یَا اَرحَمَ الرَّاحِمِین ۔ یَا ذَالجَلَالِ وَالاِکرَام یَاذالجَلالِ وَالاِکرَام یَا ذَالجَلَالِ والاِکرَام ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنتَ سُبحٰنَکَ اِنِّی کُنتُ مِنَ الظّٰلِمِین ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسئَلُکَ بِاَنَّکَ اَنتَ اللّٰہُ لَا اِلٰهَ اِلَّا الصَّمَدُ الَّذِی لَم یَلِد وَلَم یُولَد وَلَم یَکُن لَّهُ کُفُوًا اَحَد ۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا اَسئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ حَمدُکَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنتَ وَحدُکَ لَا شَرِیکَ لَکَ حَنَّانُ مَنَّانُ بَدِیعُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ یَا ذالجَلَالِ وَالاِکرَام ۔ وَاِلٰھُکُم اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الرَّحمٰنُ الرَّحِیم اَللّٰہُ لَا اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الحَیُّ القَیُّوم ۔ الٓمّٓ ۔ اَللّٰہُ لَا اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الحَیُّ القَیُّوم "

اے پروردگارِ عالم! اتنے بڑے حادثے میں جو ہمارے عزیز و اقارب، ہمارے دوستوں کے عزیز و اقارب، جنکے گھر برباد ہوئے، ان کے نقصان پورے فرما! جنکی زندگیاں گئیں وہ اگر دنیا میں نہیں آسکتے تو ان کو دوسرے گھروں میں امن و سکون کی زندگی عطا فرما! اے مالک و کریم ان کے جو بچے یتیم ہو گئے ان کی حفاظت فرما! اور ان کو اپنی منزل پر پوری حفاظت سے پہنچا! اے مالک و کریم! ان بچوں کی بھلائی ہو اور ہمارے گھروں میں امن رکھ، سکون رکھ، جو نئے تازہ پیدا ہوئے انکی زندگیاں ہمارے ہاں امانت کی طرح ہیں، ہمیں ان کی مدد اور اعانت اور پرورش پر مدد فرما تا کہ ہم ان کو تیرے اچھے بندے بنانے کی توفیق دے سکیں۔ اے مالک و کریم! ہمیں اپنی ترجیحات کا سبق اچھی طرح پڑھا دے! اے مالک و کریم! ہمارا فسق و فجور دور فرما دے اور اے مالک و کریم اپنے بندوں پر اپنے بندوں کی طرح رحم فرما! ہم کوشش کر رہے ہیں کہ تجھے ماننے کا حق ادا کریں۔ خطا و نسیان کو فراموش فرما! گناہ و کبر و جبر کو فراموش فرما اور زندگی اپنی خدمت میں اور اپنی غلامی میں بسر کرنے کی استطاعت فرما! اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم

سوال: اسمائے نزاع اور اسمائے موافق کون کون سے ہیں؟ اسماء کے انفرادی خواص وضاحت سے بیان کریں اور ح، م سے مل کر کیا اثرات مرتب کرے گی اور ا، ن سے ملکر کیا اثرات مرتب کرے گا؟

جواب: خواتین و حضرات! welcome back السلام علیکم ورحمۃ اللہ! پہلا سوال مغرب تک جانے والا ہے، بہت طویل ہے۔ مختصراً میں کچھ آپکو اس کا جواب دوں گا۔ جیسے میں نے پہلے

کہا تھا، کہ اسمائے التفات یا مناسبت وہ ہیں جو قرآن میں درج ہیں جیسے الٓـمٓ ، حٰـمٓ ، عسق،
کھیٰـعٓـصٓ، حٰـمٓـعٓـسٓـقٓ ۔یہ second combination ہیں جو دو اسماء کے
combinations سے آگے بڑھ کر بنتے ہیں۔ اب آپ اپنی زندگیوں میں غور کیجئے گا کہ
بہت سارے اسماء speed زمانے اور خواہش کے لحاظ سے ایک دوسرے سے different ہو
جاتے ہیں۔ جیسے سب سے پہلی جو حٰـمٓ ہے، اُسے ہم حیات وموت کہتے ہیں۔ حیات متحرک ہے
اور موت ساکن ہے۔ اب اسی چیز کو جب آپ آگے بڑھاتے ہیں۔ تو کسی بھی خاتون کا نام اگر
ح سے شروع ہو گا۔ تو وہ یقیناً ، agitation، movement tension اور
constant غضب کی علامات رکھے گی۔ اب فرض کرو، اگر اُس کی temper کا آپ اُسکو رشتہ
دے دو تو یہ movement آپس میں ٹکرا کر ختم ہونے کے درپے ہو جاتی ہے مگر اگر ح کا
تعلق میم سے ہو جائے۔ تو میم اُسے سمیٹ لیتی ہے۔ وہ اتنا پُرسکون aspect آگے لیتی ہے۔
اسی لئے پہلی حٰـمٓ جو ہے وہ حیات وموت کی ہے اور دوسری حٰـمٓ جو ہے حوت اور ماء کی ہے۔
یہ دیکھ لیجئے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سات ح اور میم عطا کی گئیں۔
اُن میں سے دوسری حٰـمٓ جو ہے، حوت اور ماء کی ہے، یعنی مچھلی...... آپ نے غور کیا ہو تو ماء کو
مَآءُ البحو یعنی سمندر کا پانی کہتے ہیں۔ دریا اور ہے۔ ماءُ البحر اور ہے۔ اگر میم کا رنگ سفید ہو تو وہ
تیز رفتار اچھلنے، کودنے والی شخصیت۔ projective ہو گی۔ اور اگر میم کا رنگ سانولا ہے تو وہ
depth اور گہرائی رکھے گی اور اگر اُس وقت اُس کی شادی ''ح'' سے ہو جائے تو ''ح'' جو مرضی
کرلے میم اسے سمیٹے رکھے گی اور اگر نہیں ہو گی، تو یہ تعلق بدقسمتی سے ختم ہو جائے گا۔ اب اگر
دیکھئے تو یہ combinations ہیں جیسے ہم میدانوں میں، جنگ میں، ہم اگر جرنیلوں میں بھی
دیکھ لیں تو یہ چیز نظر آتی ہے۔

یہ اسمائے موافقت ہیں جو قرآنِ حکیم میں درج ہیں۔ یہ اسمائے تناظر نہیں ہیں۔ مگر
جب اسمائے تناظر کی باری آتی ہے تو وہ ہمیں خود discover کرنے پڑتے ہیں۔ کوئی بھی اسماء
کی ایک list، ایک وقت میں آپس میں محبت رکھتی ہے اور دوسرے وقت میں ایک دوسرے کی
مخالف ہو جاتی ہے۔ اُس کی ایک خاص وجہ ہوتی ہے کہ first combination اور ہوتے
ہیں۔ second combination اور ہوتے ہیں اور third combination اور
ہوتے ہیں۔ اب فرض کرو کہ ایک شخص third combination میں جا رہا ہے تو وہ چلتا تو

رہے گا مگر اُن میں اُتنا اُنس نہیں ہوگا۔ فرض کرو اُس شخص کی ملاقات first combination سے ہوگئی تو first combination جو ہے اُس کے third combination کو تباہ کر دے گی۔ اس لئے اکثر جو شادیاں ٹوٹتی ہیں یا کسی دوسرے تعلقات کی مداخلت ہوتی ہے تو ہم یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کہیں خدانخواستہ کوئی affair، کوئی تعلق، اپنے combination میں اتنا تو نہیں بڑھ گیا کہ third combination یا second combination کے لئے باعث خطرہ بن گیا ہے۔

خواتین و حضرات! آپ ایک لائبریری میں جاتے ہو۔ اگر کوئی sign نہ ہو، کوئی نشان نہ ہو، اور آپکو کہا جائے کہ لٹریچر پر فلاں author کی کتاب آپ ڈھونڈ و تو میرا خیال ہے کہ ایک بڑی لائبریری میں آپکو ایک ہفتہ بھی لگ جائے تو وہ کتاب نہیں ملے گی۔..... ہوتا کیا ہے؟ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آپ لائبریری کی بجائے کسی کچن میں داخل ہو کر کتاب ڈھونڈیں Obviously you have to get the first name یعنی آپکو لائبریری میں جانا ہے then you have to go where there will be major division...... کہ یہ ناول ہے، یہ تاریخ ہے، یہ افسانہ ہے، یہ فلاں ہے، اُس کے بعد آپکو وہ section ڈھونڈنے میں جہاں وہ ناول یا افسانہ ہے، آسانی ہو جاتی ہے۔ آپ کو guide کیا جاتا ہے کہ یہ وہ section ہے۔ پھر آگے ایک author's list بنی ہوتی ہے۔ وہ author's list دیکھ کر آپ اس کتاب کے اُس particular rack میں سے تھوڑی سی کوشش کے ساتھ آدھے، پونے گھنٹے میں اصل کتاب ڈھونڈ لیتے ہیں۔

جب خداوند کریم نے لوگوں کو پیدا کیا تو ان کی basic categories تخلیق کیں۔ basic categories کو وہ حروف rule کرتے ہیں جن کو آپ حروف مقطعات کہتے ہیں اور اس category کے بعد secondary categories وہ نام ہوتے ہیں جو اُن ناموں کے ساتھ آ کر ملتے ہیں۔ ان کے features، ان کے relationships، ان میں عادات basically مشترک ہوتی ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ بہت سے دانشور یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر ایک ہی نام دس آدمیوں کا ہے تو وہ مختلف کیوں ہوتے ہیں۔ اُس کی وجہ خواتین و حضرات! اُن کے genetic differences ہوتے ہیں۔ نام تو وہی رکھا جاتا ہے مگر اگر مجھے یہ جاننا ہو کہ یہ کس کلاس میں ہے تو مجھے لائبریری کی جگہ ذرا پیچھے جانا پڑتا ہے۔ اور

پیچھے جا کر میں دیکھتا ہوں کہ genetically جس ماں باپ کے گھر پیدا ہوا ہے اُس میں affinity تھی یا مشکل تھی۔ پھر اگر فرض کرو کہ کسی کا نام الف سے شروع ہوا اور اُس کے گھر نون سے بیٹا پیدا ہو جائے تو اُن کی آپس میں سخت مخالفت رہے گی اگر چہ نون بڑا obedient رہے گا۔ مگر mentally they would be lot apart

میں الف اور نون کی آپکو دو بڑی مخالفتیں بتا سکتا ہوں۔ اُس کی وجہ اگر آپ سوچو تو بڑی واضح ہے کہ اللہ نے فرمایا۔ حدیثِ قدسی ہے۔ کہ خدا نے نفسِ انسان میں اپنا سب سے بڑا دشمن پیدا کیا ہے۔ اگر آپ غور کرو تو الف اگر اللہ کے basic اسم کو ہم کہتے ہیں تو اُس نے اپنی مخالفت خود ہی نون میں رکھی ہے۔ اب آپکو تھوڑا سا ایک عنصر بتاؤں کہ جب الفاظ، الفاظ سے ملتے ہیں تو اُنکے ایک جیسے اثرات نہیں ہوتے۔ اگر دس اسماء مشترک ہیں اور اُنکی موانست ہے تو دس اسماء کا تعلق جو ہے وہ نتیجے علیحدہ علیحدہ دے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ الف اگر میم سے ملے تو وہی نتیجہ نکلے جو الف اور شین کے ملنے میں ہوتا ہے۔ الف اور شین کے ملنے میں جسمانی possessions ہوتی ہیں۔ دونوں چونکہ بخیل ہیں۔ الف، بھی بخیل ہے، شین بھی بخیل ہے تو دونوں میں possessive attitudes پیدا ہو جائیں گے۔ الف اگر میم سے ملیں گے۔ تو الف کو چونکہ میم سے شدید محبت ہوتی ہے اور یہ محبت چونکہ اللہ اور رسول محمد ﷺ سے شروع ہوتی ہے۔ اس لئے اسکا normal life' effect پر بھی پڑے گا۔ اگر چہ میم، کسی نہ کسی وقت تنہائی حاصل کرنے کی، علیحدگی حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔

الف کے ساتھ اس کو جب ہم آگے بڑھاتے ہیں تو ہمیں پتہ لگتا ہے کہ الف اور میم کی یہ روایت الـم میں آئی ہے۔ اسی لئے جب یہودیوں نے question کیا تھا رسول اللہ سے کہ آپکو کون کون سا وقت عطا کیا گیا۔ جب انھوں نے حضور ﷺ سے 'الـمر' سنا تو وہ پریشان ہو کر چلے گئے کہ یہ تو قیامت تک جائیں گے حضور ﷺ چونکہ فراست علمیہ میں ایک مکمل اُستاد کی طرح تھے۔ انہوں نے ایک جھلک اس علم الاسماء کی اس وقت دکھائی جو معنی کے لحاظ سے تھی، جب وہ مدینہ کے قریب پہنچ رہے تھے تو ایک اسلحہ بند شخص اُن کے پاس آیا۔ حضرت ابو بکرؓ ذرا ڈرے کہ یہ حضور ﷺ پر حملہ نہ کر دے تو حضور ﷺ نے اُس کا نام پوچھا۔ اس نے کہا: ''میرا نام اَسلم ہے''۔ کہا: ''اس میں ہمارے لئے سلامتی ہے''۔ کہا: ''کس قبیلے سے ہو''۔ کہا: ''میں بنو سلیم سے ہوں''۔ کہا: ''الحمدُ للہ اس میں بھی ہمارے لئے اچھائی اور بہتری ہے''۔ تو بہتر طریقہء کار یہ ہوتا

ہے کہ اگر اچھی تعلیم، اچھے مسلک اور اچھے مذہب پر انسان قائم ہو تو اسم اُسی طرح حرکت کرتا ہے۔ جیسے اچھائی کو حرکت کرنی چاہیے۔ مگر جب یہ بات نہیں ہوتی جیسے آج کا زمانہ ہے تو ہم اسم کو اُس کی بھلائی سے نہیں پہچانتے بلکہ اس کی بُرائی سے پہچانتے ہیں۔ اس لئے بہت سارے اسماء آج کل اپنے مقام سے گر جاتے ہیں اور جیسے حضورﷺ کی حدیث ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ لوگ پوچھیں گے، اور لوگ mention کریں گے۔ کہ فلاں شہر میں، فلاں محلے میں، فلاں گلی میں ایک شخص ہے جو ایماندار ہے یعنی ایمان اتنا کم ہو جائے گا کہ لوگ ڈھونڈیں گے، search کریں گے، پوچھیں گے اور اُس شخص کا بڑا نام ہو گا جو ایماندار ہو گا کیونکہ وہ اکیلا ہو گا۔ اور کہیں آپکو ایمانداری نظر نہیں آئے گی۔

ایک تیسرا سوال جو اٹھتا ہے، جس کے لئے میں آپ کو یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اس معاملے میں، اسماء کی recognition دینے والا، میں اس وقت صرف اکیلا اُستاد ہوں، چونکہ اس کی تعلیمات کا قطعاً کوئی record دُنیا میں موجود نہیں تھا اس لئے مجھے اسماء کی تحقیق میں، ان کو صفات دینے میں، جن چیزوں نے مدد کی ہے: سب سے پہلے قرآن حکیم مدد کرتے ہیں۔ اللہ اور اُس کی کتاب کے بعد، ہمیں اپنی (observations), psychological اور anthropological اور sociological کو ملا کر اگر حقیقتاً اس علم کو بیان کیا جائے تو آپ کسی شخص کو دیکھ کر اُس کے origin کا بھی سراغ لگا لیتے ہو، جس ترتیب سے اس نے دنیا سے گزرنا ہے وہ بھی visible ہو جاتا ہے اور جس انجام تک پہنچنا ہے۔ وہ بھی visible ہو جاتا ہے۔ اس کے intellectual status کو دیکھنا جاننا بھی آسان ہو جاتا ہے مگر پھر یہ وہ دعوے ہیں جن کی تصدیق اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

محمد توفیق عمر: شکریہ پروفیسر صاحب! خواتین و حضرات! ڈاکٹر عبدالجلیل خان صاحب اور سید بلال قطب یہاں موجود ہیں تو ہم گاہے بگاہے ان سے بھی رجوع کرتے رہیں گے۔

پروفیسر احمد رفیق: میں آپ کو بتاتا چلوں کہ ماشاءاللہ سید بلال قطب بہت پائے کے لاہور یئے، نیشنل کالج آف آرٹس کے استاد ہیں مگر نہ صرف وہاں کے استاد ہیں بلکہ بہت ساری اور چیزوں کے بھی استاد ہیں۔ گویا استاد ہیں۔ تو ڈاکٹر عبدالجلیل خواجہ ماشاءاللہ بہت پرانے میرے نوجوان دوستوں میں شامل ہیں young کہنا تو خیر ایک فضول بات ہے...... جس نے سوچنا شروع کیا، وہ بوڑھا ہو گیا...... حضورﷺ فرمایا کرتے تھے کہ سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا حالانکہ آپﷺ

کے آخری وقت تک کے بہتر بال سفید تھے۔ تو جب خیالات کا بوجھ آتا ہے...... اِس زمانے میں اتنی tensions, اتنی گھبراہٹیں ہیں...... اتنی پریشانیاں اور اتنی اداسیاں باطن میں جمع ہو جاتی ہیں کہ ساری دنیا کی خوشیاں بھی مل کر اس اندرونی باطنی اداسی کو دور نہیں کر سکتیں تو یہ میرے ماشاءاللہ بہت ذہین طالب علموں میں سے ہیں اور میں نے ان کو سکھایا ہے کہ چونکہ استاد بھی غلطی کر سکتا ہے...... تم بھی غلطی کر سکتے ہو۔ میرے نزدیک علم کا نشان ہی یہی ہے کہ آپ کہیں کہ آپ غلطی کر سکتے ہیں تو کوئی opinion فائنل نہیں ہے ہم کوشش کریں گے کہ آپ کو بہتر سے بہتر information دے سکیں۔

سوال:۔ پروفیسر صاحب آپ نے time and space پر گفتگو کی تھی تو کھانے کے دوران time and space کا آج جو مسئلہ پیدا ہوا، اس پر کچھ روشنی ڈالیں؟

جواب:۔ خواتین وحضرات! میں تو تھکن کی وجہ سے اوپر چلا گیا تھا۔ میرا خیال ہے جو لوگ وہاں حاضر تھے وہ ضرور اس مسئلے پر گفتگو کریں گے۔ ہم جب کارڈ issue کرتے ہیں تو آپکی اطلاع کے لئے میں عرض کروں کہ جب ہم اُنیس سو یا دو ہزار کارڈ issue کرتے ہیں تو ہم خیال کرتے ہیں کہ ہم پانچ سو تعداد زیادہ رکھیں گے تو شروع شروع میں یہ تھا کہ ہم تمام لوگوں سے جو مقررہ رقم لیتے تھے، وہ ہمارے تمام کھانوں کو بھی پوری ہو جاتی تھی اور اس سارے بندوبست کو بھی پوری ہو جاتی تھی۔ اب اللہ کے فضل سے میرے کچھ دوستوں نے بڑی مروت فرمائی، بڑی عنایت فرمائی تو میں نے تھوڑا areal کھول دیا۔ میں نے کہا: چلو یار آپ کے علاقے میں اگر ایک شخص نے بھی ہماری اعانت کی ہے اور ہمیں support کیا ہے تو باقی حضرات اپنی خوشی سے آسکتے ہیں۔ تاکہ ہمارے نوجوان دوست کوئی burden feel نہ کریں۔ مجھے بھی لگتا ہے کہ پیسے زیادہ ہیں مگر اگر آپ یقین رکھو تو یہ پیسے لینے کے لئے نہیں ہیں بلکہ تعداد روکنے کے لئے ہیں کہ ہمارے پاس جگہ کم ہے۔ ہم جب تک کسی بڑے کھلے میدان میں نہیں جاتے، ہم manage نہیں کر سکتے۔ اب امید ہے انشا اللہ تعالیٰ اگلے برس تک ہم open کریں گے۔ پھر آپ یہاں ہزاروں لوگ دیکھیں گے۔

آپ تو شاید یہاں کی تعداد دیکھتے ہو مگر مجھے افسوس یہ ہوتا ہے کہ ہمارے ہزاروں دوست جو آنے کے لئے بڑے بے چین ہوتے ہیں۔ وہ اس لئے نہیں آسکتے کہ شاید اُن کے پاس مالی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس دفعہ سڑکوں پر، گلی کوچوں میں، ٹرانسپورٹ بند ہونے سے، رش کی وجہ

سے جو واقعہ پیش آرہا تھا تو ہمارا خیال یہ تھا کہ ہم equivalent level پر تیاری کریں گے مگر ماشاء اللہ تعالیٰ العزیز آپ لوگوں نے اتنی ہمت دکھائی ہے کہ آپ نے ہمارے کھانے کے space and time میں فرق ڈال دیا۔ میں روز پنڈی جایا کرتا تھا اور صدمہ کے ساتھ واپس آتا تھا...... ڈرائیونگ کرتے ہوئے، سڑکوں پر جاتے ہوئے اگر ایک لمحہ توقف کر کے دوسرے سے کہیں کہ تم نکل جاؤ تو کسی قسم کا بحران پیدا نہیں ہوتا مگر ہم اتنی عجلت کرتے ہیں،...... مجھے یقین ہے کہ جب تک آپ صبر نہیں کریں گے، جب تک آپ اس عجلت پر قابو نہیں پائیں گے، ہم کبھی بھی ایک بہتر اور اچھی قوم نہیں بن سکتے۔ شاید میں بھی پہلے پہلے ایسا ہی کرتا تھا۔ میں بھی آپ سے زیادہ عجیل تھا، پھر جب اللہ نے تھوڑا سا صبر وسکون بخشا، جب مجھے خیال آیا کہ ہم اللہ کے ماننے والے ہیں، اللہ بھی کوئی discipline مانگتا ہے، ایسا discipline جس کا centre باہر نہ ہو، جس کا centre اندر ہو، کچھ رکاوٹ نہیں پڑتی اگر میں ذرا سا رک کر اپنے بھائی کو اشارہ کر دوں اور سارے لوگ اگر ایسا کریں، وہ رُک جائیں اور کہیں کہ چل تُو اور تیرا منہ میری گاڑی سے آگے ہے، تُو پہلے نکل جا مگر ہم لوگ اتنے عجلت پسند ہیں کہ اگلی گاڑی والے کو ہر صورت تباہ و برباد کر کے آگے نکلنا چاہتے ہیں۔ خواتین وحضرات! آپ یقین کیجیے کہ ہمارا کھانا کبھی کم نہیں ہوا۔ میرے ساتھ جو لوگ co-operate کرتے ہیں اللہ کے فضل وکرم سے اچھا کھانا بناتے ہیں اور ہماری یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ آپ تک پہنچے، مگر کبھی کبھار عجلت ایک بھرے پرے نظام کو برباد کر دیتی ہے۔ میں آپ سے یہی درخواست کروں گا کہ ہم سے کوتاہی ہوئی تو ہمیں معاف کریں، اگر آپ سے ہوئی تو اصلاح فرمائیں۔

سوال:۔ خدا کائنات کی مجموعی طاقتوں کا نام ہے۔ اگر نہیں تو پھر خدا کیا ہے؟

جواب:۔ "لَو كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا" (الانبیاء 22:21)

(اگر کائنات میں ایک خدا کے سوا خدا ہوتے تو کائنات میں فساد ہو جاتا۔)

اللہ کی دلیل بڑی سادہ سی ہوتی ہے۔ اگر کائنات میں دو خدا ہوتے تو فساد ہو جاتا۔ یہ قوتیں نہیں ہیں...... کائنات میں کوئی قوتیں نہیں ہیں...... اشیاء قدرتِ خداوند کی پابند ہیں، ان کی اپنی کوئی جُرأت حرکت نہیں ہے، کوئی جرأتِ مزاج نہیں ہے، اُن کی کوئی تخلیقی قوت نہیں ہے۔ یہ تمام چیزیں جو اللہ نے ڈالیں انسان کے باطن میں ڈالیں، اشیاء کے باطن میں ڈالیں، جو پتھروں میں ڈالیں، جو حجر اور شجر میں ڈالیں، اس کے لئے ہمارے پاس sciences کے پاس، فلسفہ کے پاس،

ایک بھی دلیل نہیں ہے کہ پہلے بادام کا درخت بادام کا کیوں ہوا؟ اخروٹ کا کیوں نہ ہوا؟ یہ فرق کیسے ہوئے؟ یہ پتھروں کے رنگ کیسے different ہوئے؟ اب ہم ان کی reason discover کر کے خدا کو داد دیتے ہیں مگر پہلے بھی صرف اور صرف اللہ کی ذات نے خصوصیات مقرر کیں......

ایک معمولی سا، ایک چھوٹا سا اُستاد ہونے کی حیثیت سے میں ابھی آپکو بتا رہا تھا کہ اسماء کے لئے میں آپ کو کسی بڑی authority کے طور پر refer نہیں کر سکتا۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ research اور تخلیق کے بعد اسماء کو میں نے صفات از خود بخشی ہیں۔ مطالعے کے بعد آپ مجھ سے اختلاف کر سکتے ہو۔ اسماء کی صفات میں اختلاف کر سکتے ہو، مگر یہی حال جو ہے کائناتِ بالا میں اُس ربّ کریم کا ہے، اُس خلاّق کا ہے، ''هُوَ اللهُ الخَالِقُ البَارِیءُ المُصَوِّر'' کا ہے کہ اُسی نے اشیاء کو قدرتیں بخشی ہیں۔ اگر کوئی آندھی تیز ہے، اگر کوئی سورج چمکتا ہوا ہے، اگر چاند دستِ نگر ہے تو یہ سب اللہ کی وجہ سے ہے، جس نے اشیا کو بنایا اور اُن میں اپنا اپنا حکم ڈال دیا۔

یہی اللہ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں کہ ہم نے تمام اشیاء میں اپنا اپنا حکم ڈال دیا۔ پوری کائنات میں کوئی division of force نہیں ہے، کوئی تخلیق میں division نہیں ہے، کوئی mastership نہیں ہے، وہی معبود ہے۔ وہی خالق ہے وہی الباری ہے، وہی منتقم ہے، وہی جبار ہے، وہی قہار ہے، وہی عزیز ہے، وہی حکیم ہے۔ جب دنیا ختم ہونے کو آئے گی تو وہ اپنے اس دعوے کے ساتھ آپکے سامنے آئیں گے مگر آپ اندازہ کیجیے کہ جب اللہ کا نور چمکے گا۔ تو اُس وقت positive language استعمال ہوئی ہے کہ:

''وَاَشرَقَتِ الاَرضُ بِنُورِ رَبِّهَا'' (الزمر 69:39)

(جب زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا جائے گی۔)

قیامت کے دن ساقِ سیمیں دکھائی جائے گی اور پروردگار کے نور سے زمین چمک جائے گی۔۔۔ مگر اُترنے والے اتنی نرمی سے نہیں اتریں گے۔ ملکیتوں کے دعوؤں کو توڑتے ہوئے نکلیں گے۔ بادشاہوں کی کلاہیں اُتارتے ہوئے نکلیں گے۔ بش اور بلیئر کو ملیامیٹ کرتے ہوئے اتریں گے اور فرمائیں گے: اے قوتوں کے مالکو!...... اے بادشاہو......! اے فرعون وہامان وشداد......! آج مجھے بتاؤ...... آج حقائق کو face کرو...... زمینی حقائق نہیں آسمانی حقائق کو face کرو......

''لِمَنِ المُلکُ الیَوم'' (المومن 16:40)

کس کی ہے یہ دنیا......؟ کس کی ہے یہ مملکت......؟ کس کا ہے یہ زمانہ......؟ کس کی ہے زندگی......؟ اور پھر وہ خود ہی کہے گا......

''وَلِلّٰہِ الوَاحِدِ القَھَّار'' (المومن 16:40)

(اور اسی واحد و قہار کا ہے)

یہی آپ کے سوال کا جواب ہے۔

سوال: واقعہء کربلا کے تناظر میں پتہ چلتا ہے کہ کثیر تعداد میں صحابہء اکرام نے بھی یزید کی بطورِ خلیفہ بیعت کی تھی۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: خواتین و حضرات! یزید نے بیعت مانگی نہ اصحاب نے کی......اصحابِ رسول ﷺ کو کبھی بھی یہ طعنہ نہیں دیا جاسکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا مومن کمزور ہوسکتا ہے، منافق نہیں ہوسکتا، مگر ہم نے اگلی جنگوں میں بھی دیکھا، معاملات میں بھی دیکھا، کہ پوری امت کو جب اس قسم کے فساد پیش آئے تو اُس میں جملہ دس سے پندرہ اصحاب کی شرکت ہمیں نظر آتی ہے، جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ عمار بن یاسرؓ نظر آتے ہیں اور دوسری طرف اگر آپ دیکھو تو ام المومنین حضرت عائشہؓ یا طلحہؓ یا زبیرؓ نظر آتے ہیں۔ جب بعد میں اُن کے اندر آپس کی develop' understanding ہوئی تو حضرت علیؓ نے اُن کو اللہ کے رسول ﷺ کا واسطہ دیا اور عرض کی کہ میں اپنے لئے کسی صحابی کا خون بہانا جائز نہیں سمجھتا اور آپ نے اُن اصحاب کو جنھوں نے روما اور یونان کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا، وہی اصحاب جو اُس وقت تھے تو آپ نے اُن سے منت کی بلکہ اُن کو قسم دی رسول اللہ ﷺ کی کہ اگر تم میں سے کوئی میرے لئے لڑے گا تو اُسے رسول ﷺ کی قسم ہے تو اصحاب پلٹ گئے اور وہ لڑنے والے فسادیوں سے نہ لڑ سکے وہ اپنے گھروں میں بند ہوگئے۔ اُن کو حدیث یاد آتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے میرے اصحاب! ایک وقت آئے گا فتنہ فساد کا......اگر ایسا وقت آئے تو تم اپنے گھروں کے دروازے بند کرلینا اور اپنے مقام پر ہی نماز ادا کرنا۔

خواتین و حضرات! اُس کے بعد ہم نے اصحاب کو نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ البتہ کچھ دیر کے بعد اصحاب نے یہ مناسب سمجھتے ہوئے کہ اگر یہ لوگ حکومت کیلئے لڑتے مرتے ہیں تو ہم اللہ کے لئے دین کی تبلیغ کے لئے دور دراز نکل جانا بہتر سمجھتے ہیں مگر اس طرح تبلیغ کیلئے نہیں جیسے

آج کل...... بلکہ اُن کے اپنے انداز تھے۔ وہ فتنہ و فساد سے کہیں دور جا کر بس جاتے تھے، اللہ ان سے لوگوں کو متاثر کروا دیتا تھا اور اس طرح ہمارے بڑے بڑے علاقوں میں ہمارے اصحاب کے ہونے کی وجہ سے تبلیغ بھی ہوئی۔ اللہ کے لوگوں کو اُن سے خلوص و محبت اور پیار بھی ملا اور حضور ﷺ کی حدیث بھی پوری ہوئی:

"اَصحَابِکَ النُّجُوم"

(میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔)

اس لئے ہمیں کوئی اتنا ثبوت نہیں ملتا...... میں نے بہت تاریخیں دیکھی ہیں، مگر پانچ، سات کے علاوہ مجھے اس دور میں اصحاب کے نشان نہیں ملتے۔ بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ اتنا "بھرا پُرا" وقت گزارنے کے بعد ہمیں اس زمانے میں اصحابِ رسول ﷺ بالکل active نہیں نظر آتے اور اُس کی وجہ وہی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ دورِ فتن میں اپنے گھروں میں بیٹھ جانا اور اپنے دروازے بند کر لینا......

سوال: پروفیسر صاحب! یہ بہت دلچسپ سوال ہے۔ ایک دوست پوچھتے ہیں کہ خدا نے آپ کو پردے کے پیچھے دیکھنے کی صلاحیت سے نوازا ہے۔ آپ بتایئے کہ آج کا میچ پاکستان جیتے گا یا بھارت؟

جواب: خواتین و حضرات! یہ انھوں نے بالکل غیر مناسب بات کی۔۔۔ میں پردوں کے پیچھے نہیں جھانکتا ہوں، ہاں! اگر پردے کے پیچھے سے کوئی چیز نکل آئے، تو اُس کو میں دیکھتا ہوں۔ مجھے حدیثِ رسول ﷺ یاد ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کے دروازے پر بغیر دستک کے آواز دی اور اُس کے بعد پردہ ہٹایا تو حضور ﷺ کے ہاتھ میں نیزہ تھا، کہا کہ اگر ذرا بھی تو اور ٹھہرتا تو میں تیری آنکھ پھوڑ دیتا۔ تو بھائی صاحب! میں پردوں کے پیچھے نہیں جھانکتا۔

توفیق عمر: میچ وہیں کا وہیں ہے......

پروفیسر احمد رفیق: اچھا، یہ میں بتا سکتا ہوں، مگر پردے کے پیچھے جھانک کر نہیں، اپنی فراست سے، جو اللہ تعالیٰ نے آپ سب کو بھی دی ہے، میرے پاس بھی ہے...... تو میں بتا سکتا ہوں مگر میں بتاؤں گا نہیں۔ اس سے میری عزت کم ہونے کا خطرہ ہے......

سوال: ایک دوست کا بہت خوبصورت سوال ہے کہ انسان کی زندگی میں خدا پہلے آتا ہے یا اعتدال۔

پروفیسر احمد رفیق: بلال قطب جواب دیں گے۔

بلال قطب: میرے خیال میں خدا پہلے آتا ہے اور اعتدال بعد میں...... کیونکہ خدا کا آنا ہی اعتدال ہے اور باقی اگر اور کسی religion میں دیکھیں، جن کو کہ میں نے بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ comparative religion کو میں کافی عمر سے study کر رہا ہوں۔ کسی بھی religion میں آپ کو اعتدال نظر نہیں آتا۔ میں اس کو عموماً دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، آپ سے بھی یہ عرض کر رہا ہوں۔ ہماری لوگوں کے بارے میں جو normal judgement ہوتی ہے، وہ انکے mannerism پر، اخلاقیات پر ہوتی ہے۔ یہ ایک learned trait ہے جس سے کہ ہم لوگوں کو judge کر لیتے ہیں اور ہم عموماً اسی اخلاق کو اعتدال بھی سمجھنے لگ جاتے ہیں اور اگر تھوڑا سا deeper aspect میں دیکھا جائے تو ایک دوسرا aspect جس کو کہ میں character کہتا ہوں جو کہ آپ کا inner self ہے، آپ کی personality ہے، آپ کے genetics ہیں، آپ کی بہت سی ایسی decisions ہیں جو کہ آپ کے مزاج کے تو خلاف ہے لیکن ایمان کے ساتھ ہیں۔ انکو balance کرنے کیلئے جب تک زندگی میں خدا شامل نہیں ہوگا، آپ کی زندگی میں اعتدال نہیں آ سکتا۔ ایک apparent mannerism ضرور ہو سکتی ہے۔

سوال: انتظار کی خوبصورت ترین صورت کیا ہوگی؟

جواب:

تو نہ می داند ہنوز شوق بہ میرد زے وصل
چیست حیاتِ دوام سوختنِ نا تمام

(تجھے تو ابھی پتہ ہی نہیں کہ وصال موت ہے۔ وصال میں زندگی نہیں ہے بلکہ زندگی تو ہر وقت جلنے میں ہے۔) بہت پہلے میں نے ایک شعر لکھا تھا انتظار پر...... شاید کسی شیطان کو وہ شعر یاد ہو...... وہ انتظار کی اس کیفیت کو بڑے اچھے طریقے سے ادا کرتا ہے کہ

بڑا کرم ہے کہ وعدے پہ وہ نہیں آئے
بڑے مزے میں شبِ انتظار گزری ہے

یہ ایک پرانا شعر ہے۔ اس میں انتظار کی کیفیت عیاں ہوتی ہے۔

سوال: ہمیں یہ کیسے معلوم ہو کہ ہماری زندگی میں خدا کا تصور حقیقت ہے یا محض راہِ فرار؟

جواب: یہ دراصل آپ ایک ایسی statement دے رہے ہو جس کے پیچھے کم از کم پانچ نقطہ

ہائے نظر ہیں اور بعض اوقات انکار کی اور ماننے کی بنیادی اساس ایک ہی ہوتی ہے اور وہ ہے جہالت...... جس نے انکار کیا، اُس نے بھی جہالت میں انکار کیا اور جس نے مانا اُس نے بھی جہالت سے مانا...... تو اس صورت میں جس قوت کو قوت مان رہے ہو اُس کا کوئی اثر آپ کی زندگی پر نہیں ہوتا۔ اس بات کے بارے میں اللہ بار بار قرآنِ حکیم میں فرماتے ہیں کہ تم لوگ آباؤ اجداد کے دین پر قائم ہوئے، اہلِ کفر بھی آباؤ اجداد کے دین پر قائم تھے اور ہم جو مسلمان ہیں دورِ حاضر میں، ہم بھی اپنے آباؤ اجداد کے دین کی وجہ سے مسلمان ہیں۔ تو دونوں صورتیں ایک ہیں۔ اگر آپ غور کرو تو اگر کسی کافر کو یہ طعنہ دیا سکتا ہے کہ تم اللہ کو اس لئے نہیں جانتے کہ تم اپنے آباؤ اجداد کے دین پر قائم ہو تو کسی مسلمان کیلئے بھی یہی طعنہ ہو گا کہ تم اللہ کو صرف اس لئے مانتے ہو کہ یہ تمہارے آباؤ اجداد کا دین ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ دین کی اور اللہ کو جاننے کی ادنیٰ ترین صورت ہے، جس میں اگر کوئی benefit ہے اور اگر آپ بخشے گئے تو آپ یہ بالکل نہیں کہہ سکتے کہ میں اپنے غور و فکر کی وجہ سے بخشا گیا۔ بلکہ آپ یہ کہو گے کہ میں اپنے آباؤ اجداد کی وجہ سے بخشا گیا۔

اگر غور کیجئے تو ہمارے دل کو یقین اُس وقت آتا ہے، ہم اُس وقت خدا کو مانتے ہیں جب ہمارے شکوک و شبہات، ہمارے اللہ پر اعتراضات ختم ہو جاتے ہیں۔ ہم اُس وقت اللہ کو حقیقی مانتے ہیں۔ اگر اعتراض مضبوط ہیں تو خدا کا وجود تحلیل ہو جاتا ہے۔ ہم اُسے مانتے تو رہتے ہیں خوفِ خلق کی وجہ سے...... مگر دراصل ہم اُسے مانتے نہیں ہیں۔ ایک تجاہلِ عارفانہ ہے...... ساری کتابیں اللہ کے نام سے بھری ہیں، سارے میگزین اللہ کے نام سے بھرے ہیں جس جگہ جاؤ اللہ کی باتیں ہیں، پھر اُس سوسائٹی کو اس طرح سے نہیں ہونا چاہیئے، جس طرح کہ وہ ہے اس طرح کا تو نہیں ہونا چاہیئے کہ قدم قدم پر ہر جگہ ہر معمول کی بات میں جھوٹ، فریب، مکر...... اس لئے کہ ہم accountable نہیں ہیں اللہ کے بارے میں...... ہمارا دین جو ہے اتنا بازاری ہے کہ ہم اللہ کو کہیں بھی جواب دہ نہیں سمجھتے۔ جب تک آپ باطنی طور پر بغیر کسی خارجی تنبیہ کے، اللہ کو اپنی جواب دہی کا مرکز نہیں مان لیتے، آپ کا اللہ کبھی حقیقی نہیں ہوتا......

توفیق عمر: معزز خواتین و حضرات! مجھے خوشی ہو رہی ہے آپ کو یہ بتاتے ہوئے کہ سٹیج پر ڈاکٹر رحمت اللہ صاحب موجود ہیں۔ انہوں نے الازہر یونیورسٹی سے اسلامی علوم میں پی ایچ ڈی کیا ہے۔ آپ کا جو خاص موضوع ہے وہ Islamic theology ہے۔ سو ہم ان سے ابھی استفادہ کریں گے۔ ایک سوال ہے ڈاکٹر جلیل صاحب! خاص طور پر آپ کیلئے اور بہت دلچسپ سوال ہے

اور میں سمجھتا ہوں کہ نوجوان نسل کا ایک نمائندہ سوال ہے۔ نوجوان پوچھتے ہیں کہ آج کل کے پروفیشنل دور میں profession زیادہ توانائیاں اور توجہ مانگتا ہے، ایسے میں کیونکر ممکن ہے کہ ہم تمام وقت تفکر، جستجو اور آرزوئے خدا میں گزار دیں۔ اگر ایسا کریں گے تو ہمارے رزق کا کیا ہوگا؟ ہمارے پاس وقت کہاں بچے گا؟ ساتھ ہی پوچھتے ہیں کہ اگر رزق کا وعدہ اللہ نے کیا ہے تو پھر professionalism میں اتنا وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

ڈاکٹر عبدالجلیل : اس سوال کو محترم استاد بڑے موقعوں پر بڑی مختلف dimensions سے handle کر چکے ہیں۔ اس سوال سے جو ضمناً سوال بنتے ہیں وہ یہ ہیں کہ انسان اپنا profession کیسے choose کرتا ہے تو اللہ کے رسول ﷺ اس کا جواب دے چکے ہیں کہ اللہ نے جس بندے سے جو کام لینا ہوتا ہے وہ اُس کے دل میں ڈال دیتا ہے یعنی professional choice عام طور پر determined ہوتی ہے، genetically determined preferences ہوتی ہیں پھر exhibit ہوتی ہیں depending upon the things around you اس کے بعد دوسری بات یہ ہے کہ جب profession کی جستجو کی جائے تو تفکر کیسے کیا جائے تو اس کا جواب بھی دیا جا چکا ہے پچھلی نشستوں میں کہ کوئی علم ایسا نہیں کہ جب وہ اپنے کمال کو پہنچے، تو حقیقتِ اولیٰ کا ادراک نصیب نہ ہو۔ کوئی بھی علم جب اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو خدا کے وجود کی شناخت کا اشارہ ضرور دیتا ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر رزق کی جستجو میں لگے رہیں تو اللہ تک کیسے پہنچیں گے؟ یقیناً رزق مقدر ہو چکا اور جو رزق آپ کیلئے لکھا جا چکا ہے وہ آپ کو ضرور ملے گا۔ آپ نہ بھی چاہیں تب بھی آپ تک پہنچے گا لیکن اس ساری جدوجہد میں اگر آپ آنکھیں کھلی رکھیں تو جستجوئے رزق میں بھی ایسے مقام آتے ہیں، جہاں آپ کے عرفان میں، فہم میں، فراست میں، مختلف ڈائریکشن سے اضافے ہوتے رہتے ہیں۔ میں میڈیسن سے متعلق ہوں۔ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی کسی قسم کے غیر نصابی مطالعے نے کوئی hinderance create کی ہو بلکہ وہ زیادہ excitement زیادہ understanding create کرتا ہے......

سوال: پروفیسر صاحب آپ سے سوال ہے کہ What is the status of women in Islam? Why are other religions more tolerant towards women than Islam?

جواب: میرے خیال میں پروفیسر سید بلال قطب نے اس پر خاصا کام کیا ہوا ہے، کچھ مقالے بھی پڑھے ہیں، یہ اُس سوال کا ابتدائی جواب دیں گے اور جو آخری relation-ship ہے towards Islam میں اس کو ضرور پُورا کردوں گا۔

سید بلال قطب: جواب سوچنے سے پہلے آپ کو ایک بات عرض کردوں کہ اگر کسی شخص کو شک ہے کہ پروفیسر صاحب کے پاس بیٹھنا اور پھر بات کرنا کوئی آسان کام ہے تو وہ اپنا شک دور کرلے...... میں پروفیسر صاحب کو 1991ء میں پہلی دفعہ ملا تھا۔ اللہ جنت نصیب کرے ہمارے ایک بڑے اچھے دوست تھے کیانی صاحب۔۔ ان کا پچھلے سال انتقال ہو گیا۔ انہوں نے ملوایا، تب سے لے کر اب تک کوئی ایسا وقت نہیں آیا کہ استاد کے پاس بیٹھے ہوں اور ٹانگیں نہ کانپ رہی ہوں کیونکہ میں اس وقت تک دنیا میں کافی زیادہ گھوم پھر چکا تھا تو میں نے پروفیسر صاحب سے ایک بڑے تکبرانہ کہہ لیں یا ایک بڑے چالاک بننے کے سلسلے میں، پوچھا کہ پروفیسر صاحب مجھے کیا پڑھنا چاہیئے، تو انہوں نے کہا کہ تم کوڑے پر سے بھی کاغذ اٹھا کر پڑھا کرو۔ تو وہ دن اور آج کا دن...... کوڑا ہی کوڑا ہو رہا ہے انسان اور کچھ بھی نہیں......

میرے خیال میں ہماری جتنی بھی informations ہیں وہ بہت زیادہ میڈیا پر focused ہیں۔ میں اپنے طالب علموں سے عموماً اگر پوچھوں، اگر viva کے دوران بھی کسی informaton کے بارے میں پوچھوں کہ reference کیا ہے؟ تو زیادہ تر مجھے کہتے ہیں کہ ہم نے net پر دیکھی ہے تو مجھے یہ بڑا عجیب سا لگتا ہے کہ کتاب کو کوئی refer نہیں کر پاتا۔ اسی طرح religion کے اوپر جب ہم سوال اٹھاتے ہیں، تو کتنی عجیب بات ہے کہ ہم اپنے religion کو بھی بالکل نہیں جانتے اور اگر ابھی میں آپ سے کہوں کہ مسجد جو ہے وہ کیسی ہوتی ہے؟ اور اگر کسی نے نہ دیکھی ہو اور میں صرف یہ کہوں کہ اُس میں ایک ہال ہوتا ہے، جس میں نماز پڑھتے ہیں۔ پھر اُس کے باہر ایک courtyard ہوتا ہے اور اُس courtyard کے دونوں اطراف میں وضو کی جگہ ہو سکتی ہے تو بڑی سیدھی سی، صاف سی بات ہے۔ کچھ جگہ ایسی ہے، جو سائے میں سہولت دے گی۔ کچھ جگہ ایسی ہے جو کہ کھلے آسمان تلے سہولت دے گی اور اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ مندر کو کیسا سمجھتے ہیں؟ مندر کیسی چیز ہوتی ہے؟ تو وہ بھی بالکل ایسے ہی سمجھے کہ ایک کمرہ ہوتا ہے، جس میں زیادہ تر کوئی کھڑکی ہوتی ہی نہیں ہے۔ اگر ہو بھی تو بہت باریک slit window ہوگی اور اس کا چھوٹا سا دروازہ ہوگا اور دروازہ بھی بہت دور کر کے ہوگا اور اس

مندر میں symbolical ایک خدا بیٹھا ہوا ہے۔ اب اس architecture کا اس structure کو بنانے کا کوئی مقصد ہوگا، جس طرح مسجد کا مقصد ہے، اسی طرح مندر کا بھی کوئی مقصد ہوگا۔ اس میں بنیادی طور پر آپ نے خدا کو ایک کمرے میں بند کیا ہوا ہے کیونکہ اگر خدا کہیں باہر نکل جائے گا تو اُس کی حفاظت کیلئے باہر چوکیدار کو بٹھایا ہوا ہے جو کہ برہمن ہے۔

اب یہ دونوں اشخاص وہاں کبھی بور بھی ہو جائیں گے تو ان کی دلچسپی کیلئے بھی انتظام کیا گیا ہے وہ ہے داسی کا اور پھر اس داسی کے ساتھ entertainment programme کے ساتھ آگے بہت لمبی بات جب چلتی ہے تو اُن کے ہاں، پورا ایک آرٹ develop ہوتا ہے جن میں کاما سُترا بھی آتا ہے اور بہت سی ایسی چیزیں بھی، جو انتہائی واہیات طریقے سے کی ہوئی ہوتی ہیں۔ دوسری طرف اگر آپ دیکھو تو Christianity میں New Testament میں chapter sixteen میں ہے۔ Most probably the verse is 36 or 37 میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ چونکہ حوا نے آدم کو original sin پر convince کیا تھا کہ تم یہ sin کرلو، کچھ نہیں ہوگا تو حوا کے کہنے پر آدم نے یہ sin کیا...... تو اس کے لئے ایک سزا خدا نے متعین کر دی، ہمیشہ ہمیشہ کیلئے قیامت تک کیلئے اور وہ سزا یہ ہے کہ جب بھی عورت labour pain میں جائے گی، اُس کو یاد دلانے کیلئے یہ labour pain اس کو دی گئی ہے کہ اُس نے یہ original sin کیا تھا۔

اب دوسری صورت اگر آپ دیکھو تو معاملہ بالکل اور ہے۔ اگر میرے خیال میں مسلمان عورت یہ کہے کہ equality چاہیئے تو میرے خیال میں سب کو ملکر دے دینی چاہیئے۔ اور رات کو مسجدوں میں چراغاں کرنا چاہیے کیونکہ صورت ایسی ہے کہ ایک صحابی گئے رسول اللہ ﷺ کے پاس اور انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ جو حسنِ اخلاص ہے اس میں سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ فرمایا: ''تیری ماں کا''...... اور یہ بات ذہن میں رکھیئے گا کہ یہ ایک بدو سے بات ہو رہی ہے۔ اس نے کہا: ''پھر اُس کے بعد''؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر تیری ماں کا''...... کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ''پھر کس کا''؟ فرمایا: ''پھر تیری ماں کا''...... چوتھی دفعہ جب اُس نے پوچھا: ''اب کس کا''......؟ تو نبی پاک ﷺ نے کہا! ''اب تیرے باپ کا''،...... اب آپ غور کریں تو equality کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں پر تو گولڈ میڈل عورت کے پاس، silver medal عورت کے پاس، brass medal عورت کے پاس...... آدمی کو تو

ایک appreciation certificate ملا ہے اور چوتھے درجے پر اس کی حیثیت ہے۔ ایک طرف آپ دیکھتے ہو کہ عورت کو labour pain کے ذریعے یاد دلایا جارہا ہے اس کا ذلت کا مقام...... دوسری طرف جب وہ ماں بنتی ہے تو اللہ کا جو highest order ہے جنت...... وہ symbolically اُس کے پاؤں تلے رکھ دیا گیا کہ جنت تیری ماں کے قدموں تلے ہے۔ اب یہ تصورات اتنے مختلف ہیں کہ میرے خیال میں ایک مسلمان کو یہ بالکل بھی نہیں سجتا کہ وہ اس طرح کی بات کہے کہ اسلام میں عورت کا مقام equal کیوں نہیں ہے۔ پیچھے کیوں رہ گئی؟ بالکل equal نہیں ہے، definitely بہت بہتر اور بلند ہے۔

اس میں جو دو تین typical قسم کے سوال ہوتے ہیں، وہ گواہی کے ہیں کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر کیوں ہے؟ کل ہی ایک جگہ سیمینار تھا تو میں نے اُن سے بھی درخواست کی کہ جب مختاراں مائی نے جو کیس کیا اُس میں گواہی کتنی عورتوں کی تھی۔ ایک عورت کی گواہی تھی...... اگر تھوڑا سا depth میں دیکھیں تو دو گواہوں کا معاملہ صرف اُس وقت آتا ہے جب کوئی economical issue ہو کیونکہ عورت کو economics handle کرنے کے لئے کہا نہیں گیا۔ اُس کے لئے options ضرور ہیں لیکن اُس کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ کمائے یا economically چیزوں کو handle کرے کیونکہ یہ بنیادی طور پر اُس کا فرض نہیں رکھا گیا اس لئے یہاں پر اُس کی جو رائے ہے وہ بھی تھوڑی سی محتاط طریقے سے لی گئی ہے۔ otherwise میرے خیال میں جو عورت کا مقام اسلام میں ہے اور کوئی ایسا religion نہیں ہے جو عورت کو اس status پر رکھتا ہے جہاں پر کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کہا......

اب اس حدیث پر غور کریں...... کتنی عجیب بات ہے کہ بی بی فاطمہؓ جب آتی ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے ہیں اور آپ ﷺ انہیں اپنی جگہ بیٹھنے کے لئے دیتے ہیں اور جو آپ کی رضائی ماں ہے، اُن کے لئے آپ ﷺ اپنی چادر بچھا دیتے ہیں۔ In my mind this is an unfair question کہ عورت اسلام میں کسی بھی طرح سے کم ہے۔ میرے خیال میں شاید باقی لوگ جو ہیں وہ اپنا exposure دینا ہی نہیں چاہتے کہ اُن کے religion میں عورت کا جو مقام ہے، وہ کیا ہے......؟

پروفیسر احمد رفیق: اسکے علاوہ خواتین و حضرات! ساری شاعری، ساری فلمیں آپ ہی پر تو ہیں۔ ہمیں تو کوئی بھی اچھا نہیں کہتا...... (قہقہہ)

سوال: Why have Muslims failed as a civilization?

جواب: This is very unauthenticated question, in fact Muslims are the only civilization which have lasted over fifteen hundred years. اگر آپ غور کرو تو تمام civilizations جنھوں نے دنیا میں وقت گزارا ہے، اُن کی مدتِ زندگی پندرہ سال سے لیکر ڈیڑھ سو سال، دو سو سال، اور زیادہ سے زیادہ ساڑھے تین سو سال رہی ہے۔ ساڑھے تین سو سال سے آگے کوئی تہذیب نہیں ہے......

perhaps آپ کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ بہت سارے لوگوں نے ملکر کس تہذیب کو قبول کیا اور اگرچہ اسلام Christianity کے چھ سو برس کے بعد آیا اور یہ کہ Christianity کو already advantage حاصل ہو چکا تھا پھیلاؤ کا، اس کے باوجود اسلام نے آنِ واحد میں Christianity کو تعداد میں پچھاڑ کر رکھ دیا۔ because ؟......why لوگوں کو اسلامی تہذیبی اقدار پسند آ ئیں۔ البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہو کہ اس civilization کی ایک ایک قدر پر اللہ کی چھاپ تھی اور اس کے ایک ایک معمولات پر رسول اللہ ﷺ کے کردار کی جھلک تھی۔ Islamic civilization کی ایک مختصری بات سُنیے کہ حمص میں جب ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے حملہ کیا تو اُس حملے میں پوری civilization کی پچھلی اقدار بدل گئیں اور آپ نے اُن سے جزیہ لیا۔ اُن کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد جب یرموک کی جنگ آ گئی تو حضرت ابوعبیدہؓ کو بھی حکم ملا کہ آپ یہ فوجی چھاؤنی چھوڑ کر یرموک میں آ جائیں۔ جب آپ جانے لگے: It has never never happened in the history of civilization کیوں......؟ اس لیئے کہ پہلے civilized attitudes ہی نہیں تھے۔ تو حضرتِ ابوعبیدہؓ نے حمص کے لوگوں کو بلایا اور بلانے کے بعد اُن کے پیسے اُنھیں واپس کیئے جو جزیہ کے لئے تھے اور کہا کہ ہم نے تمہاری حفاظت کے عوض یہ پیسے لئے تھے۔ اب چونکہ ہم جا رہے ہیں، تمہاری حفاظت نہیں کر رہے تو یہ اپنی امانت واپس لے لو۔ جو Christian پادری اس وقت آئے اور جو اس قوم کے بڑے آئے، انھوں نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی کہ اے اللہ! ہمارے ہم قوموں سے تو یہ مسلمان infidel ہمیں بہتر ہیں......

اُس civilization میں بڑی بات یہ ہوتی تھی کہ اقتدار کا مالک زمین کا کوئی بادشاہ نہیں تھا۔ اقتدار کا مالک صرف اور صرف اللہ تھا۔ اُس civilization میں کردار کی وجاہت،

محبت کا مرکز، صرف اللہ کا رسول ﷺ تھا اور اس civilization میں انصاف کسی فردِ واحد سے issue نہیں ہوتا تھا بلکہ اللہ کی وجہ سے issue ہوتا تھا۔ اُس civilization میں ایک غریب ترین بھکاری بھی Court of justice میں بادشاہ کی مسابقت رکھتا تھا۔ اُس civilization میں کوئی شخص بھوک اور افلاس سے نہیں مر سکتا تھا Double security system کی وجہ سے، زکوٰۃ کی وجہ سے، اور صدقات کی وجہ سے......

خواتین و حضرات! آج یورپ کی اعلیٰ ترین civilization صرف اپنے security system کی وجہ سے لوگوں میں popular ہے۔ جس دن وہ ختم ہوگا، وہ civilization خاک و خاکستر میں بدل جائے گی۔ It's very very difficult to say that Islam is the only civilization جو اپنے وجود میں آنے کے بعد قائم نہ رہ سکی...... اگر چہ اس کی حیثیت میں اقتدار کے سینٹر بدلتے رہے ہیں مگر مسلسل پندرہ سو سال کے بعد آج ہم تک بھی اُس civilization کے بچے کھچے آثار پہنچے ہیں۔

بلال قطب :۔ میں اس میں کچھ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ ایک چیز ہوتی ہے جسے anthropology کہتے ہیں اور ایک چیز ہوتی ہے history جب history کو جاننا ہو، تو anthropology اُس میں مدد کرتی ہے۔ anthropology ہے پرانی چیزوں کو کھود کر نکالنا تا کہ انسان کو پرانے زمانے کے حقائق کا اندازہ ہو سکے۔ ابھی آپ ایک لمحے کے لئے فرض کریں کہ اگر آج سے ایک ہزار سال بعد ان ساری civilizations کو کھودا جائے، اُن میں پاکستان بھی کھودا جائے، یورپ بھی کھودا جائے، امریکہ کو بھی کھودا جائے، تو جو اس وقت کے anthropologists ہوں گے وہ کس بات پر یہ judgement دیں گے کہ یہ civilization کامیاب civilization تھی اور یہ کامیاب civilization نہیں تھی۔ چار factors ہیں جن پر آپ اس بات کو base کرتے ہیں۔ بد قسمتی سے west نے جو ہمیں بتایا ہے کہ ہر چیز میں success کا ratio دولت کے ساتھ associate کرتا ہے تو ہم اُس چیز پہ راضی ہو گئے۔ ہم اگر اس بات کو چیلنج کر دیں کہ ہم wealth سے success کو associate نہیں کرتے تو civilization کو آپ کیسے judge کرو گے؟

Archaeology میں چار طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس civilization میں تصور

خدا کی کیا صورت تھی؟ کیا طریقہ کار تھا؟ یہ اس civilization میں کیسے رائج تھا اور لوگ اس پر کس طرح گامزن تھے؟ دوسری جو بات یہ دیکھی جائے گی کہ اس civilization میں matter کو energy میں کیسے convert کیا گیا۔ یہ وہ پہلو ہوگا جو کہ scientific ہوگا۔ تیسرا پہلو یہ ہوگا کہ وہاں کے لوگوں کا رہن سہن دیکھنا، human rights کو دیکھنا، اور اس طرح کی چیزوں کو دیکھنا۔ چوتھی چیز جو ہے وہ اُس civilization میں concept or sense of aesthetic ہے یعنی اس civilization کی حسِ جمالیات کو دیکھنا۔ ان چار بنیادوں پر ایک ہزار سال کے بعد یہ فیصلہ ہوگا کہ کون سی civilization ترقی یافتہ تھی، اچھی تھی، کونسی civilization اچھی نہیں تھی، اگر آپ ذہن میں یہ merit رکھیں تو میرے خیال میں ہم seventy five percent سے easily پاس ہو سکتے ہیں۔

سوال:۔ تمام دُنیا کے مسلمانوں کی بے ربط حالت کے پیش نظر کیا احیائے اسلام ممکن ہے؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو عملی طور پر کیسے؟

جواب:۔ خواتین وحضرات! کچھ باتیں ہمیں اپنے simple زمینی estimate سے آگے جا کر دیکھنا ہوتی ہیں۔ احیائے امتِ اسلامیہ ایک تاریخی حقیقت بھی ہے اور ایک افسانوی حقیقت بھی ہے۔ افسانوی میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جب سلطنتِ غرناطہ کا زوال ہوا تو ایک بہت جنگجو جرنیل حضرت موسیٰ زہیری جنہیں موسیٰ بن ابی غستان بھی کہتے تھے۔ وہ وادی الکبیر کے کنارے سر نائیک سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو مدتوں غرناطہ میں یہ صدا، یہ شہرہ رہا کہ موسیٰ الجزائر گئے ہیں اور وہاں سے پلٹ کر آئیں گے اور ہمیں پھر فتح دلائیں گے۔

ایک قوم کے خمیر میں ایک خواب، ایک امید، ہر حال میں زندہ ہوتی ہے۔ over the time جو ملتِ اسلامیہ کو leaders ملے ہیں وہ قریباً قریباً ایسا لگتا تھا کہ مغربی تعلیم کے زیرِ اثر ہیں جیسے اب بھی ہو رہا ہے کہ اس secular tendency کے لئے، یا مغرب سے آئی ہوئی اُس تہذیبی قدر کے لئے ہم اپنے مذہب کو یا تو اس کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں یا ہم اُس مذہب کو ختم کرنے کے بعد we like to be like them میں بھی سمجھتا ہوں کہ اگر اُن سوسائٹیوں میں کوئی قابلِ قدر اشیاء ہیں تو ہمیں ضرور لینی چاہئیں مگر احساسِ کمتری کے ساتھ نہیں۔ ہم نے بھی انھیں دیا ہے، ہم نے تیرہ سو برس انھیں اقدار بخشی ہیں، ذہانتیں بخشی ہیں، تعلیم بخشی ہے، ابنِ رُشد بخشا ہے، غزالی بخشا ہے، تو جس دستور کے تحت مغربی دُنیا آج powerful ہوئی

ہے، اُسی دستور کے تحت اِسلامی دُنیا کل مغرب سے بہت آگے نکل جائے گی۔

مغرب زوال سے بہت خوفزدہ ہے۔ یہ پہلی مرتبہ اُس کا عروج نہیں ہے، پہلے بھی عروج ہوا، جب سلطنتِ روما بہت زیادہ مراتب تک پہنچ گئی تو Germanic tribes نے اسے تہہ و بالا کر دیا۔ پھر ایک دفعہ جب روما کی سلطنت بہت پھیلاؤ میں آئی تو مشرق سے اٹھے ہوئے Attilla the Hund نے اُسے ختم کر دیا۔ پھر تیسری مرتبہ جب سلطنت بڑے عروج پر آئی تو مسلمانوں نے Eastern ایمپائر کو ختم کر دیا اور اس لئے انہیں latest زیادہ یاد ہے۔ اُن کو زیادہ یاد یہ ہے کہ ہماری قیادتِ مشرق کو اگر کسی نے چیلنج کیا اور برباد کیا تو وہ مسلمان ہے۔ مسلمانوں کا خوف خواہ سلطان امیر تیمور کی شکل میں ہو، خواہ وہ سلطان صلاح الدین کی شکل میں ہو، خواہ وہ امیر سلطانِ اعظم کی شکل میں ہو، اُن کو یہ احساس دلاتا رہتا ہے کہ ہمارا یہ اقتدار بھی کبھی چھن جائے گا۔

حضراتِ گرامی! چوبیس ہزار ایٹم بم سے قیادت نہیں بنتی۔ اس لئے کہ کسی ملک کے پاس دُنیا میں چوبیس ہزار شہر نہیں ہیں اور نہ بڑی جنگوں میں یا کسی بڑی ایٹمی جنگ میں اتنے ایٹم بم کی ضرورت پڑتی ہے...... امریکہ کے بھی باون ہی شہر ہونگے جن کو باون ایٹم بم چاہئیں...... زیادہ کرلو تو سو بم چاہیئے ہونگے اور امریکہ بھی ایک ہی شہر پر چوبیس ہزار بم نہیں گرا سکتا۔

خواتین و حضرات! ہم دیکھتے ہیں کہ بڑی سرعت سے، بڑی تیزی سے خیالات بدل رہے ہیں۔ ہم اپنے ملک کو دیکھتے ہیں اور Turkey کو دیکھتے ہیں، پاکستان جو مذہب کے نام پر بنا تھا، Turkey جو شروع ہی سے secular ہو گیا تھا، تو secular ہونے کے باوجود اُسے وہ ترقی حاصل نہیں ہوئی جیسے آج ہمارے حکمران کہتے ہیں کہ سیکولرازم میں ترقی ہے۔ آزاد خیالی اور روشن خیالی میں ترقی ہے...... اگر ایسے ہوتا تو مملکتِ ترکیہ آپ سے بہت آگے ہوتی...... عزت میں، برکت میں، ترقی میں، اسلحہ سازی میں بہت آگے ہوتی...... مگر Secular Turkey آج بھی یورپ کے دروازے پر کھڑا ہوا اُن سے شرکتِ مملکت کی بھیک مانگ رہا ہے اور اُس کے برعکس وہ مسلمان، وہ پاکستان، جس کے بارے میں یہ کہا گیا، جس کے بارے میں کتابوں میں لکھا گیا کہ جب پاکستان بنا، اس کی پوری سیکرٹریٹ میں ایک کرسی تھی اور ایک آدھ ورق والی کاپی تھی اور پنسل سرے سے تھی ہی نہیں......

خواتین و حضرات! اللہ کے نام پر بنا ہوا یہ ملک اس وقت خالی اسلام ہی نہیں بلکہ

ٹیکنالوجی میں، جدت میں، ایٹم میں، میزائلز میں، دُنیا کے انتہائی leading ملکوں میں سے ہے اور اسی وجہ سے یہ مغرب کی نظر میں کھٹک رہا ہے۔ جسے یہ خوف ہے کہ کوئی نہ کوئی ان میں سے اٹھ کر حملہ آور ہوگا۔ اُس کی دوسری وجہ خواتین وحضرات! یہ ہے کہ وہ ٹائم نہیں دینا چاہتے۔ صرف تین سال کے اندر I have a firm faith. Technically speaking کہ مشرقی ممالک یورپ کی supremacy بھی توڑ دیں گے جو F.16 اور F.15 کی شکل میں ہے۔ صرف تین سال بعد اور اگر یورپ نے تین سال کے اندر جنگ کرنی ہے تو ہوسکتا ہے کہ initial خسارہ مسلمان کو ہو۔ مگر ایک اور حقیقت یہ ہے کہ یورپ کو یا امریکہ کو زندگی سے پیار ہے، اُنس ہے، محبت ہے، وہ کہتے ہیں we only live once and even not like to die in this one life مگر مسلمان...... اس کے برعکس اُس کی زندگی کا قرینہ یہی ہے کہ یہ عارضی اور فضول سی زندگی ہے۔

"مُستَقَرٌ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِین" (البقرة 36:2)

(ایک وقت تک ٹھہرنا اور برتنا ہے۔)

چند لمحوں کے لئے ہم یہاں ہیں۔ اصل زندگی تو آگے شروع ہونی ہے۔ یہ اتنا بڑا نظری اختلاف ہے۔ اتنا بڑا pusher ہے مسلمان کا کہ وہ زندگی میں جدوجہد سے کبھی غافل نہیں ہوتا اور آج بھی میرا خیال ہے کہ یورپ کے یا امریکہ کے ایوان اگر لرز رہے ہیں تو وہ مسلمان کی اسی عادت سے کہ وہ مرنے سے نہیں ڈرتا اور خودکش حملوں کی آپ کتنی بھی مذمت کرلو مگر یورپیوں کے نزدیک اتنا desperate act کرنے والا کوئی یورپی نہیں ہوسکتا۔

میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ دوسری خبریں اس سے بھی زیادہ طاقتور ہیں جو ہمیں اللہ اور اُسکے رسول ﷺ دے گئے کہ کچھ ہی عرصے بعد ہونے والے ہنگامہ کبریٰ کی یہ بنیاد ہے اور یہ جنگ آزمائی ...... یہ مشرق ومغرب میں بھی ہونی ہے، عیسائیت اور اسلام میں بھی ہونی ہے...... پھر جو بچ گیا...... سو بچ گیا۔ اٹھارہ منٹ میں maximum ایٹمی ہتھیار تو ختم ہو جانے ہیں اس کے بعد جو بچ گیا سو بچے گا اور پھر میرا تو خیال یہ ہے کہ ایشیا میں بچ جانے کیلئے یورپ سے زیادہ جگہیں موجود ہیں تو فائنل prospects جو ایشیاء کے ساتھ ہیں مشرق کے ساتھ ہیں، مسلمانوں کے ساتھ ہیں مسلسل بمباری کے باوجود آپ دیکھ لیں...... اُسامہ ابھی تک زندہ ہے۔ چانس ہمارے زیادہ ہیں...... انشاءاللہ

سوال: یہ خواتین کی طرف سے سوال آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر حکمران بنایا ہے یعنی مرد اور خاوند جو مرضی چاہے کر سکتا ہے۔ عورت ہر بات برداشت کرے صرف اس لئے کہ وہ ایک بیوی ہے۔ اس کی جائز، ناجائز بات ماننے پر، اس کی فرمانبرداری ہی اسے جنت میں لے جائے گی۔ کیا یہ سچ ہے؟

جواب:۔ ایسا تو بالکل نہیں ہے۔ ایسا تو قطعاً نہیں ہے۔ اس سوال کا کچھ جواب سید قطب دے چکے ہیں مگر میں practically اس کا جواب دے رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اگر practical حقائق موجود ہیں کہ خدا نے جب یہ رُتبہ دِیا مرد کو......

"وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ" (البقرة 228)

(ہم نے ایک درجہ مرد کو عورت سے زیادہ دِیا۔)

تو یہ General conditions کی وجہ سے دیا ہے۔ General conditions کا مطلب ہی عمومیت میں یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کی اس بڑی دُنیا میں چھ ارب مردوں اور عورتوں کو اگر تین ارب میں بانٹ دیا جائے تو تین ارب میں اگر working ladies کی تعداد متعین کر دی جائے تو وہ پانچ، چھ کروڑ سے زیادہ نہیں ہے۔ عمومی دستور یہ ہے کہ مرد عورت کو اس کے گھر کو، بال بچوں کو، عزیز و اقارب کو پالتا ہے۔ خواہ وہ یورپ میں ہو، پاکستان میں ہو، ایشیائے کوچک میں ہو یا صحرائے گوبی میں ہو۔ ہر جگہ صورت حال کچھ اس قسم کی ہے کہ عورت اگر اپنی construction کے لحاظ سے دیکھے، اگر اپنی make کے لحاظ سے دیکھے تو اسے کچھ نہ کچھ عرصہ inability میں ضرور گزارنا ہوتا ہے اور اس inability کی dependence جو ہے، وہ مرد پر ہوتی ہے۔ مرد چونکہ محنت کرتا ہے، خرچتا ہے...... تو اللہ نے بڑی مہربانی کی کہ اُسے ایک ظاہری نیک درجہ دے دیا...... ورنہ اکثر مردوں کے باطنی دس درجے کم ہوتے ہیں...... (قہقہہ) اور آج کے زمانے میں آپ یقین جانئے جو مسائل میں سُن رہا ہوں...... ڈیڑھ سو میں سے سو مرد جو ہیں، صرف یہ کہنے آتے ہیں کہ پروفیسر صاحب کوئی ایسی دُعا...... کہ جس سے میری بیوی مجھ پر مہربان ہو جائے۔ باقی کچھ ہوں گی exceptions......

میں آپ کو یہ ایک اصول بتا سکتا ہوں...... کہ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ کو عورتوں نے کمال مہارت کے ساتھ اچھالا ہوا ہے۔ اُن کو پتہ ہے کہ ہم حکمران ہیں۔ بعض اوقات تفنّنِ طبع کے تحت...... بعض اوقات یوں ہوتا ہے...... کہ جیسے امریکہ کے، یہودیوں کے کہنے پر مسلسل

پروپیگنڈہ نے جرمنی کو submissive رکھا ہے، بالکل اسی طرح خواتین ہر مرتبہ یہ کہہ کر کہ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ کہ کیوں رتبہ ملا ہے اور مرد کہتا ہے کہ...... خدا کے لئے دس اوپر لے لو...... میری جان چھوڑ دو...... مگر ہوتا یہ ہے کہ دونوں طرف ایک چیز یکساں ہے۔ exceptions دونوں طرف ہیں، کچھ مرد ضرور انا اور اپنے تمرد کی وجہ سے کچھ معصوم، شریف اور اچھی عورتوں پر ظلم کرتے ہیں مگر اس ملک کی روایت ہے کہ کمزور عورت ایک مغلوب الغصہ مرد کے سامنے کچھ عرصہ صبر کرتی ہے۔ پھر جب ماشاءاللہ اُس کے بچے بڑے ہو جاتے ہیں، وہ اپنے آپ کو طاقتور feel کرتی ہے اور وہی سلوک اُس مرد کے ساتھ کرتی ہے بڑھاپے میں، جو وہ اُس کے ساتھ کر چکا تھا۔ This is such an often repeated history in our country

اصل میں اگر سچ پوچھئے تو یہ دو نظاموں کی جنگ ہے جسے ہم Matriarchal یا مادرانہ نظام اور Patriarchal یا پدرانہ نظام کہتے ہیں۔ چونکہ ہندوستان پہلے سے مادرانہ نظام کی زد میں تھا، پھر Aryans پدرانہ نظام لیکر آئے اور اُن میں مرد Family کا محور تھا اور یہاں عورت family کی محور تھی۔ آیئے اب ذرا ایک جائزہ لیجئے ساری تاریخ کا کہ اس معاشرے میں، ہندو معاشرے میں کس کو غلبہ حاصل ہے تو Hundred percent you be sure کہ عورتوں کو غلبہ حاصل ہے یعنی طویل عرصے کی اس جنگ میں عورتوں نے مردوں کے اس درجے کو مکمل طور پر مسمار کر کے رکھ دیا۔ ہم مسلمان ذرا تھوڑا اور رجسٹر کریں گے دس پندرہ سال اور...... پھر غلبہ ادھر ہی چلا جانا ہے۔

سوال:۔ آپ نے گزشتہ علماء پر اعتراض کیا کہ انھوں نے قرآن پر غور نہیں کیا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو تیرہویں صدی میں وہ ساری ایجادیں اور دریافتیں کر سکتے تھے جو آج ہو رہی ہیں۔ قول عباس کے مطابق ہر زمانہ قرآن کی اپنی تفسیر ہے۔ علماء کے لئے اس زمانی عرصے کو پاٹنا کس طرح ممکن تھا؟ اور کیا آپ کے لئے قرآن میں کوئی متشابہ آیت ہے؟ کیونکہ آپ اگر یہ بتا دیں کہ پانچ سو سال بعد وہ اعتراض جو آپ کر رہے ہیں، آپ پر اس دور کے علماء نہیں کریں گے؟

جواب:۔ مجھے یقین ہے کہ وہ نہیں کریں گے...... اُس کی آپ وجہ پوچھتے ہو......؟ پانچ سو سال ابھی رہے نہیں ہیں۔ نہ کوئی آئے گا، نہ مجھ پہ اعتراض کرے گا...... ہیں جی...... دوسری بات یہ ہے کہ میں نے کسی پر اعتراض نہیں کیا۔ میں نے آپ کو ایک بات بتائی ہے اور انصاف میں آپ سب پر چھوڑ دیتا ہوں...... آج مجھے Sir James Jeans کہتا ہے کہ تمام کائنات میں ہر

چیز چل رہی ہے۔آج سے پندرہ سو سال پہلے قرآن بڑے سادہ اور واضح لفظوں میں کہتا ہے کہ کائنات میں ہر چیز چل رہی ہے تو میں اس غلطی کا ذمہ دار کسے ٹھہراؤں؟ اُن لوگوں کو جن لوگوں نے اُس وقت قرآن پڑھا۔اُن عالموں نے اسے پڑھا، مگر اُنھوں نے کیوں نہیں اسے مانا؟ کیوں نہیں اسے درست مانا؟ کیوں انھوں نے Ptolemy کی بات مان لی کہ زمین کھڑی ہے اور باقی سیارگان اُس کے گرد چل رہے ہیں......

Do you have any answer to this question. I don't think so میرے پاس تو اس کا کوئی جواب نہیں۔آپکے پاس کوئی جواب ہے......؟ کہ اتنی خوبصورت آیاتِ قرآن، اتنی واضح، بغیر کسی شک وشبے کے اللہ نے جب آپکو دیں اور آج میں انہی آیات کی وجہ سے زمانے کا انجام بھی دیکھ سکتا ہوں، میں اپنا انجام بھی دیکھ سکتا ہوں، میں اپنے علم کو آخری حد تک لے جانے کی حدود بھی دیکھ سکتا ہوں، مجھے یہ سمجھائیے کہ تیرہ سو برس تک یہ عالم ہمارے لے کیا سوغات لیکر آتے رہے؟ آیئے دیکھئے کہ یہ عالم کیا لاتے ہیں؟ میں ایک مثال دوں گا۔پہلے میں اس پر تقریر کر چکا ہوں۔آپ کسی بھی قرآن کو اٹھا کر دیکھ لیجیے:

"وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ "(الانبیآء 30:21)

(اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے۔)

قرآن کہتا ہے اور سادہ لفظی ترجمہ "وَجَعَلْنَا" پیدا کیا "مِنَ الماءِ" پانی میں سے "كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" تمام حیات میں سے۔ایک دفعہ نہیں کہا، دو دفعہ نہیں کہا، دس مرتبہ کہا اور تمام دفعہ سر اٹھا کر دیکھ لیجیے کہ اُس کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا گیا ہے کہ اللہ نے تمام حیات کو نطفے سے پیدا کیا ہے۔

حضراتِ گرامی! یہ کیا مذاق تھا......؟ یہ کس قدر غلط interpretation تھی۔ایک بالکل واضح Statement کو کیوں confuse کیا گیا......؟ وہ اُس وجہ سے کہ ابھی تک کسی یونانی، کسی Roman کسی دوسری Mesopotamian civilization کے عالم نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم نے حیات کو پانی سے پیدا کیا ہے اور یہ لوگ، دانش ور، جو نئے معتزلہ ہوئے، نئے نئے دانشور ہوئے، اشاعرہ جو دانش ور ہوئے، ماتریدیہ جو دانشور ہوئے، ان کو احساس یہ تھا کہ قرآن کے سادہ الفاظ میں تاویل کئے بغیر ہم قرآن کو سچا نہیں ثابت کر سکتے۔قرآن پہلے بھی سچا تھا، اب بھی سچا ہے، قیامت کے دن تک سچا رہے گا۔میں اُن کو الزام نہیں دے رہا تھا۔میں صرف انھیں عالم سمجھنے سے انکار کر رہا تھا......

ڈاکٹر عبدالجلیل:۔ میں اس میں دو باتیں add کردوں کہ پروفیسر صاحب آپکو اس میں دو اصولوں کی تلقین کر رہے ہیں......وہ اصول یہ ہیں کہ اگر قرآن کی یا کسی حدیث کی کوئی بات ہماری سمجھ میں نہ آئے تو کہیں بہتر ہے کہ ہم یہ کہہ کر خاموش ہو جائیں کہ یہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی اور ہم مزید علم کا انتظار کریں گے اُس کی دو مثالیں میں آپ کو دے رہا ہوں:،ایک وہ ہے جو استاد نے دی:

"وَالسَّمَآءِ بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ وَاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ" (ذریات 47:51)

(اور آسمان کو بنایا اپنے ہاتھوں سے، ہم اس کو وسعت دے رہے ہیں۔)

اسکا سادہ ترجمہ کوئی بھی عربی جاننے والا کر سکتا ہے۔

more or less اسی مفہوم کے ساتھ......اب دوسری آیت ہے اسی سے ملتی جلتی ہے۔اُس میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں: کہ ہم نے زمین کو بنایا، ہم اسے کناروں سے سکیڑتے جا رہے ہیں۔ اب ان کی تفاسیر میں آپ کو سنانے لگا ہوں جو کہ پرانی تفاسیر ہیں۔کسی مفسر کا نام نہیں لے رہا......ایک مفسر یہ فرماتے ہیں کہ آسمانوں کے پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ مسلمان جو ہیں، وہ فتوحات کرتے جا رہے ہیں، تو اُن کی جو سلطنت ہے، وہ پھیلتی جا رہی ہے اور اس طرف اللہ نے اشارہ کیا ہے اور دوسری تاویل اس کی آپ نے اُستاد سے سنی، کسی اور مفسر کی، کہ اللہ نے اُس میں اپنی قوتیں رکھیں، قوتِ بازو رکھی، وغیرہ وغیرہ......جو بالکل کسی معنی میں فِٹ نہیں بیٹھتی تھیں اور یہ جو دوسری آیت میں نے آپکو بتائی ہے کہ اللہ فرماتے ہیں کہ (میں زمین کو کناروں سے سکیڑتا جا رہا ہوں) تو اس کی تفسیر ایک عالم نے یوں کی کہ مسلمانوں کی فتوحات سے کفار کی زمین اور سلطنت سکڑتی جا رہی ہے۔ تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ کتنی local interpretation تھی۔اگر وہ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے کہ اللہ یہ فرما رہا ہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے یہ آسمان تخلیق کئے اور میں انھیں وسعت دیتا جا رہا ہوں اور آگے لکھ دیتے: "واللہُ اَعلَم بِالصَّواب" حتیٰ کہ علم اپنے کمال کو پہنچتا اور ہم تک خبر پہنچتی۔اسی طرح استادِ محترم نے آپ کو وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ کی مثال دی۔ایک مفسر نے اس کی تفسیر میں لکھا کہ ہم نے انسان کو مادہ منی سے پیدا کیا۔اُن کے نزدیک ماء کا کوئی اور ترجمہ ممکن نہ تھا، تخلیق کے reference سے......حتیٰ کہ بائیالوجی کی کتابوں نے یہ انکشاف کیا اور قرآن کی اس آیت کا literal ترجمہ بیالوجی کی books میں اس طرح آیا کہ All life has been created from water...

اسی طرح حدیث میں بھی ہے جس کی مثال بار ہا مختلف sessions میں دی جا چکی ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ سے پوچھا گیا، حضور ﷺ نے پوچھا کہ ابوذرؓ! تجھے پتا ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے۔ ابوذرؓ نے آپ سے کہا کہ اللہ اور رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ یہ عرش کی طرف جاتا ہے اور اسے لوٹایا جاتا ہے کہ وہیں سے نکل اور ایک دن آئے گا کہ اسے نہیں لوٹایا جائے گا۔ اس پر غلام احمد پرویز نے اعتراض کیا کہ sun کی یہ movement تو ہے ہی نہیں لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ ان کی وفات کے کچھ ہی عرصے کے بعد یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ گئی کہ سورج کی حرکات اس نوعیت کی بھی ہیں کہ یہ حدیث انھیں explain کرتی ہے تو بجائے اس کے کہ تھوڑے علم پر تفاخر اور حتمیت کا اظہار کرتے ہوئے کسی آیتِ قرآنی یا حدیثِ رسول ﷺ کی حقانیت پہ اعتراض کیا جائے، کہیں بہتر ہوتا کہ وہ علماء انتظار کر لیتے اور آج بھی یہی بہتر ہوگا کہ کچھ ایسی آیات جو آج کا علم explain نہیں کر پاتا اُس پہ تحمل سے انتظار کیا جائے، وہ جو سوال کرنے والے نے اشارہ دیا۔

حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہ قول ہے کہ ہر زمانہ قرآن کی اپنی تفسیر کرتا ہے اور ابن عباسؓ نے ایک صاحب سے یہ کہا کہ یہ آیت تمہارے لئے نہیں ہے۔ جب انھوں نے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ اللہ جانتا ہے کہ زمین میں کیا اترتا ہے اور آسمانوں کو کیا چڑھتا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ آیت تمہارے لئے نہیں اور آج ہم جانتے ہیں satellite کی مدد سے کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ تو ہر آیت اپنے زمانے کے ساتھ کھلتی ہے اور اُس وقت تک اُس کا literal translation ہی رکھا جائے اور انتظار کیا جائے اُن لوگوں کا جن لوگوں کیلئے وہ آیت ہوتی ہے۔

ڈاکٹر رحمت اللہ: علمائے الازہر نے لکھا ہے کہ مِنَ الْمَآءِ کا مطلب ہوتا ہے، protoplasm disintegration of protoplasm

سوال: پروفیسر صاحب یہ سوال بہت سے دوستوں کی جانب سے آیا ہے، جو آج کل زمینی حقائق ہیں اس کے متعلق ہے۔ نائن الیون کے واقعات کے اثرات کے بعد آج نبی کریم ﷺ سے متعلق خاکوں کے خلاف مسلمانوں کے زبردست غم و غصے اور احتجاج کے مابعد اثرات کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں: Why are people making cartoons of our Prophet?

جواب: بعض اوقات قوموں کے اپنے انداز ہوتے ہیں۔ اگر میرے رسول ﷺ زندہ ہوتے تو

اُن کو اپنی زندگی میں بھی اُس قومِ جہلاء سے واسطہ پڑا تھا۔ وہ ہر حال میں انھیں اذیت دینا چاہتے تھے۔ جب crusades شروع ہوئیں اور مسلمانوں میں سخت جنگیں شروع ہوئیں تو ایک priest لامینس نے ایک پوری کتاب لکھ ماری۔ اس نے کہا کہ مسلمان ایک بت کی پرستش کرتے ہیں جسے مہیت کہتے ہیں یعنی اسمِ گرامی محمد ﷺ کو بھی مسخ کیا گیا۔ آپ پندرہ یا بیس کروڑ لوگ ہیں لیکن آپ اُن کے ہاتھ اور زبانیں پکڑ نہیں سکتے۔ اگر آپ ان کو مفتوح بھی کر لیں تو وہ کوئی نہ کوئی آپ کے خلاف چھیڑ چھاڑ کر ہی دیں گے۔ جیسے آپکے اپنے ملک میں قرآن کی تحقیر کی جاتی ہے یا بعض اوقات اس قسم کے slogans لکھے جاتے ہیں مگر بنیادی وجہ جو زوال کی ہے کہ پہلے وقتوں میں مسلمان بادشاہ جب کوئی پکار سنتے تھے، کوئی ایسی بات سنتے تھے تو وہ اس قابل تھے کہ دوسرے ملکوں کو میدان جہاد میں گھسیٹ لاتے تھے اور حرمتِ رسول ﷺ کو زورِ بازو سے defend کرتے تھے۔

اب آپ کا عجیب حال ہے کہ حکومتیں کاسہ لیس ہیں اور شاید اسمِ گرامی کی cost پر بھی اُن کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتے۔ جو آپکے حکمران ہیں، جو باقی مسلمانوں کے حکمران ہیں اگر اُن کے پاس choice ہو تو وہ اس cost پر بھی اُن سے تعلقات رکھیں گے۔ رہ گئے وہ سادہ لوگ، غریب لوگ، وہ دل کے اچھے لوگ، وہ اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے لوگ، تو اُن کیلئے یہ اذیت کا باعث بنتا رہے گا۔ مگر جیسے میں نے آپ سے کہا کہ اس حیثیت کو، ignore کر کے، صبر سے، استقامت سے مارا جا سکتا ہے اگر آپ انہیں چھیڑیں گے تو وہ آپ کو چڑائیں گے۔ اُن کو اگر پتہ ہے کہ مسلمان اس چیز سے دکھ اٹھاتے ہیں تو وہ آپ کو اور دکھ دیں گے۔ جب تک ہم میں زور نہیں بڑھتا، جب تک ہم اس فتنہ کی practically سرکوبی نہیں کر سکتے اُس وقت تک ہم نے، ہماری غیرتِ اسلام نے، ہمارے عزتِ محمد ﷺ کے تصور نے اگر کوئی نقصان اٹھانا ہے تو ہمیں اس کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔ ہمیں دُعا مانگنی چاہیئے، ہمیں اپنے دل کے اندر یہ دعا رکھنی چاہیئے اور مانگنی چاہیئے کہ اے مالک! ہمیں اس قابل بنا کہ ہم عزت رسول ﷺ کے محافظ نکلیں۔ ہم اس قابل ہوں کہ ہم دُشمن کی ان باتوں کو روک سکیں۔ آپ کو یاد ہے کہ یہ کتنا نازک مسئلہ ہے کہ وہ جو رسول اللہ ﷺ کی برائی بیان کرتا تھا، فتح مکہ کے دن، کعبہ کے اندر قتل کیا گیا۔ کعبہ کے اندر بھی اگر کسی کا قتل حلال کیا گیا تو وہ شخص ہے جس نے ہجوِ رسول ﷺ کی ہو اور یہ سزا رسول اللہ ﷺ نے کبھی نہیں دی۔ رسول اللہ ﷺ تو ہر قسم کی بری بات سُن کر چپ رہتے تھے۔ وہ تو

اللہ کی رحمت تھی۔ خلق اور انکسار کا عالم عجیب تھا۔ وہ تو بدترین دشمنوں سے بھی بات سنتے تھے اور صبر کا ہی دامن تھامے رکھتے تھے مگر یہ سزا اللہ نے دی ہے، اُن لوگوں کو جو ہجوِ رسول ﷺ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کیساتھ شاید ہم کچھ نہیں کر سکتے، دور ہیں...... سمندر حائل ہیں، کمزور ہیں...... ہتھیار کند ہیں...... نیامیں ٹوٹی پڑی ہیں مگر اگر آپ اعتبار رکھو تو آپ یقین جانو کہ اللہ یہ بدلہ ضرور لے گا۔ وہ اپنے دوست کی حرمت پر آنچ نہیں آنے دے گا۔

سوال: شکریہ پروفیسر صاحب! مومنین کیلئے خوشخبری ہے کہ جنت میں حوریں ہونگی، کیا وہ حوریں مومنات ہونگی، پھر ستر کی تعداد کیسے پوری ہوگی؟

جواب: خواتین وحضرات! جس نے بھی سوال بھیجا، اُس کو پتہ ہونا چاہیئے کہ خواتین کیلئے بھی جنت ہے اور اگر غلطی سے اُن کے یہاں کسی خاتون بیگم سے اچھے تعلقات ہیں تو وہ وہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑیں گی اور اس کی حفاظت کرنے کیلئے کیا میں یہ کہوں کہ لازم ہے کہ آپ یہاں اپنی بیویوں سے لڑتے رہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اُن کے پاس بھی ایک اختیار ہے۔ مجھے ایک کمزور روائت پہنچی ہے جنابِ علی کرم اللہ وجہہ سے کہ جنت میں ایک دوکان ہے، ایک مارکیٹ ہے جہاں کوئی بھی جا کر شکل وصورت اور جنسی آگہی بدل سکتا ہے اور اگر اچھی عورتوں نے چاہا کہ وہ وہاں مرد بن جائیں تو بڑی آسانی سے بن جائیں گی۔ یہ جو جنسی تقسیم ہے، صرف اس دنیا کیلئے ہے اور فرض کرو کہ اگر اس قسم کے genetic pattern پر انسان کو جنت میں کنٹرول حاصل ہو تو یہ دونوں طرف جائے گا، عورتوں کو بھی یہ اختیار حاصل ہوگا کہ جب چاہے مرد بن جائیں، جب چاہیں خواتین بن جائیں اس لئے خالی آپ ہی کو فائدہ نہیں ہے اُن کی طرف بھی ہے......

سوال: مرد کا غیر عورت سے دوستی کرنا جائز ہے، اگر عورت کسی غیر مرد سے دوستی کرے تو وہ ناجائز ہے۔ کیا اسلام میں یہی ہے؟

جواب: قطعاً نہیں، بلکہ دوستی کا کوئی concept مذہب میں نہیں ہے۔ مذہب سمجھتا ہے کہ دوستی جتنی مرضی بھی کرلو، اُس کے پس پردہ کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی، کوئی نہ کوئی، جبلی محرکات زندہ ہو جاتے ہیں اور تمام دوستی کے افسانے ہوا ہو جاتے ہیں یا کسی ایسی غلطیوں کا جبلت شکار ہو جاتی ہے کہ جہاں یہ ممکن نہیں رہتا۔

آج تک مشرق میں یہ تصور پیدا ہی نہیں ہوا۔ مگر مغرب میں جہاں مرد اور عورت کی دوستی کا تصور موجود ہے، اُس کی وجہ اخلاق نہیں ہے۔ آج میں آپ کو خصوصی طور پر یہ بتا دوں، اس

کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مغرب اخلاق میں بہت اچھا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ تصورِ زن کی وجہ سے mental impotense create ہو گئی ہے۔ ان میں، عورت مردوں پر وہ تأثر نہیں چھوڑتی جو، ہمارے ہاں چھوڑتی ہے اور جو وہاں کے حالات ہیں، وہاں مرد اتنا imaginatively impotent ہو چکا ہے کہ وہ عورت کی جگہ Boy friend کو اپیل کرتا ہے، جہاں یہ صورتِ حال ہو، وہاں ہم عورت سے اس قسم کے سلوک کو اچھائی نہیں سمجھتے ہیں بلکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ friendship سرے سے ہے ہی نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک خاتون کے ساتھ کوئی شخص ہو اور وہی شخص عورت کے ساتھ دوستی کا شوق رکھتا ہو۔ وہ دوستی تو عورت سے کرے مگر جنسیت کا اظہار مرد سے کرے۔ اس لئے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یورپ میں یہ کوئی اخلاقی ترفع نہیں ہے بلکہ ذہنی مجبوری ہے، یہ disculture ہے۔ ہمارے ہاں شاید ابھی جبلی تقاضات موجود ہیں، رکاوٹوں کی وجہ سے، پردوں کی وجہ سے، اختلاف کی وجہ سے، فری نہ ملنے کی وجہ سے، ہمارے ہاں imaginative skill موجود ہے۔ یاد رکھیے کہ جنسیت کے basic محرکات desire اور imagination ہوتے ہیں اگر آپ imagine ہی نہیں کر رہے، کسی عورت کو عورت کی طرح تو پھر آپ کسی قسم کے جنسی محرکات سے آشنا نہیں ہونگے اس لئے بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ West کی طرح عورتوں سے دوستی ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے نہیں ہو سکتی۔ ایک شرط پر ہو سکتی ہے کہ عورت اپنی جنس سے فارغ ہو اور مرد اپنی جنس سے فارغ ہو یعنی مخنثین کی ہو سکتی ہے۔

سوال: کیا بات ہے کہ آج کوئی غازی علم دین پیدا نہیں ہو رہا؟

جواب: ......بہت ہیں...... یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ نہیں ہوا...... میرا خیال ہے کہ یہ زمانہ زیادہ سرعت پذیر emotions رکھتا ہے اور ایک آدھ دن کے فرق سے آپ یہ کہہ بھی نہیں سکتے کہ اسے سزا نہیں ملے گی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جنرل ڈائر کو ایک ہندوستانی نے پارلیمنٹ میں گھس کر مارا تھا تو آپکو تھوڑا سا وقت لگتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ آپ ہفتے، دو ہفتے بعد سنیں کہ وہ Danish ایڈیٹر کسی نے قتل کر دیا۔ پہلے ایک یہی واقعہ ہو چکا ہے کہ مووی بنانے والے، فلم ڈائیریکٹر کو قتل کر دیا گیا تھا...... ہماری تہذیب ہمارا مذہب یہ کہتا ہے کہ ہمارے ایمان کا اعلیٰ ترین وصف اللہ کو لَا شَرِیکَ لَہٗ ماننا ہے اور دوسرا سب سے بڑا وصف اللہ کے رسول ﷺ کو جان و مال، اور اولاد سے بڑھ کر محبت کرنا ہے اور یہ افسانہ نہیں ہے۔ حضرت حمزہؓ کے وقت یہ واقعہ پیش آیا

کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب ایک غزوہ میں اُنکے ایک، دو، تین، چار بیٹے شہید ہوئے تو انہوں نے پوچھا کہ کوئی بات نہیں کہ میرے بیٹے شہید ہوئے، مجھے رسول اللہ ﷺ کی خبر سناؤ۔ بتایا گیا کہ وہ اللہ کے فضل سے زندہ ہیں تو پھر فرمایا کہ اب مجھے اپنے بیٹوں کی شہادت کا کوئی غم نہیں ہے۔

ہماری تو محبتیں رسول ﷺ سے ایسی ہیں...... میں imagine کرتا ہوں آپ یقین کریں کہ کبھی ترس بھی آتا ہے کہ اس خودغرض اور ناخودشناس قوم کو اندازہ نہیں ہوسکتا کہ مسلمان اپنے نبی ﷺ سے کتنی محبت کرتا ہے، کیونکہ وہ اپنے Christ سے محبت نہیں کرتے۔ اُن کو سمجھ ہی نہیں آتی کہ ہم کیوں نہیں حضرت عیسیٰؑ سے اتنی محبت کرتے۔ میں اُن کی مجبوری بھی سمجھتا ہوں۔ It is lack of understanding... میں سمجھتا ہوں۔ It is a very big gap of comprehension between these two religions. یعنی ہم حضرت عیسیٰؑ کے دامن پاک میں خراش ڈالنے سے بھی خوفزدہ ہیں، ہمیں اُن سے اتنی محبت ہے، اتنا اُنس ہے مگر وہ اپنے نبی کو بھی جا و بے جا رسوا کرتے رہتے ہیں۔ اُن کے بھی cartoon چھاپتے رہتے ہیں، اُن کے بارے میں بھی ایسی ایسی واہیات باتیں کرتے رہتے ہیں کہ مسلمان کا دل دُکھ جاتا ہے مگر Christians کا نہیں دکھتا۔ I think ان کو religion کی وہ value ہی نہیں پتہ، اس لئے میں تو نہیں سمجھتا کہ اس کو زیادہ زیرِ بحث لانا چاہئیے......

سوال: اسی سے متعلقہ سوال ہے کہ جن لوگوں کے پاس ڈنمارک کی مصنوعات ہیں اور یہ مصنوعات توہینِ رسالت کے واقعہ سے پہلے خریدی گئی تھیں۔ اب ان کو زیرِ استعمال رکھا جائے یا نہیں۔؟

جواب: پیسے دیئے ہوئے ہیں، Danish نے آپ پر کوئی احسان تو نہیں کیا ہوا۔ آپ کی ملکیت ہیں۔ جو چیزیں آپ کی ہیں...... وہ Danish کی نہیں رہی ہیں...... انھوں نے بیچ دی ہیں۔ آپ پر احسان نہیں کیا...... وہ آپ کی ہیں...... چاہو تو استعمال کرو۔ چاہو تو Danish Government کو آدھے ریٹ پر واپس کردو......

سوال: اس سوال کا جواب بلال قطب دیں تو زیادہ مناسب رہے گا۔ سوال یہ ہے کہ In this time of multimedia, pictures and paintings are prohibited in Islam. How will Islam progress in technology...?

جواب: بلال قطب:۔ پروفیسر صاحب نے جیسے ابھی کہا کہ ان کو ادراک نہیں ہے کہ مسلمان کتنی محبت رکھتے ہیں اپنے خدا اور اس کے رسول ﷺ سے......تو یہ بات تشبیہاً کسی زمرے میں نہیں ہے، یہ بات اتنی ہی سچ ہے..... کیونکہ ایک بات ذہن میں رکھیئے کہ اگر آپ کو intellectuat بات کرنی ہو، socio-eonomical, political, gender کی بات کرنی ہو، کسی بھی موضوع پر آپ کو بات کرنی ہو تو آپ اسلام کو اپنا حوالہ بنا کر بات کر سکتے ہیں۔ ہندو اگر ان موضوعات پر بات کرنا چاہے گا تو اُس کے پاس religion میں اتنی depth نہیں ہے کہ وہ اس موضوع پر بات کر سکے۔ Christianity میں اتنی depth نہیں ہے کہ وہ ان موضوعات پر، metaphysical issues پر، time and space پر، اپنے religion کے حوالے سے بات کر سکیں اس لئے وہ کرتے ہی نہیں ہیں۔ اس لئے انکا کوئی ایسا intellect develop ہوا بھی نہیں ہے، مجھے اپنے تجربے سے یہی لگتا ہے۔ سو اگر ان کو کوئی ایسی بات بتائی جائے تو اُن کی سمجھ میں آتی بھی نہیں ہے۔

جہاں تک معاملہ ہے تصویر بنانے کا، ایک تو ہم اس بات کو منسوب کر سکتے ہیں رسول پاک ﷺ کی حدیث سے لیکن میرا یہ اپنا خیال ہے کہ اس بات کو صرف یہاں تک نہیں دیکھنا چاہیے کہ تصویر کشی جو ہے وہ چونکہ رسول پاک ﷺ نے کہا کہ پردہ یہاں سے ہٹا دو تو ہم کہیں کہ تصویر کا concept بس یہاں تک محدود ہے۔ میرے خیال میں یہ سارا معاملہ فلسفہء جمالیات کا ہے، Philosophy of aesthetic کا ہے۔ اس کو اس حوالے سے دیکھنا چاہیے۔ اگر آپ Greeks کا زمانہ دیکھیں تو اُن کے ہاں جو فلسفہ تھا حسنِ جمالیات کا، اُس میں جو elite کلاس تھی، جو بادشاہوں کی کلاس تھی، اُس میں ہر اُس چیز کو aesthetical یا جمال سمجھا جاتا تھا جو اُن کے نفس کو تسکین دے...... ہر وہ شے حسین ہے جو تسکینِ نفس دے رہی ہے...... ان کے ہاں یہ فلاسفی ہے کہ جو چیز آپکے desire کو satisfy کرتی ہے۔ وہ aesthetical ہے، وہ خوبصورت ہے اسی لئے elite cultures میں یا جو kings کے cultures ہیں اُن میں incest relationships جو ہیں، باپ کا بیٹی سے، بیٹے کا ماں سے، جائز قرار پاتے تھے۔ وہ اس لئے کہ ایک بادشاہ کو اگر اپنی بہن میں اپنی جبلت کی تسکین نظر آتی تھی تو اُس کو اِسی میں حُسن نظر آتا تھا اور وہ اُسی کو حسین سمجھتا تھا۔ یہ ایک کلاس تھی جن کے ہاں یہ فلسفہ تھا...... دوسری جو کلاس اُس وقت available تھی، وہ تھی Hebrew کی جو کہ حضرت موسیٰ

کے followers وغیرہ ہیں۔ یہ جو کلاس تھی، جس طرح آج ہم کہتے ہیں، یہ economically غربت کی لائن سے بھی نیچے والے لوگ تھے۔ ان کے ہاں اس زمانے میں جو aesthetic کا یا جو خوبصورتی کا تصور تھا، وہ یہ تھا کہ خوبصورتی اور حسن یہ اُس شے کو مانتے تھے جو اُن کے اور اُنکے تخلیق کرنے والے یعنی creator اور creation کے درمیان جو communication ہے، جو رابطہ ہے، وہ اس کو حُسن مانتے تھے۔ اس لئے اُن کے ہاں جو بھی معاملات aesthetical ہوئے وہ communication between the creator and the creation ہوئے۔

اب آپ ایک سیکنڈ کے لئے ذرا غور کیجئے کہ اگر میں Greeks کی elite class میں سے ہوں جن میں آگسٹائن ہے، Saint Basel ہے، Saint Basu ہے، اگر میں ان لوگوں میں سے ہوں۔ تو میرا حسن کا اور جمالیات کا جو expression بنے گا، میں اپنے جذبات کا جو اظہار کروں گا۔ وہ ایک تصویر سے زیادہ، ایک مرد، عورت یا گھوڑے بلی کی تصویر سے زیادہ اور کیا ہوگا کیونکہ میری تسکین نفس جبلت میں ہے اور انہی چیزوں ہی کی میں تصویر کشی کروں گا۔ اب دوسری طرف جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ جو میری aesthetics ہیں یا جمالیات ہیں، وہ creator اور میرے درمیان کی communication ہے، ہمارے درمیان کا رابطہ ہے۔ اب اس کو آپ تصویر میں کیسے لیکر آئیں گے؟ اس کی تصویر نہیں بن سکتی۔ اسی لئے قرآن میں، میرے خیال میں یہ ذکر نہیں ہے کہ تصویر نہ بناؤ......! لیکن زبور میں آٹھ جگہ ذکر ہے کہ تصویر نہیں بنانی۔ یہ اس وقت کی بات ہے...... اب Hebrews نے بعد کے وقتوں میں، اپنے اُن جذبات کے اظہار کے لئے expression develop کیا، اس میں تو انہوں نے جیومیٹری کو adopt کیا ...... جیومیٹری mathematics کی ایک صنف ہے، اس لئے ان کا جمالیات کا تصور تصویروں میں نہیں آیا، وہ proportions کے اندر آیا، جومیٹری کے اندر آیا۔ اسی لئے اگر آپ مسلمانوں میں دیکھو تو، جومیٹری کی proportions کے ساتھ جو sciences بنیں یا جو architecture بنا یا آرٹ بنا، وہ کمال کو پہنچا...... اسی لئے آج بھی اگر آپ غور کرو تو آرٹ کی اپنی کوئی morality نہیں ہے لیکن جب ایک مسلمان اپنا expression دینا چاہتا ہے آج بھی، تو آپ مسجدوں کو دیکھو! بادشاہی مسجد کو دیکھو! اس میں جومیٹری میں golden mean کا ایک اصول استعمال کیا گیا ہے جو کہ انہوں نے تخلیق کیا

کیونکہ وہ اس پر کام کر رہے تھے...... وہ figurative ڈرائنگ میں نہیں گئے کیونکہ اس میں expression نہیں تھا۔

مسلمانوں نے golden mean کی جو proportion نکالی وہ ایک اعشاریہ چھ کی تھی...... اگر آپ بادشاہی مسجد کا total area دیکھو تو یہ اتنا بڑا نہیں ہے جتنی بڑی مسجد نظر آتی ہے...... سو انہوں نے جیومٹری کی مدد سے اپنے aesthetic کی تسکین کی۔ انھوں نے جیومٹری کے علم کو استعمال کرتے ہوئے اپنے اس expression کو اِتنا perfect کیا کہ یہ باقاعدہ illusion بھی create کرسکتا ہے کہ وہ جگہ اتنی ہے نہیں لیکن لگتی بہت بڑی ہے......سو بنیادی مسئلہ جو ہے، وہ تصویر کا نہیں ہے۔ میرے خیال میں یہ وہ معاملہ ہے کہ آپ کس aesthetical group میں belong کرتے ہیں؟ آپ گروپ A میں belong کرتے ہیں یا گروپ B میں belong کرتے ہیں؟ اگر آپ گروپ B میں belong کرتے ہیں تو آپکی جو aesthetics ہے وہ، خیالات کی جنگ ہے۔ وہ آپ کی intellectual battle ہے۔ اس کا expression کسی عورت یا مرد کا figure نہیں ہوسکتا۔ اس کا expression اس سے کہیں زیادہ demand کرتا ہے۔ اس لئے ہمارے ہاں culture میں، جو روائت اور جو قدر آئی وہ، geometrical formation تھی...... rather than figurative formation...

پروفیسر احمد رفیق: excellent بلال قطب......!

سوال:۔ شکریہ بلال قطب صاحب...... پروفیسر صاحب آپ سے سوال ہے کہ آج کل کے عالموں اور مولویوں سے کیسے بچا جائے اور ساتھ ہی وہ پوچھتے ہیں کہ آج کل تبلیغی جماعت میں عورتوں کی تبلیغی جماعتیں بھی منظم کی جارہی ہیں۔ قرآن وحدیث کی رو سے کیا عورت گھر سے باہر تبلیغ کے لئے جاسکتی ہے؟

جواب: پہلا تو بڑا سادہ سا طریقہ ہے کہ آپ مولویوں سے ایک ہی حال میں بچ سکتے ہو کہ اُن کی جماعتوں میں جا کر نہ بیٹھو اور تو مجھے کوئی طریقہ نظر نہیں آتا۔ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو اس صورت میں چُپ کر جائیں کہ آپ تبلیغی ہو جائیں، کوئی اور ہو جائیں، جماعت اسلامی کے ہو جائیں، یعنی آپ کو دن میں پندرہ بیس پارٹیاں بدلنی پڑیں گی مگر میرا خیال ہے کہ یہی ایک طریقہ ہے اُن سے بچنے کا......

دوسری آپ نے عورتوں کی بات کی ہے۔ یہ میں نے بھی دیکھا ہے اور مجھے افسوس ہوتا ہے کہ پہلے یہ جنون، یہ تکلیف، یہ برڈ فلو صرف مردوں تک تھا۔ اب عورتوں تک بھی پہنچ گیا ہے اور باقی یہ کہ عورتیں مردوں کے تقریباً برابر ہیں۔ اگر ابتدائے اسلام میں عورتیں جنگوں میں جاسکتی تھیں، خولہ بنتِ ازور دشمنوں کے لشکر پر حملہ کرسکتی تھیں، ہندہ بنتِ ابوسفیان چوب اکھاڑ کر رومن لشکر کو persue کرسکتی تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سیدہ فاطمہ الزہرہؓ جنگ میں Flourence Nightingale سے بہت پہلے اگر services سرانجام دے سکتی تھیں تو میرا خیال ہے کہ اگر کوئی تبلیغ جائز اور سچی ہو اور عورتیں well-committed ہوں تو اُن کے جانے میں کوئی حرج نہیں۔ اُن کی اپنی fields موجود ہیں، اُنکے اپنے areas موجود ہیں اور زمانے میں کبھی مشہور تھا کہ اگر دین سیکھنا ہو تو مدینے کی بوڑھی عورتوں سے سیکھو۔ یہ ضرور میں کہوں گا کہ شاید وہ وقت جب عورتوں کی ذمہ داریوں کا ہوتا ہے، بال بچوں کا، خاوند کا، وہ بچوں کو neglect کر کے نہیں جاسکتی ہیں Perhaps these are those women who don't have any belongings تو اُن کے جانے میں تو کوئی حرج نہیں ہے......

سوال: گوجر خان کے دوست آپ سے پوچھنا چاہ رہے ہیں کہ آپ گوجر خان کے لوگوں کو خاص وقت نہیں دیتے اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ تو چراغ تلے اندھیرے والی بات ہے؟

جواب: اتفاق یہ دیکھیئے کہ کل ہی کی بات ہے، کہ میرے ایک دوست آئے، وہ ابھی یہاں پر تشریف فرما بھی ہونگے تو وہ مجھے کسی دوسرے شہر کا کوئی واقعہ سنا رہے تھے۔ وہاں گوجر خان کے کچھ احباب بھی گئے ہوئے تھے تو کسی نے میرے ان دوست سے پوچھا کہ پروفیسر صاحب اُدھر ہیں اور وہ ہمارے اُستاد ہیں۔ اُنھوں نے کہا: ''اچھا وہ تو جادوگر ہیں''......خواتین و حضرات! اگر میرا شہر مجھ سے یہ کرے گا۔ تو میں بھی اُن سے یہی کروں گا......

سوال: اسلام کے عرب پس منظر کی background کیا ہے کیونکہ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن میں صرف یہودیت یا عیسائیت کا ذکر ہے جو کہ عرب کے پڑوسی مذاہب تھے لیکن بدھ مت اور ہندو مت جو نہایت پرانے مذاہب تھے ان کی مثال نہیں دی گئی اور ہندو کلچر، کا بھی ہمیں کہیں ذکر نہیں ملتا۔

جواب: میرا تو خیال یہ نہیں ہے بلکہ چونکہ ہر قوم کا area ہوتا ہے۔ اُس کی working

details ہوتی ہیں۔ اُس کی جان پہچان کے ذرائع ہیں۔ جن areas میں اسلام آیا، جن areas میں یہ message گیا زیادہ تر وہ لوگ تاجر تھے۔ بلکہ دو، چار احادیث ایسی بھی ہیں جن میں اصحابِ رسول ﷺ نے ہندوستان کے واقعات بھی سنائے ہیں بلکہ اسی میں جاسوسہ کی بھی حدیث موجود ہے، جو سراندیپ سے پرے کسی ساحل کی ہے، تو ایسی cultural mix-ups کی بہت سی باتیں ہوتی ہونگی۔ مگر شاید رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قرآن حکیم کو اس سختی سے یا اس احتیاط سے پڑھایا جارہا تھا کہ اُن میں فالتو باتوں کی گنجائش بہت کم تھی، اس لئے اس کو عرب culture تو نہیں کہنا چاہیئے اگر چہ قرآن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ زبان جس میں ہم نے قرآن کو اتارا ہے، یہ most sophisticated زبان ہے۔ ''عربی مبین'' ہے، واضح ہے۔ اس میں مطالب کا کوئی confusion نہیں ہے۔ اس کے باوجود میرا خیال یہ ہے کہ language میں بھی دوسرے الفاظ کی کچھ آمیزش موجود ہے، واقعات میں بھی احادیث میں بھی تھوڑی بہت آمیزش موجود ہے، مگر اتنی کثرت سے نہیں ہے، مسافرت کے انداز جدا ہوتے تھے اور وصالِ امت اتنا زیادہ نہیں تھا کہ مختلف علاقوں کے لوگ اتنی کثرت سے ملا کرتے......

اس سے آگے جا کر شاید مصر میں، چونکہ وہ تجارت کا ایک گھر تھا یا بحرین میں، یا یونان کے اُن علاقوں میں جہاں بحریہ تھا جیسے ایلیا تھا جسے آپ Troy کے نام سے جانتے ہو...... یہ بڑے بڑے بحری مراکز تھے جہاں businesses ہوتے تھے وہاں اس قسم کا mixture تو possible تھا مگر اتنا پیچھے ہٹ کر جیسے مکہ اور مدینہ تھا civilization was almost be raft of every unnatural fact of the other nations اس لئے وہ effect نہیں آیا مگر ایک بات آپکو وضاحت سے بتا دوں کہ وہ عرب culture جو ہُبل لایا ہے وہ Apollo کی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ عربوں کا اپنا کوئی دیوتا نہیں تھا۔ جس خدا کو یہ پوجتے تھے وہ Apollo ہے۔ ہُبل Apollo ہے...... جو Crete کے ذریعے عرب تک آیا ہے۔ اسی طرح Astharthe ہے جسے عرب میں اشطار کہتے ہیں جو ملکہء سبا کی پروردگار دیوی ہے، جس کو Divine image کہتے ہیں اور جو زرخیزی کی goddess ہے، پیدائش کی goddess ہے۔ اُس کا بھی ذکر آیا ہے۔ پھر خدا نے خود قرآن میں اُن قوموں کا، اُن بتوں کا ذکر کیا ہے جو اُس عرب سوسائٹی میں موجود تھے تو عرب سوسائٹی کے جتنے دیوی، دیوتا تھے، یہ روم و یونان سے چل کر آئے ہوئے تھے اور اس لحاظ سے ان میں ایک پوری علاقائی وحدت کا نشان تو موجود تھا البتہ ہندوستان میں شاید دوری

حائل تھی یا وہاں سے تجارت بہت کم تھی تو اس کا mention کبھی کبھی ہوتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ farthest limit جو اسلام میں تھی وہ چین کی تھی، اسی لئے حضور ﷺ نے حدیثِ مبارکہ میں فرمایا کہ علم حاصل کرو خواہ چین ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ صحرائے گوبی، دور دراز کا علاقہ، پانچ ہزار میل لمبا صحرا Manchu dynasty اور Mongol dynasty جو اس پر rule کر رہی تھی، اسکا ذکر ہمیں وہاں عربی تاریخ میں بھی ملتا ہے مگر کثرت سے نہیں ملتا مگر قرآن میں ایک آیت یہ ہے کہ ہم نے ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا، ایک پیغام دینے والا بھیجا اور اِسی قوم کی زبان میں بھیجا:

''وَمَا اَرسَلنَا مِن رَّسُولٍ اِلَّا بِلِسَانِ قومِهٖ '' (ابرٰھیم 4:14)

ہم نے کسی قوم کو تباہ نہیں کیا جب تک ان میں ایک پیغمبر نہیں بھیج دیا اور اُس پیغمبر کی خوبی یہ تھی کہ وہ اُسی قوم کی زبان میں تھا...... تو ظاہر ہے کہ مہاتما سدھارتھا اور بُدھا ہوں یا جینا ہوں یا کرشنا ہوں...... بلکہ اگر آپ یقین جانیے تو راما چندرا اور کرشنا کی لائف ہسٹری میں سے اگر ہندووانہ روش نکال دی جائے جو بعد میں add ہوئی تو اُن کی زندگیوں کے خاکے پیغمبرانہ ہیں۔ خاص طور پر ''رام چندر'' جو ہیں، وہ قریباً قریباً ایک پیغمبرانہ خصائل کے مالک ہیں جن کو بعد میں ہندووانہ طرائق نے خراب کر دیا اور وہ اتنی جلدی خراب کر دیتے ہیں کہ مہاتما بُدھ کے آٹھ اعتدال کے rules ہیں جیسے ہمارے رسول ﷺ نے آٹھ اعتدال کی احادیث دی ہیں مگر اگر آپ غور کیجیے تو چندر گپت موریہ کے زمانے سے لے کر اتنا وقت نہیں بنتا مگر جونہی سمندر گپت کے بیٹے اشوکا نے کالنگا کی فتح کے بعد بدھ مت کو قبول کیا، تو اس کا سب سے پہلا کام بدھ مت کو corrupt کرنا تھا۔

بدھ مت میں خدا کا کوئی واضح تصور نہیں تھا۔ بُدھا نے کبھی اس ڈر کے مارے اللہ کا نام نہیں لیا کہ وہ جو نام بھی لیتا، وہ ہندوؤں کی ڈکشنری میں کسی god کا نام ہوتا تھا He did not mention the name of God بلکہ اُسے ایک تصور کی طرح پوجتا رہا مگر جونہی مہاتما بُدھ کو اشوکا نے اپنایا، سب سے پہلے دو گروپ بدھ مت میں بن گئے وہ ہنایان اور مہایان تھے۔ بدھ مت میں توحید پرستی تھی اور کوئی بت کی پرستش نہیں کرتا تھا مگر اشوکا کی قبولیت کے ساتھ ہی بدھ مت corrupt ہو گیا اور مہایان فرقے نے بتوں کی عبادت قبول کی اور ہندوؤں نے بدھا کو اپنے پیغمبر کے طور پر قبول کر لیا اور ایک دور کا نام بھی بدھستو اوتار رکھ دیا۔ اب یہ وہ صورتحال ہے جو باقی مذاہب میں بہت جلدی جلدی پیدا ہوئی مگر عرب اگرچہ مواحد تھے اور بڑے متقی اور سخت قسم

کے مواحد تھے، اسرائیلی مواحد تھے مگران میں ایک المیہ تھا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اب اللہ اتنا بڑا بھی تو نہیں ہے کہ سارے کام اکیلا ہی کرے۔ تو دو چار add کر لینے ٹھیک ہیں...... یہ اُن کا concept ہے۔

سوال:۔ یا علی مدد، مولیٰ علی مشکل کُشا، یارسول اللہ کیا یہ باتیں شرک کے زُمرے میں آتی ہیں قرآن اور حدیث کے حوالے سے اس پر روشنی ڈالیے۔ ساتھ ہی پوچھتے ہیں کہ آج کل جو پیروں، فقیروں اور اللہ کے ولیوں سے مدد مانگتے ہیں۔ اور مختلف جگہوں سے بیعت ہوتے ہیں کیا یہ جائز ہے اگر یہ جائز ہے تو آپ اپنے مریدوں کو کیوں بیعت نہیں کرتے؟

جواب:۔ کوئی میرا مرید ہوگا تو بیعت کروں گا...... اور دوسری بات یہ ہے صاحب......! کہ پکارنا بذاتہٖ کسی قسم کا کوئی crime نہیں ہے...... پکارنا...... تاریخ میں اس کو ہم dramatics میں کہتے ہیں کہ کسی پُرانے character کو اگر بُلانا ہو تو ہم اُسے پکار کہتے ہیں...... بعض اوقات dramatics میں یہ ہوتا ہے کہ ہم کسی بڑی قریبی ہستی کو جب ڈرامائی انداز میں پیش کرتے ہیں تو اسے ایک بالکل straight لہجے میں پکارتے ہیں۔ اب پکارنے میں تو کوئی حرج نہیں۔ باقی رہا کہ وہ مدد کرتے ہیں، جواب دیتے ہیں، وہ کیا کرتے ہیں؟ سچ بات آپ کو بتادوں کہ مجھے تو اس کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔

بعض اوقات یہ ساری چیخ و پکار ایک wasteful activity لگتی ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ یہ پکار تب جائز ہے، اگر اوپر والا آپ کی پکار نہ سنے۔ اگر اللہ نہ سنے اور اُسکا رسول ﷺ آپکی آواز نہ سُنے۔ میں نے آپکو مثال دی تھی کہ سلطان صلاح الدین نے جو murder کیا، جو قتل کیا، وہ اس نے اپنے رسول ﷺ کے نام کے reference کی وجہ سے کیا تھا کہ اس خاتون نے پکارا تھا: ''وا محمداہ''...... ! کہ یا محمد ﷺ آپ کہاں ہو......؟ ہماری خبر گیری کرو...... تو crusades کے سارے واقعے میں بڑے بڑے علماء نے یہ واقعہ لکھا مگر کسی نے یہ نہیں لکھا کہ یہ ''وا محمداہ'' پکارنا غلط تھا۔ یہ کسی نے نہیں لکھا، بلکہ مصیبت میں، کرب میں، تکلیف میں، اپنے کسی بڑے عزیز کو پکارنا بڑا natural لگتا ہے۔ اب اگلا جواب دے گا کہ نہیں دے گا، یہ اس کی مرضی ہے...... تو میرا خیال یہ ہے کہ اپنی different tendency ہوتی ہے، مجھے تو امید ہے کہ اللہ سے جواب مل جاتا ہے، اپنے رسول کی شفاعت نصیب ہو جاتی ہے اس لئے اگر اس level پر آنا ہو تو ٹھیک ہے، نہ آنا ہو تو بہر حال انکو کفر کی باتیں نہیں کہا جا سکتا......

اگر اس شخص سے جو یا علیؑ مدد کہہ رہا ہے، پوچھو کہ اللہ کون ہے؟ کتنے ہیں؟ تو وہ کہے گا: ایک...... اُس سے پوچھو کہ کیا علیؑ اللہ ہے، وہ کہے گا نہیں...... تو پھر اُس کے بعد اُس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگے گا مگر مانگنا، صدا دینا حدیثِ قدسی سے ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے فضاؤں میں معمولات میں موجود ہوتے ہیں۔ اُن کو رجالِ غیب کہتے ہیں اور جب کوئی شخص گم ہو جائے، اسکو رستہ نہ ملے یا کسی کو مدد نہ ملے تو یہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ وہ پکار کے کہے:

''اَعِینُونِی یَا عِبَادَ اللّٰہِ''

(اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔)

تو کوئی نہ کوئی پہنچ جاتا ہے اور مدد ہو جاتی ہے یہ حدیث نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے نقل کی جو کٹر اہلِ حدیث ہیں اور اس کی تصدیق یہ کی کہ دریائے نربدا میں میری بہلی پھنس گئی اور ہمارے پاس کوئی رستہ نہیں تھا اُس بہلی کو نکالنے کا، تو میں ساحل پر جا کر کھڑا ہو گیا اور پیچھے مڑے بغیر اونچی آواز میں یہ کہا: اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ پیچھے پلٹ کر دیکھا تو میرا سارا چھکڑا جو تھا، وہ ریت پر کھڑا تھا اور دریا سے نکل آیا تھا۔ یہ چونکہ نواب صدیق حسن خان کی شہادت ہے، جو اہلِ حدیث کے منبع و مرکز ہیں پاکستان میں...... اسی لئے آپ اُن سے تصدیق کروا سکتے ہیں۔

سوال: اللہ کے بارے میں اچھا گمان رکھنے میں کیا چیز رکاوٹ بنتی ہے؟

جواب: میرے اپنے شک و شبہات، میری اپنی بے یقینی...... میں تو اللہ کے بارے میں صرف اتنا جانتا ہوں

وہ کچھ اس طرح سے آئے مجھے اس طرح سے دیکھا
میری آرزو سے کمتر، میری تاب سے زیادہ

میں تو یہ جانتا ہوں کہ اللہ ہم سے پہلے ہمیں تلاش کرتا ہے جیسے بایزید بُسطامی نے کہا: ''جب میں نے اسے تلاش کر لیا تو مجھے پتہ چلا کہ وہ مجھ سے پہلے میری تلاش میں تھا''۔

خداوندِ کریم کو اس زمین پر کسی چیز کی تلاش تو ہے، ناں، ''مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِین'' تو ہے، ناں۔ یہاں ٹھہرو، کچھ فائدہ ہے۔ کچھ اللہ کا مقصد تو ہے، ناں، اس زمین پر...... کچھ لوگوں کو تخلیق تو کیا ہے، کچھ لوگوں کو تعلیم بھی دی ہے۔ اگر پوری تخلیقات سے ایک ہی مقصد مراد ہے:

''اِنَّا ھَدَ ینٰہُ السَّبِیلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُورًا'' (الدھر 3:76)

(بے شک ہم نے اسے راہ بتائی یا حق مانتا یا ناشکری کرتا۔)

کہ تمہیں سارا عقل و شعور ہی اسی لئے بخشا ہے چاہو تو ہمیں مانو، چاہو تو انکار کر دو......تو خواتین و حضرات! جس نے، voluntarily محبت و خوشی سے اللہ کو چاہا، اللہ کو پیار کیا، اللہ سے محبت کی...... کیسے......؟

"فَاذكُرُ واللهَ كَذِكرِكُم آبَآءَكُم اَواَشَدَّ ذِكراً" (البقرة 200:2)

(تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ......)

ایسے جیسے آباؤ اجداد کو یاد کیا...... جیسے اپنے پیاروں کو یاد کیا...... اپنے اہلِ محبت کو یاد کیا...... اگر کسی نے ایسے یاد کیا تو خدا اُس کو بھی تو محبت ہی لوٹا دیں گے۔ خدا اُس سے کیسے نفرت کر سکتا ہے جو شبِ درازِ تہجد میں اُس کے لئے آنسو بہا رہا ہے، خدا اُس سے کیسے پیچھے ہٹ سکتا ہے......؟

"فَاذكُرُونِىٓ اَذكُركُم وَاشكُرُولِى وَلَاتَكفُرُونِ" (البقرة 152:2)

(تو میری یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔)

اللہ پر کسی قسم کے عُجب کا، کسی قسم کے اجتناب کا گمان کرنا غیر انسانی ہے، غیر الٰہیاتی ہے۔ جب بھی اُسے چاہو گے میرا خیال ہے کسی اور کو تو یہ مصرعہ سوٹ نہیں کرتا لیکن اللہ کو تو ضرور کرتا ہے۔

میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

مجھے پکار کر تو دیکھو...... ورنہ اتنی زیادہ توبہ کی گنجائش نہ رکھتا۔ اگر اُسے آپ کی چاہت عزیز نہ ہوتی، آپ سے اُنس اور محبت نہ ہوتی، آپ کیلئے اسکا دامانِ رحمت کشادہ نہ ہوتا تو دو یا تین دفعہ سے بڑھ کر توبہ کا چانس نہ ملتا مگر یہ لاانتہا توبہ کے chances جو آپکو ملے ہوئے ہیں، سکرات تک اللہ کے حضور توبہ کر سکتا ہے تو کیا اللہ اُس سے نفرت کر سکتا ہے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ اللہ سے بدگمانی ہے اور کم از کم میری خواہش ہے کہ میرے احباب اس بدگمانی سے بچے رہیں۔ اپنا وجود، اپنا self کسی کو بیچ دیں کسی چیز کے عوض:

"اَللّٰهُمَّ اَلهِمنِى رُشدِى وَاَعِذنِى مِن شَرِّ نَفسِى"

(اے اللہ ہمیں الہام کر خیر اور ہمیں نفس کے شر سے بچا۔)

جب میں کسی کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں تو میری آرزو ہوتی ہے کہ میرا یہ اُستاد مجھے الہامِ خیر دے اور میرے نفس کے شر سے بچنے کی کوئی technology دے دے اور اس تمام سلسلے کے عوض کی میں اپنی آزادی، اپنے تمام کام کاج، اپنے مرشد کے ہاتھ بیچتا ہوں۔ اہلِ چشت کہا کرتے تھے کہ ہم بیعت کیلئے ضرور آپ کا سر منڈوائیں گے۔ پھر اُن سے پوچھا گیا کیوں سر منڈواؤ گے تو کہا

کرتے تھے کہ یہ قربانی کا اصول نہیں ہے کیا:

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ (البقرۃ 196:2)

اب ان کے پاس اچھا بھلا handsome بالوں والا نوجوان جاتا اور ٹُنڈ مُنڈ ہو کر واپس آ جاتا تھا...... ظاہر ہے کہ اب ایسا کوئی جوان نہیں ہے جس کو میں بیعت کرنے کے ساتھ اہلِ چشت کا اصول روا رکھوں۔ کوئی بھی آدمی بال اتروانا نہیں پسند کرے گا...... بلکہ الٹا میں تو ڈاکٹر ڈھونڈ رہا ہوں...... کہ کچھ گنجے سروں کو بال لگوا دوں......

میرے نزدیک بیعت مشورہ ہے...... اچھا مشورہ...... قرآن میں اللہ نے کہا ہے کہ جس نے اچھا مشورہ دِیا وہ ثواب میں شریک ہے، جس نے غلط مشورہ دیا، وہ اُس کی خطا میں شریک ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ بیعت کا مقصد بھی یہی تھا۔ لوگوں کو آزاد چھوڑنا چاہیے، اُن کو خود سوچنا چاہیئے...... میں انگلینڈ میں تھا تو ایک انگریز پروفیسر نے کہا کہ پروفیسر! Do you want me to convert آپ چاہتے ہو کہ میں دین بدل لوں؟ میں نے کہا......No میرے پاس تو بڑے مسلمان ہیں...... تم آؤ! تم انھیں convert کر کے لے جاؤ۔ کچھ آبادی کم ہو گی، ناں...... میں تو نہیں چاہتا کہ تم convert ہو۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم سوچو، تم غور کرو۔ آپ یقین جانیئے، کہ یہ کوشش جو ہم کرتے ہیں، سال کے سال کرتے ہیں، شب و روز کرتے ہیں۔ یہ اُس اُکساہٹ کے لئے ہے، جو آپکے ذہن میں پیدا ہو...... دین کے بارے میں جو تساہل ہے وہ ہٹ جائے اور آپ سوچو۔ اپنی زندگی کے مقاصد سوچو، فلسفہء ترجیحات پر سوچو۔ ہم کیوں آئے......؟ کدھر جائیں گے......؟ کتنا عرصہ یہاں ہے......؟ کتنا وہاں ہے......؟ سوچو......! میں سمجھتا ہوں کہ جس نے آپکو بہتر سوچ دے دی وہ آپکے ثواب میں شریک ہے۔ اپنے تجربے کی بناء پر، اپنے خیال کی بناء پر جس نے آپکو راہ راست کی سوچ دے دی وہ ایک بہتر اُستاد ہے نسبتاً اُس کے جس کی آپ نے بیعت کی اور اُس نے زندگی بھر اپنے آپکو بھی جاہل رکھا اور آپکو بھی مجہول رکھا......!

سوال: آپ نے اپنی کتاب ''پسِ حجاب'' میں لکھا ہے کہ دورِ حاضر کے کچھ معروف علمائے دین کی کوششیں لاحاصل ہیں تو پھر انھیں کیا کرنا چاہیئے؟ کیا وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں؟ اس بارے میں ذہن میں بہت اُلجھن ہے۔

جواب: اُن کو صرف مذہب پر ترس کھانا چاہیئے، اور بہت activities ہیں۔ اُن کو M.B.A کر

لینا چاہیئے ۔ بینک میں نوکری کر سکتے ہیں۔ بڑے کام ہیں کرنے کو...... وہ مجھے بھی یہ مشورہ دے سکتے ہیں، کہ افادیت کے لحاظ سے یہ فیصلہ ہو گیا ناں، کہ کون کس شعبے کو سُوٹ کرتا ہے۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ ان میں سے ایک کو میں نے اسی محرم کے زمانے میں دس پرت بدلتے دیکھا ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ He is a good actor . I think he should apply for Hollywood.

سوال: قرآن کے حوالے سے ولایت کی کیا حقیقت ہے؟ برائے کرم مجدد کے بارے میں کچھ فرمائیں۔ کیا آپکے خیال میں دورِ حاضر میں مسلم اُمہ کو ایک مجدد کی ضرورت ہے۔؟

جواب: جی ہاں!!! میرے خیال میں نہ صرف مجدد کی ضرورت ہے بلکہ شاید میرا گمان ہے، یقین بھی ہے کہ چونکہ وقت اس طرح کا ہے جیسے رسول اکرم ﷺ نے بتایا تھا کہ ہر صدی کے اوائل میں اور اواخر میں ایک اُمت کے مجدد کا ظہور ضرور ہوگا جو تعلیمِ دین کو ازسرِ نو revive کرے گا۔ اُس کو ابلاغ سے اور بہت ساری غلطیوں سے پاک کرے گا اور دین کے دونوں حصوں یعنی باطنی اور ظاہری کی وضاحت کرے گا...... تو مجدد کا تو کوئی وقت بھی ہو سکتا ہے اور کسی امت کے لحاظ سے..... مگر آجکل کے زمانے میں بڑا problem یہ پڑ گیا ہے کہ ابھی لوگ مجددؒ کو تلاش نہیں کر رہے!!!! لوگ مہدیِ آخرِ زمان کو تلاش کر رہے ہیں اور ابھی مسلمانوں میں ایک انتقام کا احساس پیدا ہو رہا ہے مگر وہ اس احساس کو لڑنا چاہتے ہیں...... میری feelings یہ ہیں کہ مسلمان باوجود ہر کمزوری کے لڑنا چاہتا ہے مگر اُس کو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہمیں لڑانے والا کون ہوگا...... obviously یورپ میں بھی اور مسلمانوں میں بھی...... ! یورپ تو ایک Anti-Christ کی خبر رکھتا ہے اور مسلمان ایک مہدیءِ منتظر کی تلاش میں ہیں...... اور جو مہدیءِ منتظر ہوگا اُس میں ایک نہیں تین offices جمع ہو جائیں گے کہ ولایت بھی شامل ہو جائے گی، وہ قطب الاقطاب بھی ہوگا، غوثِ زمانہ بھی ہوگا اور مجددِ وقت بھی ہوگا اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ کب ہوگا......؟ بقول قادری صاحب سات سو ساٹھ سال کے بعد ہوگا...... نہ وہ زندہ رہیں گے، نہ ہم زندہ رہیں گے......

سوال: پروفیسر صاحب شورش کاشمیری صاحب کا شعر ہے:

دشمن تو کئی ایک ہیں شہر میں شورش
احباب کے خنجر کا مزہ اور ہی کچھ ہے

یہ احباب کا خنجر ہے۔ ہارون رشید صاحب کا سوال ہے...... آپ نے گذشتہ صدیوں میں دانشوروں

کے کارناموں کا انکار کیا ہے۔ تخلیقِ انسان کے حوالے سے ابنِ مسکویہ کا تذکرہ ہم بہت سنتے ہیں جن کو علامہ اقبال نے بھی اپنے لیکچر میں quote کیا ہے۔ اس طرح اور بھی بہت سارے نام ہونگے۔ ہم کس طرح ان کے کارناموں سے انکار کر سکتے ہیں؟

جواب: خواتین و حضرات! سوال تو بہت اچھا ہے مگر میں جو سوال کر رہا تھا وہ، وہ سوال نہیں ہے...... ابنِ حیان نے کیمسٹری میں بڑا کام کیا۔ یوسف الخوارزمی نے الجبرا کو دریافت کیا، اُسی کے نام سے الجبرا مشہور ہے۔ ہمارے پاس سائنسدان ہیں...... میں وہ بات نہیں کر رہا تھا۔ جناب ہارون رشید صاحب سے التماس ہے کہ وہ میری اس بات پر غور کریں کہ میں مسلمانوں کی scientific inventions پر غور نہیں کر رہا تھا۔ میں تعلیماتِ قرآن کے ایک بحران کی بات کر رہا تھا، کہ وہ باتیں جو انیسویں اور بیسویں صدی میں اعدائے اسلام نے دریافت کیں، وہ تو قرآن پندرہ سو برس پہلے کہہ چکا تھا۔ مجھے شکایت ابنِ حیان سے نہیں ہے۔ جابر بن جابر سے نہیں ہے بلکہ مجھے تو اُن علمائے اسلام سے، دانش ورانِ اسلام سے، اُن اولیائے اسلام سے ہے جو قرآن کو پڑھتے رہے، مدتوں پڑھاتے رہے مگر انھوں نے قرآن کی آیات پر اعتبار نہیں کیا۔ اُس کے برعکس انھوں نے اعتبار کیا بطلیموس پر...... فیثا غورث پر...... انھوں نے اُن لوگوں پر اعتبار کیا۔ اگر وہ اُس وقت قرآن کی وضاحت کرتے ہوئے دُنیا کو بتا جاتے کہ دیکھو ٹولیمی یہ کہہ رہا ہے مگر میرا اللہ اور میرا رسول ﷺ یہ کہہ رہے ہیں، تو آج آپ کے نام سے وہ دریافتیں منسوب ہوتیں......

سوال: قرآن، توریت اور زبور آسمانی خدائی کتب ہیں پھر توریت زبور وغیرہ کیسے change ہو گئیں، اگر توریت وغیرہ تبدیل ہو چکی ہیں تو پھر علمی بحث میں ان آیات کو بطور reference کیونکر پیش کر سکتے ہیں؟

جواب: یہ بڑی معمولی سی بات ہے کہ ہم دیکھتے یہ ہیں کہ کتاب کے standard of judgement کیا ہیں؟ کتاب کیسے check کرتے ہیں؟ کیسے ہم اسکو پرکھیں گے؟ قرآن کا جو راوی ہے وہ خود اللہ ہے، زبانِ رسول اللہ ﷺ سے قرآن کا نزول ہوا ہے اور لفظ اللہ کے ہیں، اُن کی صداقت کا خود اللہ گواہ ہے، انسان گواہ ہے، زمانہ گواہ ہے اور آج تک اُس کی صداقت کی گواہی چلی آ رہی ہے۔ اگر بائبل کو دیکھیں تو بائبل میں ایک لفظ بھی directly طلوع نہیں ہو رہا بلکہ حضرت عیسیٰؑ کی جو تمام باتیں ہیں وہ حواریون نے نقل کی ہیں۔ پطرس، یوحنا، مرقس، متی لوقا...... یہ باتیں بتا رہے ہیں۔ باتیں بتانے اور carry کرنے میں ستر برس کا عرصہ لگا ہے۔ یہ

first hand informations نہیں ہیں۔ اس کے standardization میں ہمیں questions ہوتے ہیں۔ اسی لئے خداوندِ کریم کہتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ زمان و مکاں کے ساتھ ساتھ memory collapse کے ساتھ ساتھ بدلنے شروع ہوئے اور خدا خود الزام دیتا ہے:

''ثُمَّ یُحَرِّ فُونَهُ مِن م بَعدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُم یَعلَمُونَ ،'' (البقرۃ 75:2)

(پھر بدل دیتے تھے اسے خوب سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر۔)

کہ انہوں نے تحریف کر دی، مطالب بدل دیئے، نوعیت change ہو گئی، اس لئے ہم اُن پر اعتبار نہیں کرتے۔

سوال: یہ بہت ہی خوبصورت سوال ہے۔ سیدِ ہجویریؒ کا کیفیتِ اضطراب میں سماع سننا اور ان کے اُستاد کا یہ فرمانا کہ اگر تو نے اضطراب میں سماع ڈھونڈا تو تُو اگلی منزلِ فکر تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگلی منزل تک پہنچنے کے لئے کیفیاتِ اضطراب میں کیا کیا جائے؟

جواب: حضراتِ گرامی! تمام علمی حرکت میں ایک pattern of mind سے دوسرے pattern of mind کو جانے کا نام تصوف ہے۔ مگر جیسے ہم ایک درجہءِ علم سے دوسرے درجہءِ علم کو جاتے ہیں، دنیاوی فراستوں میں جاتے ہیں، یونیورسٹیوں میں، کالجوں میں جاتے ہیں تو جب یہ تعلیم ختم ہو جاتی ہے تو حصولِ خداوند کیلئے یا محبتِ الٰہیہ کیلئے، جب ہم ایک Mental stage جسے توقع یا مراد کہہ لو یا بے چینی یا اضطراب کہہ لو، جب ہم اُس stage سے آگے نکل جاتے ہیں تو پہلی stage کو conquest سمجھا جاتا ہے، فتح سمجھا جاتا ہے، اس پر رسوخ سمجھا جاتا ہے۔ اگر ہم وہ نہ حاصل کر سکیں تو ہم اُسی stage پر stuck up ہو جاتے ہیں۔ سید ہجویریؒ کا کہنا ہے کہ اگر خدا کی تلاش میں دنیاوی آلات کا آسرا لو گے تو پھر انہی مقامات پر قید ہو جاؤ گے اور اپنے حالات و قلوب سے آگے نہیں بڑھ سکو گے۔ اس لئے کہ تصوف ہر اس اگلی منزلِ عقل کا نام ہے جو آپ کو اللہ سے، عقل سے اور الہام ذات سے قریب کر دیتی ہے اور یہ بڑے اُستادوں کی صفات رہی ہیں، ماشآءَ اللہُ لا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ تصوف میں تمام مقاماتِ درجات مقاماتِ علمیہ ہیں اس لئے کہ قرآنِ حکیم میں بھی اللہ نے علم پر درجات رکھے ہیں:

''نَرفَعُ دَرَجٰتٍ مَّن نَّشَآءُ وَفَوقَ کُلِّ ذِی عِلمٍ عَلِیمٌ'' (یوسف 76:12)

(کہ جسے چاہتے ہیں بزرگ و برتر کرتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔)

سوال: سات زمینوں اور آسمانوں کے حوالے سے ابنِ عباسؓ کے الفاظ کے مطابق میں یہاں بھی ہوں اور وہاں بھی ہوں یعنی دوسری زمین پر بھی..... سوال یہ ہے کہ ایک ہی انسان مختلف جگہوں پر کیونکر ہوگا؟ کیا بنیادی جبلتوں کا فرق رکھا گیا ہے یا مختلف judgement of capacities کی بات ہے......

جواب: ڈاکٹر عبدالجلیل، استاد کی اجازت سے میں عرض کروں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ قرآن کی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ بالکل ایسے جیسے یہ سات آسمان ہیں ویسی ہی سات زمینیں ہیں اور اُن پر اللہ کا امر اُترتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ وہاں پر زندگی ہے، وہاں پر رسالت ہے، وہاں پر ساری accountabilities ایسے ہی ہیں جیسے یہاں ہیں...... اور آگے جو اُن کے الفاظ ہیں، تفسیرِ عبداللہ بن عباسؓ کے عربی addition میں کہ اگر میں تمہیں وہ سب کچھ بتا دوں تو تم ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ جو اُستاد نے بات کی، یہ اصل میں اشارہ ہے کہ شاید میں وہاں بھی موجود ہوں، یہاں بھی موجود ہوں......

Without any dispute Theoretical Physics میں یہ بات agreed ہو چکی ہے اور اس پر ماہرینِ Physics کا اتفاق موجود ہے کہ parallel universes موجود ہیں...... میں کہاں تک آپ کو explain کر سکوں گا I really don't know لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ parallel universes موجود ہیں اور دو parallel universes تک کوئی اختلاف نہیں ہے۔ Third parallel universe پر کچھ لوگ agree کرتے ہیں، کچھ نہیں کرتے۔ اس کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ہم یہاں بیٹھے ہیں، جیسے میں یہاں بیٹھا آپ سے بات کر رہا ہوں، ایسے ہی ممکن ہے کہ کسی اور dimension میں میرے ہی جیسا ایک آدمی بیٹھا...... ایسے ہی بات کر رہا ہو...... ممکن ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ مزید بات نہ کروں اور خاموش ہو جائے اور میں بات کرتا چلا جاؤں۔ اس کو explain کرنا، الفاظ میں لانا، phraseology میں لانا خاصا مشکل ہوگا۔ یہ terminology ایک special سائنس کی ہے۔ آپ اُس کو اس طرح یاد رکھ لیں کہ کائنات میں مختلف جہتوں میں اس ایک کائنات کی مزید مثالیں بھی موجود ہیں اور علامہ اقبال نے رحمۃ اللعالمین کی تفسیر بیان کرتے ہوئے بھی یہ اشارہ کیا کہ اگر کہیں کسی سیارے پر کوئی مخلوق ہوئی اور وہاں پر رسالت ہوئی تو خاتم النبیین اور رحمۃ اللعالمین ہونے کا مقصد یہ ہے کہ آقا ہی کی ذات

وہاں پر رحمۃ اللعالمین اور خاتم النبیین ہو گی۔ تو parallel universes بنیادی طور پر کائنات کی مثالی کائنات کچھ ایسی dimensions میں ہے، جو ہمارے فہم اور ادراک میں آنا ذرا مشکل ہے۔

سوال: امریکہ میں ایک خاتون نے نماز کی امامت کرائی اس حوالے سے کچھ بتایئے؟

جواب: ہم نے ویسے اُصولاً دیکھا ہے کہ ہماری تو ساری زندگی عورتیں ہی امامت کراتی ہیں مگر امامت میں فرق ہوتا ہے۔ ایک ظاہرا امامت، ایک باطنی امامت...... میرا خیال ہے کہ باطنی امامت تو اب بھی عورت کے ہاتھ میں ہے۔ ظاہرا کبھی کبھی گڑ بڑ ہو جاتی ہے......! اصل میں عورت کی امامت میں مجھے تو کوئی خاص فرق نہیں لگتا، بہر حال مرد اور عورت میں کوئی اس قسم کے اظہارات نہیں ہیں کہ کوئی عورت اتنی junior ہے کہ امامت نہیں کرا سکتی مگر ایک دو باتیں ضرور ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے مرد اور عورت میں ہیں کہ عورت اپنی امامت پر مستقیم نہیں رہ سکتی اور وہ کسی بھی طور پر ایک مستقل امام کا حق نہیں رکھتی تا آنکہ وہ اس عمر کو نہ پہنچ جائے جہاں اُس کی ظاہری کیفیات ختم نہیں ہو جاتیں، اس لئے اگر وہ اپنے جیسی عورتوں کی قیادت کرے تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے اور مردوں پر لازم بھی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بہت سارے مرد ایک عورت کی قیادت قبول نہ کریں مگر پاکستان میں جب سے پیپلز پارٹی کی حکومت ہے اور مرد جس طرح محترمہ بینظیر کی قیادت میں جان و من لٹائے ہوئے ہیں۔ اس سے تو لگتا ہے کہ یہ اُن کی امامت بھی قبول کر لیں گے اور ایسا اس قسم کا کوئی barrier ہمارے اندر نہیں ہے سوائے physical conditions کے کہ ایک عورت مستقل امام نہیں ہو سکتی۔

سوال: پاکستان کے روشن مستقبل کے حوالے سے لوگ بہت اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں لیکن آپ سے سوال ہے کہ موجودہ حالات کے تناظر میں پاکستان کے مستقبل کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: میرا خیال یہ ہے کہ پاکستان کا مستقبل ظاہرا تو بہت مخدوش ہے، چینی بہت مہنگی ہے اور ہر اچھی چیز جس پر خدانخواستہ ہمارا دل آ جائے ملک سے غائب بھی ہو جاتی ہے اور اگر آپ نے لیڈر بھی کوئی پسندیدہ چُن لیا ہو تو وہ بھی ملک سے غائب ہو جاتا ہے...... تو حالات ایسے ہیں مگر ملک میں سخت جانی بہت ہے، صبر بہت ہے، ہر قسم کے جبر و استبداد سہنے کے باوجود ملک قائم بھی ہے۔ ہر قسم کے حریف رکھنے کے باوجود ملک قائم ہے، دونوں طرف دشمنانِ اسلام کی

کثرت بھی ہے اور ملک محفوظ بھی ہے۔ تمام اندازِ مغرب اس کے خلاف ہیں، پھر بھی یہ محفوظ ہے۔ جب بھی تباہی کے قریب آتا ہے، اللہ میاں اِدھر اُدھر سے کوئی مددگار بھی ڈھونڈ لیتا ہے۔ جب بھی بھوکا، ننگا ہوتا ہے، اللہ میاں امریکہ کو ایک مصیبت ڈال دیتا ہے......تو لگتا تو ایسے ہی ہے کہ ہر مصیبت کے باوجود پاکستان ملائے اعلیٰ میں کسی کا لاڈلا ضرور ہے اس لئے بچ بھی جاتا ہے اور بچ بھی جائے گا......اور خواتین وحضرات! یہ بھی ممکن ہے کہ خدا کی مشیت میں یہ کسی کا عذاب بھی ہو، کیونکہ جو میرے علم میں ہے، جو میری معلومات میں ہے کہ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کا عذاب بنا کر سمیٹا ہوا ہے، محفوظ کیا ہوا ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا نعیم بن حماد نے اُسے quote کیا۔ کتابِ حمادی کی حدیث ہے کہ اہلِ ہند کے مسلمان سب سے پہلے اہلِ کفرِ ہند پر غلبہ پائیں گے اور انکے روساء اور امراء کو گرفتار کریں گے۔ پھر شام میں مریمؑ کے بیٹے کا ساتھ دیں گے۔ یہ ہے آپ کا مقدر......

سوال: ایران کے حوالے سے جو موجودہ حالات ہیں تو کیا آپ کے خیال میں اسرائیل یا امریکہ ایران پر حملہ آور ہوگا اور حماس کے مستقبل کو آپ کیسا دیکھتے ہیں؟

جواب: دیکھئے حماس پر تو ہر مسلمان کو توقع ہے جو اُن بدبختوں کی ذلتیں، جھڑکیاں سہہ سہہ کے امریکہ سے تنگ آئے ہوئے ہیں اور توقع تو ہے کہ شاید حماس غیرت وحمیت کا مظاہرہ کرے، کچھ stand لے مگر میں زیادہ hopeful نہیں ہوں۔ Frankly I tell you, I am not hopeful to Hammas کیونکہ بہر حال حماس وہ پورا ملک اور ساری قیادت امریکی گداگری تھی اور انھی کے مال پر چل رہے تھے۔ الفتح کو پہلے امریکہ سے مال مل رہا تھا۔ اب بھی میں نے دیکھا کہ One or two billion dollars have been paid by America to Alfatah or Hammas اور وہ انکار کر رہے ہیں تو اگر حماس غیرت مند ہے یا اپنی اہلیتوں پر گزارہ کر سکتی ہے، تو ابھی تو وقت باقی ہے۔ یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا کرے گی؟

اسرائیل کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ اُس کا تو مقدر ہماری ساری کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ پھر میں آپ سے وہی سوال کروں گا کہ آپ کتنا قرآن کو مانتے ہو اور کتنا رسول کو مانتے ہو اور کتنا بش کو مانتے ہو اور کتنا بلیئر کو مانتے ہو؟ یہ آپ پر depend کرتا ہے۔ But I know for sure, hundred percent I am sure that the day of Israel is close, very close...

سوال: اگر کسی کو السلام علیکم کیا جائے اور وہ جواب نہ دے۔ تو دوسری مرتبہ پھر السلام علیکم کہا جائے وہ پھر بھی جواب نہ دے تو اس کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا...... دو مرتبہ اگر کوئی جواب نہ دے السلام علیکم کا تو......؟ اُس کے بعد کیا کیا جائے؟

جواب: کچھ بھی نہیں ...... میرا خیال ہے کہ آپ تیسری مرتبہ اُسے سلام ہی نہ کرو اور کیا کرنا چاہئیے ......؟ بدقسمتی سے میں خود کئی دفعہ ایسی سوچوں میں گزرتا ہوں، یہ میرا Permanent guilt conscious ہے۔ سوچتا ہوا گزرتا ہوں۔ رستے میں کوئی آدمی سلام کرے تو دھیان نہیں جاتا، تو میں پھر اسی رستے سے سات دفعہ گزرتا ہوں کہ کاش مجھے وہ آدمی ملے اور اُس کے سلام کا جواب دوں، تو بعض اوقات آج کل جو مسائل لوگوں کو درپیش ہیں، جو فکریں لوگوں کو لگی ہوئی ہیں، جو اُداسیاں لوگوں کو لگی ہوئی ہیں لوگ اپنے خیالوں میں کھوئے کھوئے نکل جاتے ہیں۔ شہرِ ناپرساں ہیں، جیسے کسی جادوگر نے سحر کیا ہوا اور اُن کو نہ اِدھر کی ہوش نہ اُدھر کی۔ آپ ایک دو چھوڑ ہزار سلام کرو، اگلے کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کیا ہوا اور کیا نہیں اس لئے میرا خیال ہے کہ بہتر یہ ہے کہ ایک ہی دفعہ سلام کیا جائے...... جواب نہ آئے تو خاموشی سے کنارہ کرلیا جائے۔

سوال: آپکے ارشاد کے مطابق دو ہزار سال پہلے کے انسان اور آج کے انسان کے تہذیب و قوانین یکساں ہیں تو پھر تکمیلِ قرآن کیلئے کس شعورِ انسانی کی بلوغت کا انتظار تھا؟

جواب: آپ نے بہت اچھا سوال کیا مگر میں نے فطرت کی بات کی تھی کہ وہ فطرت جو مہذب ہوئی، اعلیٰ ترین انسان بننے کے قابل ہوئی، وہ تو آج بھی موجود ہے اور وہ فطرت جو پہلے مسخ ہوئی، اب بھی اُسی طرح مسخ ہو رہی ہے۔ قرآن دونوں قسم کی فطرتوں کو خطاب کرتا ہے...... ایک طرف اچھی فطرت کو اشارہ اور کنایہ کیلئے اُس کے پاس احکامات ہیں۔ دوسری طرف کسی بُری فطرت کو ڈرانے اور ڈھمکانے کیلئے اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔ قرآن basically مخاطب ہی فطرت انسان کو کرتا ہے اور اُس کو تلقین کرتا ہے۔ اسلیئے میرا خیال یہ ہے کہ دو ہزار سال پہلے کی بات ہو یا آج کی بات ہو۔ کسی چیز میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

سوال: کیا زمانہء امن کا یہ آخری سال ہے اور آپ خود کیوں کوئی ادارہ علم و تحقیق کا نہیں کھول لیتے؟

جواب: دونوں باتوں میں مجھے جواب ٹھیک سے نہیں آتے کیونکہ دونوں باتوں کے جواب future ہیں اور اللہ ان باتوں کو بہتر جانتا ہے۔ ادارے کی مجھے فکر تھی، کچھ عرصہ پہلے میں چاہتا تھا کہ ایک School of Religion & Sciences کی بنیاد رکھوں۔ میرے بہت ہی

عزیز مہربان بریگیڈیر ڈاکٹر صاحبان ہیں، انہوں نے مجھے آفر بھی دی کہ آپ اگر زمین لیں تو ہم یہاں پر اپنا میڈیکل کالج کھولتے ہیں اور خیال تھا کہ اگر اللہ نے ہمیں موقع دیا اور احباب نے ساتھ دیا تو ہم city of knowledge قائم کر لیں گے مگر شاید مجھے بہتر مانگنا نہیں آتا، لوگوں کو اچھا دینا نہیں آتا، اس لئے حساب برابر......اسی لئے میں یہاں ہوں......

سوال: اَلَستُ بِرَبِّکُم کس طرح ہوا؟ کیا کوئی میدان تھا جس میں سب روحیں اکٹھی کی گئیں اور کیا سب روحوں نے خدا کا وجود دیکھا ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! انسان کی formation پر بڑے اعتراض رہے اور ایک مستقل جنگ جو Darwinian concept میں، Biological concept میں، creativity میں اور انسان کی special creation میں مسلسل جاری رہی کہ ہم مخلوق نہیں ہیں یا یہ concept کہ انسان بندر کی ایک بہتر تربیت یافتہ شکل Darwinian ہے بلکہ آپ کو یاد ہوگا کہ اکبرالہ آبادی نے فرمایا کہ:

کہا منصور نے خدا ہوں میں
ڈارون بولا بوزنا ہوں میں
سن کے کہنے لگے میرے اک دوست
فکر ہر کس بہ قدر ہمت اوست

ادھر ہمارے علمائے اسلام نے اپنے آپ کو بندر سے مشابہت دینا بڑی توہین کا باعث سمجھا اور انھوں نے special creativity کی theory پر بڑا زور دیا۔ مگر خواتین و حضرات! دونوں theories میں اتنا تضاد نہیں تھا۔ جب خدا قرآن حکیم میں ارشاد فرما رہا تھا:

"وَماَ مِن دَآبَّةٍفِي الارَضِ"

(زمین پر کوئی ایسا ذی حیات نہیں ہے۔)

" وَلاَيَطِيرُ بِجَناَحَيهِ"

(اور فضائے آسمان میں کوئی ایسا پرندہ نہیں اُڑتا۔)

"اِلَّآاُمَمٌ اَمثَا لُکُم."

(مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں۔)

وہ تمہاری طرح اُمتیں ہیں، اُن کے خاندان ہیں۔ اُن کے origins ہیں۔ اُن کی

ابتدا ہے، جیسے تمہاری pedigrees ہیں، جیسے تمہاری posterity ہے، جیسے تمہارا ماضی ہے، جیسے تمہارا مستقبل ہے اسی طرح ان جانوروں کا حیات کے ہر pattern میں ایک processing ہے، ایک ترتیب ہے، عروج وزوال کی ایک داستان ہے۔ تبدیل و تغیر کی ایک داستان ہے، اللہ نے جہاں چاہا، تصرف فرمایا۔ جب دیکھا کہ کسی gene میں صلاحیت نہیں ہے ایک ماحول کو نپٹنے کی تو اُس میں صلاحیت پیدا کر دی اور اس مسلسل experimentation کے بعد حضرتِ انسان کو تخلیق فرمایا:

''لَقَد خَلَقنَا الاِنسَانَ فِی اَحسَنِ تَقوِیمِ " (التین 4:95)

(بے شک ہم نے انسان کو اچھی صورت میں پیدا کیا۔)

یہ زمین پر حضرتِ انسان کا وہ قافلہء زندگی ہے جو ایک single cell سے چلتا ہوا ایک perfect مخلوق تک پہنچا۔ Homo Habilus تک پہنچا۔ Erectus تک پہنچا۔ Homosapiens sapiens تک پہنچا مگر ڈارون ایک جملہ لکھ گیا تھا اپنی کتاب میں کہ اگر missing links نہ دریافت ہوئے تو یہ سمجھنا کہ میری theory غلط ہے۔ جو میں کہہ رہا ہوں، اگر اس کی تحقیق fossil سے کی گئی اور اگر fossils میں وہ missing links نہ نکلے، جن کی وجہ سے میں یہ build thesis کر رہا ہوں تو یہ سمجھنا کہ میری theory غلط ہے۔ اُس بچارے نے خود اعتراف کیا..... مگر اصل مسئلہ یہ نہیں تھا۔ اصل مسئلہ تھا مطابقت پیدا کرنا اُس حضرتِ انسان میں جو آدم کہلایا اور اُس انسان میں جسے آپ جانوروں کی بہتر شکل قرار دیتے تھے..... کہاں آ کے یہ وصال ہوا۔ یہ دونوں انسان کہاں ملے اور جسے آدمؑ کہتے ہیں، جو صاحبِ دماغ ہے، صاحبِ شعور ہے، جس نے آنکھ کھلتے ہی ''الحمدُ لِلّٰہ " پڑھا، یہ کون صاحب ہیں؟ یہ اچانک کیسے وجود میں آ گئے؟ special creativity کہاں سے آئی؟

خواتین وحضرات! ایک بہت بڑا missing link جو ان دونوں انسانوں میں ہے وہ مختصر سا ہے اور وہ link یہ ہے کہ انسان کا دماغ ایک دم کیسے بڑھ گیا؟ جب اس کے چچازاد کا total دماغ تین سو پچاس سی سی تھا، تو بھائی صاحب کا دماغ اچانک کیسے بڑھ گیا۔ اگر primate سے چلتی ہوئی، ابتدائے حیات سے چلتی ہوئی یہ مخلوق جو اکٹھی آ رہی تھی اور مختلف درجاتِ تخلیق سے گذرتے ہوئے ایک چمپینزی تک پہنچ گئی تھی پھر یہ کیا حادثہ ہوا کہ ایک دم قبلہ حضرت انسان کا دماغ دو ہزار سی سی کو چلا گیا، انیس سو سی سی کو چلا گیا؟؟؟

خواتین وحضرات! اب بھی بعض لوگوں کے دماغ واپس چمپینزی کے سائز کو چلے جاتے ہیں تو اس میں دو thesis آئے۔ ایک اللہ کے کسی ولی کا تھا اور دوسرا کسی ذہین آدمی کا تھا، یوں سمجھئے ایک top intellectual of the time تھا، دوسرا top scientific thinker of the time تھا۔ تو وہی اللہ نے کہا کہ انسان کو بنا کر اللہ اسے پچاس ہزار سال دیکھتا رہا یعنی اُس Homo Habilus کو بنا کر، اُس انسان کو تخلیق کر کے خدا پچاس ہزار سال اسے دیکھتا رہا پھر نا گہاں اس پر تجلی فرمائی اور یہ حضرتِ انسان سوچنے والا ہو گیا۔ یہ اُس اللہ کے ولی نے کہا۔ زمانوں کی ترقی سے گزرتے ہوئے W. Durant نے بالآخر اس missing link کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ شاید ایسے لگتا ہے کہ انسان بڑی مدت ایک dormant stage میں پڑا رہا، پھر Somewhere from the outer skies, some where from above a very heavy electric charge came in his mind and it increased in weight اس کا سائز بڑھ گیا. جونہی اس کے دماغ کا سائز بڑھ گیا، یہ انسان سے آدم ہو گیا، یہ Homo Sapien ہو گیا۔ بستیاں بسائیں، بچوں کی حفاظت کی، ترقی کرتا ہوا آج کے انسان کے مراتب تک پہنچا۔

خواتین وحضرات! یہ electric charge جو کچھ بھی تھا، ایک حدیث یہ واضح کرتی ہے کہ یہ کس form میں تھا۔ جب اس سے خطاب کیا گیا...... یہ حدیث بہت ہی اعلیٰ پائے کی ایک عقلی حدیث ہے جس کی طرف بہت کم لوگوں کا دھیان جاتا ہے کہ حضرتِ آدمؑ کو اللہ نے اُن کی ذرّیت اُن کی ہتھیلی پر دکھائی اور یہ چمکدار ذروں کی شکل میں تھی۔ ان میں کچھ ذرے سیاہ تھے اور کچھ ذرے سفید اور چمکدار تھے، پھر حضرتِ آدمؑ نے سوال کیا...... بتایا گیا کہ یہ تیری نسل سے وہ لوگ ہیں، یہ خاکستر ذرے، یہ تاریک ذرے، جو جہنم میں جائیں گے اور یہ ذرے وہ ہیں جو جنتی ہیں جو خدا کو ماننے والے ہیں۔ اس سے ہمارا ذہن ایک نئی جہت لیتا ہے۔ اک نیا رُخ لیتا ہے کہ جب اللہ نے total انسانی مخلوقات پیدا کیں تو ان کو As a finest micro chip کی صورت میں رکھا گیا جیسے وہ ریت کے ذرے ہوں اور اُن میں inherent ایک سوال کا جواب ودیعت فرما دیا۔ اُس chip میں ایک سوال رکھا اور اُس کا جواب ودیعت فرما دیا۔ اُس chip کے record پر آیا کہ Whenever somebody will ask the question about God... تو اسے اسکا پتہ ہو کیونکہ اللہ یہ سوال پوچھ چکا تھا۔ وہ جواب دے چکے تھے کہ:

" اَلَستُ بِرَبِّکُم ط قَالُو بَلٰی ......" (الاعراف 172:7)
(کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، سب بولے کیوں نہیں ......)

اب اُس chip میں ڈال کر اللہ نے اُسے آدم کے وجود میں رکھ دیا۔ یہ ہی وہ عقل تھی، وہی ذہانت تھی، یہی وہ کائناتِ انسان تھی...... آپ کو معلوم ہے کہ chip ایسی چیز ہے کہ اُس کے وجود پر دس ہزار وجود بھی ڈال دو تو وہ micro-processive chip وہی رہتی ہے اور ویسے ہی function کرے گی جیسے اُسے کرنا چاہیئے صرف وجود بدلنے سے اُس chip کی کارکردگی نہیں بدلتی۔ اب یہی chip جو اس وقت میرے وجود میں ہے، جو اَلَستُ بِرَبِّکُم کا جواب دے بیٹھی ہے...... مصروفیاتِ دنیا کی وجہ سے، شہواتِ ارضیہ کی وجہ سے، involvement کی وجہ سے، outgrowth نہ ہونے کی وجہ سے مسلسل ایک خطرے سے دو چار ہے کہ اس chip کی memory سے کہیں وہ غائب نہ ہو جائے، eliminate نہ ہو جائے، وہ memory delete نہ ہو جائے جو اس میں دفن ہے!!!

عموماً دیکھا گیا ہے کہ جوانی میں، pressure میں، وہ memory 'delete ہو جاتی ہے، مگر جب عمر بڑھتی ہے، چالیس برس کے ہوتے ہیں، جب بڑھاپا شروع ہونے کو ہوتا ہے، جب دانت گرنے لگتے ہیں، کان ختم ہو جاتے ہیں تب بابا جی کو وہ chip یاد آ جاتی ہے اور پھر وہ اَلَستُ بِرَبِّکُم کے جواب میں دوبارہ ارشاد فرماتے ہیں: قَالُوا بَلٰی ......

میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے خواتین و حضرات! کہ ہمارے اندر یہ باریک ترین chip جو حدیث کے مطابق پتہ نہیں ایک ذرہ ریت سے بھی کتنی باریک ہے۔ ایک latest ایجاد کے مطابق computer موجودہ سائز سے ایک billion سائز چھوٹا ہو سکتا ہے، تو آپ غور کر سکتے ہو کہ اللہ کی یہ تخلیق کتنی delicate، کتنی باریک اور کتنی well-processed ہو گی!!!

سوال: آپ نے تحفظ ناموس رسالت کے تحت تمام Danish اور یورپین اشیاء کا بائیکاٹ کرنے کی تلقین فرمائی مگر اپنے تمام مہمانان کو Nestle کا پانی پینے کو دیا۔ ایسا کیوں؟

جواب: ڈاکٹر عبدالجلیل، Nestle اوّل تو سوئٹزرلینڈ کا پانی ہے، ناروے اور ڈنمارک کا نہیں ہے اور دوسرا پروفیسر صاحب کا کہنا یہ تھا کہ کوشش ہمیں یہ کرنی چاہیئے کہ اگر ہم اس situation میں بجائے کسی تشدد کے اگر عقل سے اور ایک تعمیری سوچ سے، اس کا جواب دے سکیں تو اسکا بہتر جواب جو یورپ اب سمجھتا ہے وہ صرف economics ہے۔ اگر

economics میں اُن کیساتھ ہم compete کریں اور اگر اُن کو یہ احساس دلائیں کہ ہم لوگ ایک زندہ اور سوچنے والی قوم ہیں اور اگر ہمارے رسول ﷺ کے بارے میں آپ کوئی ایسی بات کرو گے۔ جس پر آپ معذرت خواہ نہیں ہونگے تو یہ ہمارا حق ہے کہ ہم آپکی چیزیں لیں یا نہ لیں۔ پروفیسر صاحب کے مطابق جو ہمیں بالکل کرنا چاہیے کہ ایک قوم کی حیثیت سے ہمیں یہ حق ہمیشہ رہنا چاہیے کہ ہم کبھی بھی کسی چیز پر compromise نہ کریں اور خاص طور پر اُس وقت جب کہ economic war کی situation میں امریکہ، یورپ، برطانیہ ہر کوئی ہمارے ان natural resources پر قبضہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ اس لئے ہم سب لوگوں کو as a nation اسلام کے نام پر اکٹھا ہو کر ان لوگوں کو وہی چیز جو ان کی سمجھ میں زیادہ آتی ہے، اُسی کے مطابق ان سے بات کرنی چاہیئے۔

سوال: موجودہ عہد میں اطمینانِ قلب نہیں ہے یہ دوست اس کو یوں پوچھ رہے ہیں کہ حدیث مبارک ہے: کہ اسلام وہ ہے جس پر دل اطمینان پکڑے۔ ہمارے پاس سب کچھ ہے۔ مگر اطمینان نہیں ہے ہم نے کیا کھو دیا ہے۔ اطمینان یا اسلام...... بعض اوقات دل بہت آزردہ ہوتا ہے لیکن اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ ایسے میں کیا کیا جائے؟

جواب: خواتین وحضرات! یہ سوال ایک individual کا ہے جو شاید اپنی حالت بیان کر رہا ہو۔ میرا خیال ہے کہ پچھلے چالیس برسوں سے میں نے کوئی دو دن اُداسی کے نہیں کاٹے، اُداسی سے مراد...... یہ میں نہیں کہتا کہ میں خوش رہا یا I always kept jumping with joy ایسی کوئی صورتحال نہیں ہوئی، مگر میں نے غالباً depression نہیں دیکھی، اُداسی نہیں دیکھی اور اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ میرے اندر اُس خیال کو کوئی مٹا نہیں سکا اور دنیا کی ساری طاقتیں ملکر بھی اس کو نہیں مٹا سکیں جو میں نے اپنے اندر محبت وانس کی ایک فضا اللہ کیلئے پیدا کی تھی یا خدا کی شناخت کیلئے جو جدوجہد کی تھی وہ کبھی خطرے میں نہیں پڑی۔ مجھے یہ یقین نہیں آتا کہ ایمان اتنا کمزور بھی ہو سکتا ہے!!! میرا خیال یہ ہے کہ اگر آپ نے تھوڑی سی محنت کی ہو اللہ کو جاننے میں سوچنے میں سمجھنے میں اُس کی دوستی ومحبت میں...... تو مدتوں کی دریافت کے بعد یہ تین اصول ہیں جو دل کی دنیا کیلئے میں نے مرتب کئے تھے کہ سب سے پہلے مرحلے میں آپ نے اپنے آپ کو یہ سبق دینا ہوتا ہے...... یہ ہو سکتا ہے کہ میں کمزور پڑ جاؤں، آپ کمزور پڑ جائیں، ہو سکتا ہے کہ متعدد مرتبہ ہماری یہ ترجیح خراب ہو، ہم اس قابل نہ رہیں کہ اپنی ترجیح کو solidly تھام سکیں مگر

آپ یقین جانئے کہ جس دن آپ اپنے دل کو یہ کہہ دو گے کہ اللہ میری ترجیح اوّل ہے تو زمانے کی، خدا کی، اُس کے معاملات کی، اس کی تخلیقات کی جنگ آپ سے ختم ہو جائے گی۔ جب آپ یہ کہہ دو گے: اے پروردگار! میں وعدہ کرتا ہوں، میں وعدہ کرتی ہوں کہ آج کے بعد جہاں تک میری استطاعت ہے میں آپ کو ترجیح اوّل سمجھوں گا یا سمجھوں گی۔ میں کوشش کروں گی کہ اپنی استعداد کے مطابق تیرے احکامات کے مطابق وقت گذاروں تو آپ یقین کیجئے کہ اللہ کی طرف سے ہر قسم کی جبر و تشدد کی روایت ختم ہو جائے گی، حالات کے تشدد کی روایت ختم ہو جائے گی، واقعات کا تنزل ختم ہو جائے گا اور یہ اس لئے ہوگا کہ صرف یہی چیز اللہ کو آپ سے چاہیئے کہ عقل و شعور اور معرفت سے آپ خدا کو قائل کر دو کہ اے میرے مالک و کریم! میں نے آپکی دی ہوئی عقل کا حق ادا کر دیا اور اس عقل کے نور میں، اس روشنی میں، میں نے یہ جانا ہے، سوچا ہے، سمجھا ہے کہ تو ہی ترجیح اوّل ہے اور تیرے بغیر کوئی موجودِ کائنات نہیں، تیرے بغیر کوئی معبودِ کائنات نہیں، تیرے بغیر کوئی مقصودِ کائنات نہیں۔

جب ذہنی طور پر آپ یہ مسئلہ حل کر لیتے ہو تو خدا کو آپ سے چڑ نہیں آتی۔ خدا کو آپ سے گریز نہیں ہوتا اور دوسری بات خواتین و حضرات! اس ترجیح کو قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے جیسے پہلے بھی میں نے شعر میں کہا تھا کہ آپ کو خدا کو بتانا ہے کہ اے مالک و کریم!!!

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

اس غفلتِ خیال کو روکنے کیلئے ہمیں لازم ہے کہ اپنے ان مضبوط معمولات میں جو ہم کرتے ہیں اور اُس طریقہ کار میں جو ہمارا ہے، ہمیں کچھ add کرنا ہوگا۔ وہ یہ کہ اے اللہ! جیسے میں صبح و شام دوسرے مشاغل کو اختیار کرتا ہوں یا کرتی ہوں، جیسے میں اپنی جبلت کی خوشنمائی کیلئے انداز اختیار کرتا ہوں کرتی ہوں، جیسے میں اپنے وجود کی آسائش کیلئے انداز اختیار کرتا ہوں، اے میرے پروردگار! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ شب و روز میں آپ کی یاد کو کبھی نہیں بھلاؤں گا۔

خواتین و حضرات! تسبیح چھوڑنا آپ آسان سمجھتے ہو، اللہ کے ذکر کو آسان سمجھتے ہو، جب آپ ذکر کرتے ہوئے ذکر چھوڑتے ہو تو اللہ سوال کرتا ہے اپنے بندے سے کہ میرے بندے آج مجھ سے کیا چیز عزیز تر ہوئی کہ تو مجھے یاد کرنا بھول گیا۔ خدا یہ سوال کرتا ہے اپنے بندے سے کہ کھانا تو تُو نے اُسی طرح کھایا، لباس تو اُسی طرح پہنا، اندازِ معاشرت تو اُسی طرح رہے،

اندازِ معیشت بھی اُسی طرح رہے لیکن آج کیا قیامت تجھ پر آ گئی کہ تُو اپنی top priority ہی بھول گیا، تُو مجھے ہی بھول گیا، جس کا یہ سب کچھ تھا۔ یہ عقلی طور پر سب سے بڑا حادثہ ہے جو عقلِ انسان پر گزرتا ہے۔ جب ہم اپنی ترجیحات کو غیر مرتب پاتے ہیں، جب ہم اپنی ترجیحات میں غلاموں کو آقا پر فضیلت دیتے ہیں۔

خواتین و حضرات! دیو جانس کلبی دھوپ میں بیٹھا ہوا تھا Elexander the Great اُسکے پاس سے گزرا تو دیو جانس سے اُس نے کہا کہ اے درویش! تیری شہرت بڑی سنی ہے، تو تُو کیا مانگتا ہے۔ Diogenes نے کہا کہ میں اپنے غلام کے غلام سے کیا مانگوں، تو سکندرِ اعظم نے کہا کہ یہ تُو نے کیا کہا ہے، میں بادشاہِ وقت، فاتحِ عالم..... تُو مجھے کہتا ہے کہ تُو میرے غلام کا غلام ہے...... اُس نے کہا: ''اے بادشاہ! میں نے اپنے اللہ کے لئے اپنے خدا کیلئے اپنے نفس کو اپنا غلام کیا اور تو نے اپنے وجود کیلئے اپنے نفس کو اپنا آقا کیا..... تو میرے غلام کا غلام ہے، میں تجھ سے کیا مانگوں''؟ تو بادشاہ اتنا متاثر ہوا اور کہا: ''درویش حکم کر میں تیری کیسے خدمت کروں!'' اُس نے کہا: ''اے بادشاہ! اس وقت سردی ہے اور میں اللہ کی بھیجی ہوئی ایک نعمت سے لطف اندوز ہو رہا ہوں، کیا کرم ہو جو تو دھوپ سے پرے ہٹ جائے''......

خواتین و حضرات! یہ وہ ترجیحات ہیں کہ جب آپ اُسے maintain کرتے ہو اللہ کے ساتھ تو وہ آپ کو ایک چیز لوٹا دیتا ہے...... وہ چیز جو میرے اور آپکے بس میں نہیں ہے، وہ آپکو اعتدال لوٹا دیتا ہے۔ جب وہ آپ کا اعتدال لوٹا دے گا تو نہ fears ہونگے، نہ frustration ہونگے۔ خدا کا وعدہ ہے کہ جب آپ اُسے یاد کرتے ہو تو آپ اُس کے دوست ہو۔ جب آپ اُسے یاد کرتے ہو تو آپ اُس کی محبت کے طلبگار ہو۔ جب آپ اُس کی یاد کرتے ہو تو وہ بھی آپکو یاد کرتا ہے اور جب یہ رشتہ قائم ہو جائے تو پھر خدا کا آپ کو عذاب کرنا......؟

''مَا یَفعَلُ اللہُ بِعَذَابِکُم''

(ہمیں کیا پڑی ہے آپ کو عذاب کریں۔)

''اِن شکَرتُم وَاٰمَنتُم''

(اگر تم ہمیں یاد کرنے والے ہو۔ ہم پر صاف ستھرا ایمان رکھتے ہو۔)

یہ خوبصورت انداز جو آپ سے تخاطب کا اللہ نے اختیار کیا کہ بھئی! ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم تمہیں عذاب کریں۔ وہ تکلیف و عذاب کو دور کرنے کا اصول بتا رہا ہے اور وہ اصول یہ ہے:

''اِن شَکَر تُم وَاٰمَنتُم وَکَانَ اللّٰہُ شَا کِرًا عَلِیمًا '' (النساء 147:4)

اللہ تو ہر حال میں شکر قبول کرنے والا ہے، وہ علم والا ہے، وہ نیات کا پرکھنے والا ہے، وہ ظاہر و باطن کا دیکھنے والا ہے۔ جب آپ اُسے اخلاص سے ترجیحِ اوّل قرار دو گے، اُسے اللہ مانو گے تو وہ اُس کے جواب میں آپ کو سکینت لوٹا دے گا، سکونت لوٹا دے گا، اعتدال لوٹا دے گا، محبت و کرم لوٹا دے گا...... مسائل پھر بھی آئیں گے، کچھ نہ کچھ مصیبت آتی ہے۔ مگر وہ آپکے باطن کو ہلا کر نہیں گزرے گی، آپ پر زلزلے نہیں برپا کرے گی، آپ کو شوگر میں نہیں مبتلا کرے گی، گردے نہیں فیل کرے گی بلکہ خداوندِ کریم کے فضل و کرم سے ٹل جائے گی، بالکل نکل جائے گی۔ اعتدال کا دوسرا مطلب قرآن کی وہ آیت ہے جس میں اللہ نے اپنے دوستوں کو مخاطب کر کے کہا:

'' اَلَآ اِنَّ اَولِیَآ ءَ اللّٰہِ لاَخَوفٌ عَلَیھِم وَلاَ ھُم یَحزَنُونَ '' (یونس 62:10)

(بے شک اللہ کے دوستوں پر نہ خوف ہوتا ہے اور نہ حزن۔)

خبردار سن لو! ہم کوئی ایسے ویسے نہیں ہیں، ہمارے دوست بھی ایسے ویسے نہیں ہیں، میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ ہمارے دوست وہ ہیں جو psychologically اور mentally اتنے positive ہیں کہ خوف اور غم اُن کے کبھی قریب نہیں جاتا اور یہی منزل مراد ہے۔

سوال: ایک فرد اپنے جمالیاتی شعور کو، ذوق کو اتنا بلند کس طرح کر سکتا ہے کہ وہ اللہ کی خوبصورتی کو کسی بھی درجے میں سمجھ سکے؟

جواب: خواتین و حضرات! بہت سارے مصرعوں میں، بہت سارے اشعار میں، ایک انائے پسندیدگی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ کبھی میں نے بھی ایک شعر لکھا تھا، جگر کا بھی ایک شعر آپ کو سناتا ہوں۔ ہر انسان کے اندر ایک خود پسندی کا، انائے ذات کا ایک طنطنہ ہے، اُس کا ایک ذوق ہے، حتیٰ کہ ہم شائستگی کی دنیا میں بھی classics کے mannerism رکھتے ہیں تو جگر مراد آبادی نے کہا کہ:

کوئی حسیں حسین ٹھہرتا نہیں جگر
تنگ آگئے بلندیء ذوقِ نظر سے ہم

جب ہم اپنی انائے علمیہ اور انائے ذات کو دیکھتے ہیں...... تو بہت شروع میں میں نے ایک شعر لکھا ہے۔ اُس حالت کی عکاسی کیلئے بیان کرتا ہوں، اپنے آپ کو شاعر نہیں بیان کر رہا......

میں خود پرست کسی پر نثار ہو نہ سکا
میری نظر میرے دل ہی میں آ کے ڈوب گئی

خواتین وحضرات! جب آپ ذہنی ترفع کو جا رہے ہوتے ہیں، تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک اچھے ذہن والا انسان اتنا ناز کر رہا ہوتا ہے...... ایک شاعر جس کو دو چار مصرعے ٹھیک لکھنے آتے ہیں، اُس کے طنطنے کا یہ عالم ہے کہ وہ مخلوق میں سے اِدھر اُدھر دیکھے بغیر گزرتا ہے...... تو ذوقِ نظر بہت ساری چیزوں سے نکلتا ہے: خوشبو سے، لباس سے، نظر سے، وجود سے نکلتا ہے...... پھر اس کے معیار مقرر ہوتے ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ عقل ذوق نظر میں چناؤ اور انتخاب کی بنیاد بن جاتی ہے اور وہ جتنی refined ہوتی ہے intellectual capacity سے اُس کا ذوق نفیس تر ہوتا جاتا ہے۔

خواتین وحضرات! پھر ایک وقت آتا ہے کہ تخلیقاتِ دنیا میں عقل کو کوئی چیز پسند ہی نہیں رہتی ...... وہی بے چینی، وہی اضطراب، وہی بے قراری...... کسی چیز کو ڈھونڈ رہا ہوتا ہے انسان...... صحرا میں جیسے تنہا مسافر کھڑا ہو، جہاں رستوں کے نشان بھی نہیں ہوتے، عجب اُداسی سی محسوس کرتا ہے، خوف وخطرہ والی اُداسی...... اسی طرح جب انسان intellectually تنہا ہوتا ہے تو کسی معیت کی، کسی دوستی کی تلاش میں اُس کے ذوق نظر میں کچھ اور تلخی اور بلندی آ جاتی ہے۔ یہ وقت وہ ہوتا ہے جب اللہ اُس کی طلب کے خلا کو پُر کرتا ہے اور یہاں سے بندہ اپنے خدا کی تلاش میں شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد تمام واقعات وصال وفراق کا واقعہ ہیں۔

سوال: تصوف کے تمام معیارات عقلی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو صرف بہترین عقل سے پہچانا جا سکتا ہے۔ عقل کیا ہے؟ وہ کیا نسخہء کیمیا ہے کہ عقل بڑھتی ہوئی بہترین عقل بن جائے اور ہم خدا کو پہچاننے کے قابل ہو جائیں۔

جواب: خون کے رگوں میں چلنے کا شعار کیا ہے؟ یہ زندگی بخش کیوں ہے؟ اس کی جگہ دودھ کیوں نہ ڈال دیا؟ اِدھر سے کُپی ڈالتے دودھ کی سارا دن چلتا رہتا...... کسی بھی چیز کا آخری سوال ''کیوں'' ہے۔ ''کیوں'' کا سوال یہ ہے کہ تمام مراتبِ صلاحیت اس میں اپنے آپ نہیں پیدا ہوئے، کسی نے ڈالے ہیں۔ اس کو انداز کسی نے سکھائے ہیں۔ یہ سوال کبھی حل نہیں ہو سکتا کہ فلاں چیز کیوں ہے، بادام، بادام کیوں ہے؟ یہ ذائقہ کس نے سوچا تھا؟ کس نے اس کو چکھا تھا؟ کس نے اس کو دیا تھا؟؟؟ زندگی میں اور زندگی کے بعد تمام لاینحل سوالوں کا جواب صرف ایک

ہے اور وہ اللہ ہے...... curiosity کے بڑے بڑے gap دور کرنے والی صرف ایک ذات ہے، صرف ایک نام ہے اور وہ اللہ ہے:

اَمَّن یُّجِیبُ المُضطَرَّ اِذَا دَعَا ہُ

(کون ہے جو اضطراب میں مضطرب کی دعا سنتا ہے۔) وَ یَـکشِفُ السُّــوْءَ تمہارے اٹکے ہوئے مسائل اور تمہاری گھری ہوئی مشکلات کو آسان کون کرتا ہے؟ تمہاری کشاد کون کرتا ہے؟ تمہاری بستگی کون وا کرتا ہے؟

" وَیَجعَلُکُم خُلَفَآ ءَ الاَرضِ "

اور زمین پر تمہیں عزت کے مقام کون دیتا ہے؟ خلیفۃ اللہ کون بناتا ہے؟ تمہیں کون باقی جانوروں سے اُوپر اُٹھاتا ہے......"ءَ اِلٰــہٌ مَّعَ اللہِ "اللہ ہی تو ہے۔"قَـلِیلاً مَّـا تَـذَ کَّـرُونَ " (النمل 62:27) مگر تم اُس کو یاد بہت کم کرتے ہو، تم نصیحت بڑی کم پکڑتے ہو، تم اُس بات کو جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے......اس فلسفہء خیال کو......اس کی طرف جاتے ہی نہیں ہو، نتیجہ یہ ہے کہ بہت سارے انسان، بہت سارے مرد، بہت ساری عورتیں، خودشناسی سے بھی محروم رہ جاتی ہیں اور خداشناسی سے بھی محروم رہ جاتی ہیں۔

سوال: ہم سات، آٹھ سال کی عمر کے بچے کو قرآن حفظ کرنے کیلئے مدرسے میں داخل کر دیتے ہیں، تو اُس کا اتنا شعور نہیں ہوتا کہ وہ اُس وقت قرآن کو سمجھ سکے اور آپ کا بھی کہنا ہے کہ قرآن عبادت کے طور پر پڑھنے سے زیادہ سمجھنا چاہیئے۔ یہ عمر جس میں ہم بچے کو مدرسے میں پڑھنے کیلئے بھیج دیتے ہیں، کیا یہ مناسب ہے؟

جواب: مناسب ہے مگر اس کا تعلق علم سے نہیں ہے۔ اصول تو وہی ہے جو اللہ کریم نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سلسلے میں دیا...... آج تک لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ام المومنینؓ کو صدیق اکبرؓ نے خلوص سے، محبت سے دے دیا، مگر دراصل اُس کے پس منظر میں بھی کوئی بات تھی...... ایک حضور ﷺ کی زندگی تھی، تین چوتھائی زندگی تھی، ایک عائلی زندگی تھی، مسائلی زندگی تھی، خواتین کو سبق دینا تھا، مردوں کو دینا تھا، ازدواج کو سبق دینا تھا، بہت ساری معلومات رسول اللہ ﷺ کی زندگیوں کی محفوظ کرنی تھیں اور وہ خواتین جو بڑی تھیں، اُن کی memory losses ہو چکے تھے، وہ اپنے اپنے خیالات میں پختہ ہو چکی تھیں۔ اللہ کو ضرورت پڑی ایک چھوٹی لڑکی کی...... تازہ memory والی، شناخت والی، مکمل یادداشت والی، husband سے proper

committment کرنے والی......اس لئے اُم المومنین حضرت عائشہؓ کو چنا گیا۔

خواتین وحضرات! وجہ یہ ہے کہ memory پر جب زیادہ pressure نہ ہوتو وہ خدا کے کلام کو بڑی آسانی سے حفظ کر لیتے ہیں۔ حفظ کرانے سے مراد اُس کو عالمِ دین بنانا نہیں ہوتا۔ حفظ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ آج اگر میں کوشش کروں، قرآن کو یاد کرنے کی اور میرا دل بھی چاہے اور میں کوشش بھی کروں تو آج میرے لئے قرآن یاد کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا اس لئے کہ صبح وشام کی مصروفیات، بہت سارے معمولات میں میرا دخل، بہت ساری میرے ذہن کی پیچیدگیاں اس یادداشت میں حائل ہو جائیں گی۔ میری memory 'suffer کرے گی اور ایک چھوٹا لڑکا، صاف ستھرے ذہن کے ساتھ ایک مہینے میں بھی قرآن یاد کرسکتا ہے۔ میں شاید ایک سال میں ایک سپارہ نہ یاد کرسکوں تو اُس لحاظ سے مسلمانوں کا اپنے بچوں کو حفظ کروانا کوئی بُری بات نہیں ہے مگر آج کل کے زمانے کی شدتیں دیکھتا ہوا میں یہ ضرور کہوں گا کہ بچوں کو ایسے ماحول میں جن کی شہرت corruption کی ہو اور ایسے لوگوں کے پاس جو تقدس کے لباس میں بھیڑیئے ہوں اور بچوں کی شخصیتیں خراب کرنے والے ہوں، اپنے بچوں کو احتیاط اور غور وخوض کے بغیر حفظ کیلئے نہیں بھیجنا چاہئیے اور بہت سارے بچوں کے ساتھ یہ معاملات میں نے دیکھے ہیں کہ اُن کے اساتذہ اتنے جبلی قسم کے جانور نکلے ہیں کہ انھوں نے بچوں کے ساتھ زیادتیاں بھی کی ہیں تو حفظ کروانا بڑی ہی نیک بات ہے اور اگر بچے اُس پر آمادگی ظاہر کریں تو اس سے بڑا خدا کا فضل کوئی نہیں ہوسکتا مگر ایسے قرآن یاد کرانے کا کیا فائدہ جو دس سال کی عمر میں یاد ہو اور چودہ سال کی عمر میں بھلا دیا جائے۔

زیادہ تر برصغیر میں یہ دیکھا گیا ہے کہ guilt کے تحت قرآن یاد کیا جاتا ہے۔ والد صاحب کی خواہش کبھی بھی نہیں تھی قرآن یاد کرنے کی مگر اپنے آپکو معزز کرنے کے لئے اپنے guilt wash کرنے کیلئے وہ چاہتے ہیں کہ بچہ قرآن حفظ کرے۔ یہ کوئی طریقہ نہ ہوا......اور بچہ جب قرآن حفظ کر لیتا ہے، اپنے ماحول پر نگاہ ڈالتا ہے، اپنی پیچیدگیوں پر تو باوجود حفظ کرنے کے دو چار سال میں بھلا کر فارغ ہو جاتا ہے۔ قرآن حفظ کروانا قطعاً بری بات نہیں، اللہ کی رحمت ہے، کرم ہے بلکہ بڑی خواہش ہوتی ہے کہ بچے کیا......دل تو چاہتا ہے کہ اُن کے باپ بھی قرآن حفظ کریں مگر دراصل incompetency راہ میں حائل ہوتی ہے اور چھوٹی عمر میں memory تازہ fresh اور growing ہوتی ہے اس لئے قرآن آسانی سے یاد ہو جاتا ہے۔

سوال: قرآنِ حکیم ایک scientific کتاب بھی ہے لیکن اس میں جنات پر ایک پورا chapter ہے، آپ اس کو سائنس کے لحاظ سے کس طرح دیکھتے ہیں اور اس پر حدیث کے علاوہ کوئی اور data ہے؟

جواب: دیکھئے بات یہ ہے کہ سائنس کے لحاظ سے میں اسے کیوں دیکھوں؟ سائنس تو ابھی اس مقام کارکردگی تک نہیں پہنچی۔ ابھی پندرہ یا بیس سال پہلے Russia کا ایک سائنس دان خیالات کے psychosis پر research کر رہا تھا تو Finally he came out with this result کہ وہ تصورِ جنات تک پہنچ گیا۔ اُس نے کہا کہ جب کوئی psychosis کا مریض بے انتہا شدت، غور اور concentration سے کسی خیال پر اتنے زیادہ charge دیتا ہے، mental charge دیتا ہے کہ That idea becomes capable of hurting him in return اور اس نے کہا کہ اس سے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ جن تخلیق ہو جاتا ہے اور یہ یاد رکھیئے کہ اُس وقت Russia جو تھا، وہ خدا یا جن یا ملائکہ کو ماننے والا نہیں تھا بلکہ communist تھا......

میرا خیال یہ ہے کہ اللہ کی بے شمار مخلوقات میں سے جنہیں ہم جانتے ہیں اور وہ جن کو ہم نہیں جانتے ہیں، اگر زمین پر صرف مخلوقات کی اقسام کی طرز گنی جائیں، تو ہمیں پتہ لگتا ہے کہ ایک ارب کے قریب مختلف genes کی مخلوقات موجود ہیں۔ اب اگر زمین پر انسان سے نیچے ایک بلین کے قریب مخلوقات کے patterns موجود ہیں تو ظاہر ہے کہ اللہ نے صرف زمین نہیں بنائی، آسمان کے اوپر بھی درجہ بہ درجہ ہزاروں بلکہ لاکھوں میں مخلوقات ہوں گی جنہیں اللہ کے لشکر بھی کہا جاتا ہے، جنہیں جنودِ ارواح بھی کہا جاتا ہے اور اُس میں ایک جن بھی ہے مگر جن کی creation کا rule اللہ نے بتایا ہے کہ یہ سلگتے ہوئے شعلوں، نیلے شعلوں کی آگ سے بنا ہے۔ high volatile جب کسی gases volume کو ملتی ہے اور اسکا نیلا شعلہ نکلتا ہے، جن اس شعلے کی پیداوار ہے اور جن اُسی طرح کی مخلوقات ہیں جیسے بندے کے اندر اُس کی روح مخلوق ہے۔ ہاں، جن انڈے دیتے ہیں...... بچے نہیں پیدا کرتے۔

خواتین وحضرات! جن بچے نہیں پیدا کر سکتے، انڈے دیتے ہیں...... حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ میں نے دیکھا کہ شیطان کی بیوی نے انڈہ دیا، پھر اُس سے بچہ نکلا، پھر اُس سے شیطان نکلے، پھر دنیا شیاطین سے بھر گئی...... چونکہ یہ حدیث موجود ہے اس لئے ہمیں حتمی طور پر پتہ

ہے کہ جن بچے نہیں دیتے انڈے دیتے ہیں۔ جن کو بچے پیدا کرنے کیلئے وجود کی ضرورت پڑتی ہے حالانکہ انسان کو وہ وجود شکل میں مل گیا ہے مگر اِن کو جاری ہونے کیلئے، اولاد کیلئے وجود کی ضرورت پڑتی ہے اور کسی نہ کسی جانور کے پیکر میں ڈھل کر یا گاہے گاہے صدیوں سے کسی انسان کے پیکر میں ڈھل کر یہ اپنے بچوں کو پیدا کرتے ہیں۔

سوال: حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے جب حضرت بابا فریدؒ نے کہا کہ جاؤ تمہیں دین بھی دیا اور دنیا بھی تو حضرت نظام الدین اولیاءؒ رو پڑے تھے۔ کیوں؟

جواب: کیوں؟؟؟ اس پر بھی کیوں ہو سکتا ہے؟ وہ اصل میں زاہد مرتاض تھے۔ خواجہ نظامؒ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو negate کرنے والے تھے، یعنی آخری چیز جو سینۂ انسان سے نکلتی ہے، حجۃ الاسلام محمد بن الغزالی نے کہا کہ وہ حبِّ جاہ ہے، تو خواجہ نظامؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ پبلک سے بڑی گریز کرتے تھے۔ اتنا گریز کرتے تھے کہ جب دلّی کے قریب بس رہے تھے تو اُن کا خیال تھا کہ لوگ بڑھ گئے ہیں تو میں دلّی سے بھاگ جاؤں...... اس تذبذب میں تھے، ہنڈیا چڑھی ہوئی تھی، ایک درویش نے آواز دی۔ آپ نے دروازہ کھولا۔ اُس نے کہا: ''کچھ کھانے کو ہے''، خواجہ نظامؒ نے کہا: ''ابھی پکا نہیں'' اس نے کہا: ''ہم پکا لیں گے''، تو وہ آگے بڑھے، ہنڈیا میں ہاتھ ڈال دیا...... جب اُس ابلتی ہوی ہنڈیا میں درویش نے ہاتھ ڈالا تو خواجہ نظامؒ کھٹکے کہ: ''ایں چیزے دیگرست'' کہ یہ تو کسی اور ہی قسم کا لگتا ہے۔ بہر حال جب وہ کھا چکے تو الجھے ہوئے تھے اس سوال میں کہ دلّی رہیں، نہ رہیں، تو درویش نے بڑی خوبصورت بات کہی جو کتابوں میں درج ہے کہ:

''اے نظام! جب تو چاند ہوا تھا تو تیرا خیال کیا تھا کہ لوگ تجھے دیکھیں گے نہیں......؟''

تو خواجہ نظامؒ نے اس اشارے کو سمجھا اور پھر دلی میں نظام دہلی کی طرح قائم ہوئے۔ اب ظاہر ہے کہ درویش دنیا کو اپنے لئے موت سمجھتا ہے۔ یہ extremity چشتیہ درویشوں میں آئی تھی۔ بڑے درویشوں میں شاید اسکا اسطرح کا احساس شدت سے نہیں آیا مگر ظاہر ہے کہ درویش ہمیشہ ہی دنیا سے ڈرتے رہے ہیں۔ جب یہ دعا دی تو آپ اس خوف سے روئے کہ کہیں دنیا کی عطا مجھے میرے مراتب سے معزول نہ کر دے۔

سوال: علماء کرام سے یہی سنتے آئے ہیں کہ قرآن کا ہر لفظ پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں جبکہ آپ کا کہنا ہے کہ قرآن کو پڑھنے سے زیادہ سمجھنا ضروری ہے۔ اب یہ بتایئے کہ عام آدمی

قرآن کا فہم کس طرح حاصل کرے۔ کیا ترجمہ پڑھنا کافی ہے اور ویسے عربی reading چھوڑ دینی چاہیئے۔ اگر نہیں تو reading کس طرح کرنی چاہیئے؟

جواب: معاف کیجئے گا۔ میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ قرآن پڑھنے پر ثواب نہیں ملتا۔ جس شخص کو پتہ ہو میں اور میری حیثیت کا...... جب رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الـم پر ثواب ہے بلکہ الف پر ثواب ہے، لام پر ثواب ہے، میم پر ثواب ہے تو ہم ایسے گستاخ کہاں کہ اس حقیقت سے انکار کریں۔ میرا کہنے کا مطلب کچھ اور ہے کہ education کے گریڈز ہیں، جس کو پڑھنا ہو خدا واسطے پڑے، آگے بڑھ کر پڑھے، تحقیق کی طرح پڑھے۔ .Ph.D., B.A., M.A کی طرح پڑھے، کیونکہ ہمارے جتنے اُستاد، ہمارے جتنے عالم، اس وقت مذہب کے عالم ہیں بـذاتِـهٖ اگر انہیں کسی دوسری طرف بھیج دیا جائے اور کسی دوسرے علم کی تحصیل کیلئے بھیج دیا جائے تو وہ میٹرک بھی qualify نہیں کرتے، چہ جائیکہ وہ قرآن کی اعلیٰ ترین آیات کے مطالب کو غور وفکر سے سمجھ سکیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ کچھ لوگ تو ضرور ایسے ہونگے جو اُس معیار تک نہیں پہنچیں گے کچھ کو ناظرہ کا ثواب ہوگا، کچھ کو سمجھے اور پڑھے ہوئے مطالب کا ثواب ہوگا کچھ کو اس سے آگے بڑھ کر غور وفکر کرنے والوں کا ثواب ہوگا اور سب سے اُوپر اُن شناسائے فطرت کا ثواب ہوگا جو صبح وشام تخلیقِ کائنات پر اللہ کے reference سے غور کرتے ہیں۔ ''وَالرّٰسِخُونَ فِی العِلمِ یَقُولُونَ اٰمنّا بِهٖ''.... کچھ ایسے لوگ بھی تو ہونگے جن کو خدا خطاب کر کے کہتا ہے کہ یہ علم میں راسخ لوگ ہیں۔

سوال: حروفِ مقطعات کی تعداد تو چودہ ہے، باقی حروفِ تہجی کے خواص کیا ہیں اور یہ حروفِ مقطعات کیساتھ مل کر کس طرح کام کرتے ہیں؟

جواب: یہ لیڈر اسماء ہیں، اُس میں کچھ vowels ہیں، کچھ ملانے والے ہیں، کچھ synonyms ہیں، کچھ antonyms ہیں، جیسے ایک نیا بچہ پیدا ہوتا ہے تو آپ دیکھیں کہ آج بھی اُس پر دو لفظ بڑے آسان ہیں: ماما، ابا آسان ہیں۔ الم کے دائرے اُس پر آسان ہیں۔ language کی ترتیب بھی انہی اسماء سے ہوتی ہے۔ انسان نے ان ہی اسماء کو آگے بڑھاتے ہوئے پوری alphabet ترتیب دی ہے۔ گرائمر ترتیب دی ہے، زبان کے رنگ وڈھنگ تخلیق کئے ہیں تو اُن سے اُنکی اہمیت میں فرق نہیں پڑتا مگر جو ابتدائی filing ہوئی ہے وہ یہی چودہ اسماء تھے۔

سوال: موسیقی اچھی چیز بھی ہے اور بہت بُری بھی۔ اب تو نعت بھی موسیقی کے ساتھ پڑھی جا رہی ہے۔ کیا قرآن موسیقی کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! بات یہ ہے کہ as such تمام اُن چیزوں کے بارے میں جو انسان کو لذتِ خیال دیتی ہیں، اُس میں شطرنج ہے، چوسر ہے، اُس میں تاش ہے، اُس میں موسیقی ہے، اُس میں غزل ہے، شعر ہے، ادب ہے، اُس میں تفریحات ہیں، اُن میں وہ جائز تفریحات بھی ہیں جس میں آپ outing کیلئے گئے ہو، ساحلِ سمندر کی بھی سیر ہے اور کسی پہاڑ کی چڑھائی بھی ہے اور ہمالہ کی ترائی بھی ہے مری کی برف زاری بھی ہے، یہ تمام چیزیں جائز ہوں یا ناجائز ہوں، جب آپکے حقوق اللہ پر ضرب نہیں مارتے تو جائز ہیں۔ جب آپ کا کھیل، تماشہ آپ کو فرائضِ خداوندی سے غفلت نہیں دیتا تو جائز ہے......

آپ کو یاد ہے کہ بنو قریظہ کی طرف جاتے ہوئے جب نمازِ عصر قضا ہوئی اور اللہ کے رسول ﷺ نے یہود پہ لعنت فرمائی کہ ان کی وجہ سے ہماری عصر قضا ہو گئی۔ اب آپ کو مطلب یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُس موسیقی سننے میں کیا حرج ہے۔ جو دو نمازوں کے مابین ایک ایسے وقفے میں ہو، جہاں آپ اللہ کی آواز سنیں اور وہ تمام چیز cancel کر کے اللہ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ اُس وقت شہواتِ دنیا آپکو فریب نہیں دے سکتیں، نہ خدا کے رستے میں آ سکتی ہیں۔ یہ تمام لذاتِ دنیا ہیں۔ اب دیکھیئے خدا خود mention کرتا ہے۔ کیا شہواتِ دنیا میں ان چیزوں کو mention کرتا ہے یا وہ جائز چیزوں کو mention کرتا ہے۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ ہم نے انسان کو شہوات کی محبت دی ہے مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ عورتیں، اولاد ساز و سامان...... مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ سونا چاندی وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ گھوڑے گاڑیاں وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ کیا چیز ان میں جائز نہیں ہے؟ کیا گھوڑے گاڑیاں جائز نہیں ہیں؟ کیا اولاد جائز نہیں ہے؟ کیا عورتیں جائز نہیں ہیں؟ کیا سونا چاندی کا حصول جائز نہیں ہے؟ یہ ساری جائز چیزیں ہی ہیں...... مگر اللہ نے کہا جب تمہیں وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (العمران 14:3) کہ یہ متاعِ دنیا ہے اور جب بھی آپ خدا کو پلٹو گے اور یہ رستہ روکیں گی تو یہ شہوات بن جائیں گی، حجاب بن جائیں گی اور سلیمانؑ کا خطرہ بن جائیں گی جب وہ اچھے گھوڑے دیکھتے دیکھتے عصر کی نماز سے غافل ہو گئے......

اس لئے ان تمام چیزوں کا حکم ایک ہی جیسا ہے، چاہے وہ کوئی خوبصورت شعر ہی کیوں نہ ہو، جو آپ کو خدا کی یاد سے غافل کردے۔اب اگر آپ Q TV کی قوالیاں سنتے سنتے بے ہوش ہو جائیں تو بھی وہی حال ہے...... میں اکثر جب ٹی وی کھولتا ہوں تو وہاں ایک ہی قوالی والا مسلسل، خوفناک انداز میں قوالی کر رہا ہوتا ہے۔تو میں خدا سے دعا مانگ رہا ہوتا ہوں کہ کوئی ہے جو تعریف اُس ذاتِ بابرکت کی کرے کہ جس سے محبت ہمارے ایمان کا خلاصہ ہے۔ مگر اس سے جان نہیں چھڑا سکتا۔ وہ اتنا کوئی فضول قسم کا موسیقار اور قوال لگا ہوتا ہے اور دوسرا اُسی پر ایک استخارے والا بیٹھا ہوتا ہے۔ میں نے اس سے زیادہ مزاحیہ استخارہ کوئی نہیں دیکھا۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر اہلِ مغرب ہمیں اور کسی چیز کا طعنہ نہ دیں تو یہ استخارہ ہی کافی ہے ہمیں ذلیل کرنے کیلئے......

خواتین وحضرات! ایک نقطے کی بات آپ سے عرض کروں کہ انسان بے چین ہے، مضطرب ہے، بے بس ہے، نحیف ونزار ہے، گردشِ خیال میں ہے، افکار کی غربت میں ہے اور مجبور ہے، اس کو مسائل کا حل نہیں مل رہا ہے۔ کبھی ایک دوست کے پاس جاتا ہے، کبھی دوسرے کے پاس جاتا ہے، مسجد کے ملا کے پاس جاتا ہے، یونیورسٹی کے پروفیسر کے پاس جاتا ہے، مسئلے کا حل نہیں ملتا، تنگ آ کر اُس کی بے چینی اور اضطراب اس درجے کو پہنچتی ہے کہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار اب تُو میری اس کیفیت کو دیکھ!!! میری اس حسرت و آرزو کو دیکھ!!! مجھے اس سوال کی بندش سے رہائی بخش اور مجھے استخارے میں جواب بخش دے!!! خواتین وحضرات! پھر چونکہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اَمَّن یُّجِیبُ الْمُضطَرَّ ...... جب تُو اتنا مضطرب ہے اے انسان! اور اس اضطراب میں مجھ سے رجوع کر رہا ہے تو مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم ہے، میں تجھے تیرے اضطراب کا جواب ضرور دوں گا...... یہ استخارہ ہے......

خواتین وحضرات! جب ہم لوگ استخارہ کروانے جاتے ہیں تو مجھے یاد کر کے بتایئے کہ کیا ہم اس بے چینی کو اُس میں منتقل کر سکتے ہیں؟ ہم اپنے دل کی اُس کیفیت کو کسی دوسرے انسان میں منتقل کر سکتے ہیں؟ جس حالتِ اضطراب میں خدا نے ہمیں جواب دینا ہوتا ہے، کیا اس مولوی کو بھی جواب دے دے گا؟ کیا اُس کمپیوٹر کو جواب دے گا جو فوراً کارڈ نکال دیتا ہے کہ جادو ہے، سحر ہے یا ٹونا ہے، آج تک اُس کمپیوٹر سے کوئی اچھی بات نہیں نکلی۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ اس استخارے کی جگہ Q TV کے اُس چھوٹے سے کمپیوٹر میں شیطانِ رجیم بند ہے کیونکہ وہ بندوں کو کوئی اچھا جواب نہیں دیتا ورنہ خدا نے تو کہا ہے کہ جس نے میری طرف رجوع کیا اور مجھے سوال

کیا۔ اپنی بے چینی میں مجھے یاد کیا، میں اُسے کسی صورت ناکام نہیں بھیجوں گا......مگر خواتین و حضرات! خیال رکھیئے گا کہ آج کل استخارہ جو ہے، یہ مکر و فریب کا سہارا بن گیا ہے۔ لوگ شادی کرتے ہیں، رشتے ناطے دیتے ہیں، اگلے دن کوئی بہتر رشتہ آ جاتا ہے۔ اب اُس سے جان چھڑانی ہے، خود جان نہیں چھڑا سکتے، مولوی کو بیچ میں ڈال دیتے ہیں۔ استخارہ کیا......ٹھیک نہیں آیا......وعدہ توڑو...... چلتے بنو......اتنی شادیاں ٹوٹتی ہیں۔ غضب ہے کہ لوگ اس طرح منہ پھیرتے ہیں حقیقت سے، سچائی سے، وعدے سے......اور سب کا عذر ایک ہی ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کا استخارہ ٹھیک نہیں ہوا ہے۔ یہ ایک ناقص طریق فکر ہے جس سے آپکو خبردار رہنا چاہیئے۔

محمد توفیق عمر: خواتین و حضرات! بہت دیر سے پروفیسر صاحب مسلسل بولے جا رہے ہیں اور ہمیں اس کا احساس ہے۔ بڑی بھرپور اننگ انہوں نے کھیلی ہے اب میچ ختم ہونے میں پندرہ منٹ باقی ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ یہ not out جائیں......اسی اثناء میں......

پروفیسر رفیق احمد: خواتین و حضرات یہ بڑے سخت بے ایمان ایمپائر ہیں......

(قہقہہ)

پروفیسر احمد رفیق: ہر مرتبہ جب میں نے اچھی بال کی، انہوں نے وائڈ قرار دے دی اور دوبارہ پھر انہوں نے سوال دے دیا۔ خواتین و حضرات! آپ کو شاید توفیق صاحب کا پورا تعارف نہیں ہے...... چونکہ یہ ہم میں سے ہیں، بڑے عظیم دوست ہیں...... یہ پاکستان کے بہترین sports مبصر ہیں۔ یہ وہ توفیق احمد ہیں جو سالہا سال نوائے وقت میں sports کا کالم لکھتے رہے ہیں اور ان کو اس مرتبہ بھی special request کی گئی مگر چونکہ sports کے کالم لکھتے لکھتے اپنے کسی جرنیل کی مخالفت کر بیٹھے تھے، تب سے ان پر writing بند پڑی ہے۔ اب یہ back foot پر کھیلتے ہیں......میرا ستیاناس کرتے ہیں......

محمد توفیق: بلال صاحب! سوال آپ سے ہے کہ What is meditation? Is it a mystic way?

بلال قطب: ایک ضمنی بات میں پہلے عرض کر دوں کہ ابھی توفیق جتنے بھی سوالات پڑھ رہے تھے ان میں سے زیادہ تر سوالات میرے خیال میں سیدھے سادے نہیں تھے، کوئی فلسفیانہ تھے، کوئی metaphysical تھے اور کچھ سوال تو میری سمجھ سے ہی باہر تھے کہ اس سوال کا جواب

ہو ہی کیا سکتا ہے؟ اتنے مشکل زاویوں سے سوالات کو آسان بنا کر انکا جواب دینا اللہ کی رحمت کے سوا ممکن ہی نہیں ہے......

جواب: جہاں تک meditation کا تعلق ہے تو اس کو دو طرح سے دیکھئے...... پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ جب comparative religions کی تاریخ پڑھتے ہیں، religions کو comparison میں دیکھتے ہیں، تو الہامی مذہب divine-religion اور غیر الہامی مذہب non divine religion کو bifurcate کرنے کے بہت سے طریقے ہیں اور دو تو سب سے زیادہ common طریقے ہیں: ایک ہے linear religion اور دوسرا ہے cyclic religion......

cyclic religion وہ religion ہوتے ہیں جن میں موت کے بعد کے جو سفر ہیں ان کا علم نہیں ہوتا۔ پیدائش سے پہلے کے حالات کا بھی علم نہیں ہوتا اس لئے cyclic کا مطلب ہے circle ایک گول دائرہ...... اس لئے یہ پیدائش سے شروع ہوتے ہیں اور پھر آواگون...... کے تصور سے پیدا ہوتے ہوئے یہ دوبارہ پیدائش پر آجاتے ہیں۔ یہ آپ کے اعمال یا کرما پر base کرتا ہے کہ آپ واپس انسان کی شکل میں آئیں گے یا جانور کی شکل میں آئیں گے، مرد آئیں گے یا عورت آئے گی۔ دوسرے مذاہب جو کہ linear ہیں، یہ divine religion سمجھے جاتے ہیں۔ linear سے مراد ہے سیدھی لائن...... ان مذاہب میں ابتدا اور انتہا تمام چیزیں جو ہیں، وہ بتادی جاتی ہیں مثلاً پیدائش سے پہلے حالات کیا تھے اور مرنے کے بعد کیا معاملات ہونگے، یہ تمام چیزیں رکھ دی جاتی ہیں۔ یہ divine طریقے سے بتائی جاتی ہیں۔ ان میں کچھ elements ہیں مثلاً linear religion میں جو کہ الہامی religion ہیں، ان میں ٹیکسٹ کا ہونا، کتاب کا ہونا ایک پیغمبر کا ہونا، کچھ روایتیں جیسے بلوغت سے پہلے آ چکے اوپر کچھ چیزیں لاگو ہوتی ہیں، بلوغت کے بعد وہ بدل دی جاتی ہیں۔ شادی سے پہلے کچھ چیزیں ہیں، شادی ہونے کے بعد کچھ چیزیں ہیں، یہ cultural چیزیں ہیں، مرنے کے بعد کی چیزیں ہیں، اگر بچہ پیدا ہو گا تو اذان دینی ہے، انسان جب مر جائے گا تو اُس کو غسل دینا ہے وغیرہ وغیرہ...... یہ تمام مسائل دو طرح سے religion کو divide کرتے ہیں۔

بدھ ازم میں چونکہ خدا موجود نہیں ہے...... بدھا جب اپنی meditation سے اٹھا، وہ درخت جو مشہور ہے، وہاں سے وہ اٹھے تو اُس کے بعد انھوں نے چالیس سال سے کچھ زیادہ تک تبلیغ کی لیکن اپنی کسی بھی تبلیغ میں بدھا نے خدا کا ذکر نہیں کیا۔ اس لئے اُس کا سارا مذہب

کے سارے recreation پر based ہے کہ آپ دوبارہ اس کائنات concept میں واپس نہ آسکیں۔ یہ تپسیا، یہ محنت کی جائے کہ آپ واپس دنیا میں کسی طریقے سے نہ آئیں اور اگر آپ نے یہ معاملہ achieve کرلیا کہ آپ واپس نہ آئیں گے تو یہ آپ کی مکتی ہے، یہ مکتی آپ نے ultimate achieve کیا ہے کہ آپ واپس اس دنیا میں نہ آئیں۔ اس طرح جو cycle تھا وہ آپ نے توڑ دیا......

اب سارا مسئلہ مکتی کا تھا کہ مکتی کیسے حاصل کی جائے؟ یہیں سے meditation کا سارا سلسلہ اور ساری history شروع ہوتی ہے بدھسٹ meditation کرتے نہیں تھے، ان کے ہاں جو مکتی کا سارا تصور تھا، وہ جس monk سے منسوب تھا، اُن میں چند چیزیں ضروری سمجھی جاتی تھیں: ایک یہ کہ typical قسم کا لباس پہنیں، وہ مانگ کر کھائیں، وہ جنگلوں میں نکل جائے، تنہائی میں رہے تو پھر اس کو مکتی ملے گی ورنہ نہیں مل سکتی۔

اب meditation کا سارا سلسلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب یہ بدھسٹ -sub continent میں آئے، یہاں اس جگہ پر برہمن پہلے سے موجود تھا...... ان کے ہاں یہ عقیدہ تھا کہ خدا نے اتنی بڑی کائنات کو پیدا کرنے کے عوض سوچا کہ کوئی چیز sacrifice کی جائے تو اتنی بڑی شے تخلیق کرنے کے parallel اُس کے against کوئی ایسی چیز خدا کو کائنات میں نظر نہ آئی جو اس کا صدقہ ہو سکے اس لئے خدا نے اپنی قربانی خود دے دی۔ He sacrificed himself creating the universes... اس لئے خدا کی روح کائنات میں گھومنے لگ گئی۔ اب یہاں سے تصور شروع ہوا meditation کرنے کا کہ لوگ اس روح کو جو کائنات میں پھر رہی ہے اس کو capture کرنا چاہتے ہیں کہ کسی طرح سے یہ روح میرے اندر داخل ہو جائے۔ اب دو طرح کے لوگ پھر develop ہو گئے۔ ایک وہ لوگ جو meditation کرتے ہیں جیسے آج کل کرتے ہیں، جیسے Transitional meditation جسے T.M کا نام بھی دیتے ہیں جو کہ آپ صرف relaxe کرنے کیلئے کرتے ہیں، اس میں آپ بیس منٹ کی meditation میں آٹھ گھنٹے کا rest achieve کر سکتے ہیں لیکن یہ trained programme ہے، اسکا religion سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو دوسری قسم کی meditation ہے، اس میں آپ consciously یا subconsciously خدا کی بھٹکی ہوئی روح کو capture کرنے کیلئے اپنے اوپر کوئی ایسا

معاملہ وارد کرتے ہیں جس سے دیکھنے والے کواور آپ کو یہ اندازہ ہو کہ آپ اس وقت جس حالت میں ہیں وہ ایک غیر حالت ہے اور اس وقت جو خیال آپ پر وارد ہو رہا ہے وہ تقریباً الہامی سا ہے...... اس طرح یہ condition قائم کر لی religious لوگوں نے اور جو exercise اور relaxation meditation تھی، وہ قائم کر لی اُن لوگوں نے جو کہ religious نہیں تھے۔

اب بھی اگر اس زمانے میں دیکھا جائے تو سوئٹزرلینڈ میں مہاریش یوگی کا ایک بہت بڑا institution ہے جسے پہلے تو Maharish International University کہتے تھے، اب Maharish International University of Managerial Sciences کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اگر آپ website پر بھی دیکھیں تو آپ کو حیرت ہو گی کہ meditation کرنے سے جو ساری biology جو pathology ہے وہ بڑی change ہو جاتی ہے۔ relaxation میں آپ جاتے ہیں تو شاید آپ کو oxygen کی ضرورت کم ہوتی ہے اس لئے اگر آپ meditation کی حالت میں ہیں تو آپ شاید بہت دیر بعد سانس لیں۔ آپ کے دل کی دھڑکن بھی کم ہو جائے گی۔ کیونکہ آپ کی physical requirement بدل جاتی ہے لیکن اُن کا religion سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ ہم جو meditation یہاں پر contemporary کرتے ہیں، اس کو ہم خداداد خیالات اور خدا کی دی ہوئی طاقتوں کے ساتھ associate کرتے ہیں اور اس لئے ہم اس کو anticipation کیلئے اور اگلے معاملات یا پچھلے گزرے ہوئے معاملات کے اوپر فیصلہ لینے کیلئے use کرتے ہیں۔

سوال: ایک غیر مسلم قرآن کو مانتا ہی نہیں تو ہم غیر مسلم کو قرآن کی حکمت کیسے بتا اور سمجھا سکتے ہیں؟

جواب: خواتین وحضرات! سوال بہت اچھا ہے مگر ہم اُسے کیوں اس بات کا قائل کریں کہ یہ قرآن ہے۔ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ ہم کیوں اسے اس بات کا قائل کریں؟ سوال یہ ہے کہ ہم اُسے مسلمان کیوں کریں؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ مسلمان کرنے کیلئے یا تو اس پر جبر وتشدد کیا جائے یا اُسے مارا پیٹا جائے کہ اسلام قبول کر لے اور اگر ہم نے عقلی طور پر اُس سے بات چیت کر کے، اُس کو سمجھانا ہے، سوچنا ہے، تو پھر ہمیں اللہ تعالیٰ نے اُس کا طریقہ بتایا ہوا ہے کہ

''اُدعُ اِلٰی سَبِیلِ رَبِّکَ بِا لحِکمَةِ وَالمَوعِظَةِ الحَسَنَةِ''
(اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ حکمت اور اچھی نصیحت سے۔)

کہ اُسے اللہ کی طرف بُلاؤ حکمت ودانش سے اور اچھے کلام کے ساتھ اور آخر میں کہا:

'' وَجَادِ لھُم بِالَّتِی ھِیَ اَحسَن '' (النحل 125:16)
(اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔)

اُس سے اچھی طرح بحث کرو۔ ہوسکتا ہے کہ بحث کے انجام میں وہ آپ سے درخواست کرے کہ آپ اپنی مذہبی کتاب جسے قرآن کہتے ہیں، مجھے سمجھاؤ، یا مجھے پڑھنے کا موقع دو، میں دوبارہ بحث کروں گا......تو بحث کے طریقے میں یہ تو کہیں بھی نہیں ہوتا کہ آپ قرآن کو اٹھا کر لے جاؤ اور کسی دوسرے مذہب والے سے کہو کہ تُو اسے مانتا ہے کہ نہیں مانتا......اس جبر وتشدد کو نہ اللہ پسند کرتا ہے، نہ اسکی اجازت دیتا ہے:

'' لَا اِکرَاہَ فِی الدِّینَ '' (البقرۃ 256:2)

اور بلکہ کسی دوسرے مقام پر بھی خداوند کریم کہتا ہے کہ اے لوگو تم کافروں کے بتوں کو گالیاں نہ دو، اُنکے جھوٹے خداؤں کو بُرا مت کہو، ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سچے خدا کو بُرا کہیں اور تمہیں تکلیف زیادہ ہو۔

ابھی جیسے آپ دیکھ لو کہ ہمارے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں، ہم حضرتِ عیسیٰؑ کی شان میں گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کوئی ہمارے ہمسائے میں تو ڈنمارک بستا نہیں کہ جا کر اُس پر چڑھائی کر دیں یا چند سر پھرے جا کر اُس مردود کو قتل کر دیں یا مار دیں...... obviously یہ سارے طریقے ہمیں پہلے سے پتہ ہونا چاہئیں تھے کہ دُشمن سے رعایت مانگی نہیں جاتی۔ وہ آپ کو تنگ کرے گا اُسے آپ کا weak point مل گیا ہے، وہ اُچھلے گا، کودے گا، بوزنے ہیں آخر۔

وَلَقَد عَلِمتُمُ الَّذِینَ اعتَدَو اِمنکُم فِی السَّبتِ فَقُلنَا لَھُم کُونُو قِرَدَةً خٰسِئِین (البقرۃ 65:2)
(اور بے شک تمہیں معلوم ہے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ہفتہ کے دن میں سرکشی کی تو ہم نے ان سے کہا کہ ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔)

یہ بندر نما مخلوق ہے۔ ایک کے بعد دوسرا اسی کی copy کرتا ہے۔ ان کو کیا غرض ہے انسانیت کے مراتب کے ساتھ......مگر آپ جو اشتعال اور جو چیز show کر رہے ہو، اگر غور کیا جائے تو اُن کو پسند آ رہا ہے۔ آپ کا چڑنا، آپ کا غم کرنا انہیں پسند آ رہا ہے...... یہ ایسی مردود قوم ہے کہ

ان میں سے کوئی بھی کسی کمزور پر کبھی ترس نہیں کھاتا۔ان کو ہماری روایات کا کبھی احترام نہیں ہوگا۔
اُن کو کبھی بھی ہمارا رسول ﷺ اچھا نہیں لگے گا۔

اگر خالی رسول ﷺ کی بات ہوتی تو یہ کارلائل کی کتاب پڑھ کے نہ سوچ لیتے کہ واقعی محمد ﷺ کوئی بہت بڑے انسان ہیں!!! کارلائل جس نے Heroes and Hero-Worship میں اپنے نبی کو چھوڑ کر ہمارے نبی کو انسانیت کا hero کہا ہے، اگر یہ سمجھدار اور دانشور ہوتے اور عقل رکھتے تو کیا یہ پھر اُس کتاب کو دیکھ کر متاثر نہ ہوتے کہ جس میں سو بڑے آدمیوں کا تذکرہ ہوا اور انھوں نے ہی کیا اور پھر محمد ﷺ کو وہ پہلا آدمی قرار دیا کہ جس نے زندگی اور انسان کو سب سے زیادہ متاثر کیا تھا...... اگر ان میں عقل ہوتی تو یہ ضرور مان لیتے۔مگر ان میں وہ چیز ہے ہی نہیں۔یہ تو ہمیں ایک ناجائز اشتعال دے کر، چبھن دے کر، کسک دے کر، دُکھ دے کر ہمارے پیغمبر کے بارے میں ہمیں مشتعل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔مگر ایسی باتوں سے...... بھلا کتے کے بھونکنے سے بھی چاند کو کوئی فرق پڑتا ہے...... ہمیں intellectually اس کو ignore کرنا چاہئیے، جب آپ جواب دیں گے تو یہ آپ کو مزید تنگ کریں گے، یہ میری بات یاد رکھیئے...... آج ایک نے کارٹون چھاپا' کل دوسرے نے اور پرسوں تیسرا چھاپے گا مگر کس کا کارٹون......؟؟؟ اگر کوئی مفروضہ کارٹون چھاپ دے اور اس کے اوپر اگر کوئی خدانخواستہ اس قسم کا نام لکھ دے۔تو ہمارے لئے کاہے کو تسلیم کے قابل ہے؟ کس کے پاس ہے تصویر ﷺ......؟؟؟ ہمارے دلوں میں تو ہو سکتی ہے مگر practically تو حضرتِ گرامی ﷺ کی کوئی تصویر دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے تو جس کی مرضی لگاتے پھریں، ہمیں اُس سے کیا؟ مگر یہ احتجاج صرف ایک لحاظ سے درست ہے۔آپ یقین جانیے کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی برکتِ اسمِ گرامی رسول ﷺ ہے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ عالمِ اسلام مردہ ہے لیکن ہر ملک میں ہر جگہ مسلمانوں نے جو حبِ رسول ﷺ کا مظاہرہ کیا ہے، الحمدللہ یہ شرفِ انسانیت و اسلام ہے کہ ہم ابھی زندہ ہیں......

توفیق عمر: محترم خواتین وحضرات! ابھی پروفیسر سید مجتبےٰ ترمذی صاحب تشریف لائے ہیں۔ان کا کہنا یہ ہے کہ bad light ہوگئی ہے، میچ روکا جائے۔میں کہہ رہا ہوں کہ مصنوعی روشنیوں میں دو بال کھیلے جاسکتے ہیں۔میری خواہش تھی کہ زیادہ سے زیادہ دوستوں کو مطمئن کیا جاسکے۔

سوال: ایک سوال ہے کہ جبلت جنگل کی آگ کی طرح ہوتی ہے، فوری متحرک اور اشتعال کا

مظاہرہ کرتی ہے، ٹھہرنے کا وقفہ ہی نہیں دیتی۔ جبلت جب متحرک ہو تو اسے ٹھہرایا کیسے جائے؟
جواب: صرف ایک چیز جبلت کو روکتی ہے اور وہ عقل ہے۔ وہ عقل جسے خدا سے مس ہو اور تو کوئی چیز اسے روک نہیں سکتی۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایک division tank attack کرے، ناں تو کوئی دنیا کا ایسا جرنیل نہیں جو اُسے وہیں روک دے...... بائیس تیئس میل تو tank ٹہلتے ہوئے آ جاتے ہیں۔ وہ اتنا بڑا division tank کا attack ہوتا ہے کہ اُس کو اس کی جگہ پر روکا نہیں جا سکتا۔ تین سو ٹینک چڑھ رہے ہوتے ہیں، چڑھتے چڑھتے، چلتے چلتے space بناتے بناتے، بائیس تیئس میل نکل ہی آتے ہیں، پھر اُن کو توڑا جاتا ہے، ایک ایک کر کے توڑا جاتا ہے حتیٰ کہ اُن کی formation ٹوٹتی ہیں۔ بیس تیس میل کے بعد آپ ایک division کو اتنا loss پہنچا دیتے ہو کہ مزید tactically advance غیر مناسب ہوتا ہے تو یہی strategy آپ کی جبلت کے ساتھ ہونی چاہیئے۔

جبلت جب بھرپور attack کرے، تو کوئی غریب مسکین ابنِ آدم اُسے روک نہیں سکتا، پھر اُس کو پیچھے ہٹنا پڑتا ہے، جگہ بنانی پڑتی ہے، spacing بنانی پڑتی ہے۔ اب دیکھئے اُسکا مطلب کیا ہوتا ہے؟ اچانک فرض کرو کہ کسی کی temptation جاگی ہے اور اُس میں ایک مجبوری کا عنصر پیدا ہوا ہے۔ ضرورت اُس کو اتنے خوفناک انجام پر لے جا رہی ہے And he must and must steal, he must and must go for a bad relationship تو اب وہ اتنی زبردست چڑھی ہوئی ہے...... بلکہ باقی جبلتیں تو controlable ہیں physical sexual جبلت least controlable ہے۔ اگر اس کو اللہ یاد ہے تو وہ اُس حکم کو فائنل کر دے گی، دفاع کی اس منزل کو فائنل کر دے گا کہ میں سوچ تو سکتا ہوں، میں imagine تو کر سکتا ہوں، میں خیال کر سکتا ہوں، میں اپنے مؤقف سے پیچھے ہٹ سکتا ہوں، میں اُس کی کہانیاں پڑھ سکتا ہوں؛ میں planning کر سکتا ہوں But he will stop, he will not steal. یہ بیچ میں جو وقفہ پڑے گا اس کی سوچوں کا، وہ اس کو اس کی آخری منزل تک پہنچنے سے روک دے گا۔

اسی طرح فرض کرو۔ If he is involved and two people are involved وہ باتیں تو کر سکتے ہیں، ٹیلی فون کی تاریں توڑ سکتے ہیں۔ گفتگو کر کے...... وہ مزید ملاقات کے وقت قائم کر سکتے ہیں، وہ چھو سکتے ہیں، جیسے حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ ہر چیز خطا

کاری کرتی ہے مگر اگر آپ ادھر کھڑے ہوتے ہو کہ I might do all these things, but I will never surrender to do this basic fact. تو آپ مصیبت سے بچ جاتے ہو، جبلت کو روکنے کے لئے اتنے قدم پیچھے ہٹنا پڑتا ہے جو safety والے قدم ہوتے ہیں، پھر کہیں کھڑے ہو کر آپ اس کے خلاف resist کر سکتے ہیں۔

توفیق عمر: شکریہ پروفیسر صاحب! خواتین و حضرات! ہم تعلیمی سیشن 2006ء کے اختتامی لمحات میں ہیں......

سوال: ہمارے ایک دوست نزولِ مہدی اور عیسیٰؑ کے حوالے سے جاننا چاہتے ہیں ان کا سوال بڑا دلچسپ ہے کہ دجال اگر اتنی ہی اہمیت کا حامل ہے تو قرآن حکیم میں اس کا ذکر کیوں نہیں؟

جواب: یہ بڑی اچھی بات ہے مگر فتنہء دجال جو ہے اسکا ذکر بہت جگہ دوسرے طریقوں سے قرآنِ حکیم میں ہے، اس طرح براہِ راست لفظ دجال سے ذکر نہیں ہے مگر دیکھئے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ باطل بجھنے والا ہے، باطل کا حق ہی یہی ہے کہ وہ ختم ہو جائے اور یہ کہ خدا نے یہ کہا کہ زمانہء آخر میں تُو برا منائے چاہے اچھا منائے:

''هُوَ الَّذِی اَرسَلَ رَسُولَهُ بِالهُدٰی وَدِینِ الحَقِّ لِیُظهِرَ هُ عَلَی الدِّ ینِ کُلِّهٖ وَلَو کَرِهَ المُشرِ کُونَ (الصف 9:37)

(وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے چاہے بُرا مانیں مشرک۔)

قرآن نے نام نہیں دیئے situations دیں، قرآن شاید افراد کی سطح تک ذکر کر بھی نہیں سکتا تھا، وہ پیغمبر کی سطح تک ذکر کر سکتا تھا اور اُس نے کیا ہے۔ قرآن نے فتنہ آخرالزماں کا ذکر کیا ہے، قیامت صغریٰ کا ذکر کیا ہے، قرآن نے اُس جنگ کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہونی ہے۔

اصل میں آپ لوگوں کیلئے جو چیز بڑی ہے وہ خدا کیلئے بہت چھوٹی ہے۔ دجال اللہ کا حریف نہیں ہے۔ دجال تو انسان کا سب سے بڑا خطرہ ہے۔ وہ اللہ کو damage نہیں کرتا۔ خدا نے انسان کی مدد کیلئے جو اُس کا علاج ڈھونڈا ہے وہ ورودِ عیسیٰؑ میں ہے کہ وہ جو بڑے آرام و اطمینان سے آسمانوں پر بٹھائے گئے ہیں تو وہ اسی ساعت کیلئے نیچے اتریں گے اور دجال کے اس دعوے کو کہ وہ کائناتی اور ملکوتی اور عالمِ بالا کی صفات کا مالک ہے کہ وہ خدا کی جگہ کام کر سکتا ہے اور آلات میں اور مشین میں وہ اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ مرتبہ خدا کو بھی challenge کر سکتا ہے،

اُس کے جواب میں اللہ بحیثیت ایک دلیل کے طور پر حضرت عیسیٰؑ کو بھیجے گا۔ کہا: تیری تمام ترقی، تیری تمام جدتیں، تیری ریاضتیں جو تُو کر بیٹھا ہے، میرے تو ایک سائنس دان کے برابر بھی نہیں ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ میں کوئی ایک instrument دے دے گا، ایک شعاعی ہتھیار دے دے گا، جیسے رسولِ اکرام ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ میں چالیس گز لمبی تلوار ہوگی۔ اُدھر سورج کی طرح چمکتی ہوئی شعاعوں کے حصار میں اُتریں گے اور شعاعوں کی وجہ سے ساری دنیا میں سارے دجال کے لشکر میں کوئی چیز move نہیں کرے گی۔ سکتہ سا توپوں پر بھی، مزائلوں پر بھی طاری ہو جائے گا۔ آرام سے نیچے اُتر کر اسے مار پیٹ کر لیں گے Who can fight God...???

"لَو كَانَ فِيهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" (الانبیاء 22:21)

(اگر کائنات میں دو خدا ہوتے تو فساد ہو جاتا۔)

اقبال نے کہا:

چہ عجب اگر دو سلطان بہ ولایتے نہ گنجند

تم تو اس بات پر حیرت کر رہے ہو کہ دو بادشاہ ایک ولایت میں نہیں سمٹ سکتے۔

جب ایں کہ بی نہ گنجند بہ دو عالمے فقیرے

میں تو اس بات پر حیرت کر رہا ہوں کہ ایک اللہ کا فقیر دو عالم میں نہیں سماتا......

سوال: روح اور نفس میں کیا فرق ہے؟

جواب: جیسے میں نے آپ سے کہا کہ روح اور نفس دو علیحدہ حقیقتیں ہیں اور روح کی حقیقت یہ ہے کہ اَلَستُ بِرَبِّكُم جب اسکو بنایا تو اس میں ایک positive اقرار رکھ دیا۔ جب نفس کو بنایا تو اس میں انکار رکھ دیا اور حدیث یہ کہتی ہے کہ نفسِ انسان ئیں اللہ نے اپنا سب سے بڑا دشمن تخلیق کیا۔ اُدھر جبلتوں کا ارتکاز کر دیا، اِدھر عقل و معرفت کا شعور بخش دیا...... یہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ دونوں دشمنوں کو ایک مکان میں رکھا، جسے وجودِ انسان کہتے ہیں۔ ساری عمر کی جنگ ہے، کون جیتے، کون ہارے......؟؟؟

وَمَا عَلَينَا اِلَّا البَلَاغ

سید علی بن عثمان ہجویریؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا

خواتین وحضرات! موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے میں آپ کو دو چار بہت اہم باتیں بتا تا چلوں کہ ذہن جب اپنے ارتقائی اعمال سے گزرتا ہے، سوچ جب بلند تر ہوتی ہے اور اس میں نفاستِ تخلیق آتی ہے، ادب آتا ہے، عُجب آتی ہے، inquiry آتی ہے، تو لا محالہ ذہن میں ایک بہت بڑا المیہ جو پیدا ہوتا ہے اس کو Narcism کہتے ہیں یعنی یہ نرگسیتِ ذہانت ہے اور ہر ذہین آدمی بذاتِ خود اپنے عُجب کو، غرور کو اور تمکنتِ ذہن کو اس بلند و بالا مقام پر لے جاتا ہے، خواہ وہ آرٹسٹ ہو، خواہ ادیب ہو، خواہ کوئی بھی ہو، کسی بھی اور عظیم تر صورت کو ماننے سے پہلے ہزار ہا شکوک و شبہات سے گذرتا ہے۔ یہی حال بہت سے ان ذہین لوگوں کا ہوا جنہوں نے اپنے مطالعاتی سلسلے میں اور تمدن کے علوم کی ترقی میں اتنی قدر و منزلت پائی اور اتنے نام آور ہوئے کہ انہوں نے تصوف کے خلاف بہت باتیں کیں۔ بہت خوبصورت بات خواجہ ابوالحسن نوریؒ نے ارشاد فرمائی کہ ”پہلے نام نہیں تھا مگر تصوف حقیقت تھا۔ اب نام ہے مگر تصوف میں حقیقت نہیں ہے“۔

خواتین وحضرات! یہ اوصافِ حمیدہ کا ایک ذِکر تھا، مصاحبتِ کردارِ رسول ﷺ تھی اور سب سے بڑھ کر اللہ کی شدید ترین محبت کا نام تصوف تھا۔ اتفاق یہ ہوا کہ جو لوگ اِس تجربہءِ انس و محبت سے نہیں گذرے، جو لوگ انائے ذات کے شکار ہوئے، جن لوگوں نے علمیت اور ادبیت کو ہی حرفِ آخر سمجھ لیا، وہ ان تمام تجربات کے منکر ہو گئے جنکا ذکر صوفیاء نے کیا تھا اس لئے کہ تصوف ایک ایسا دربار ہے، ایک ایسا علم ہے، جس میں ناشناس کو کوئی رستہ نہیں ملتا، جس میں صرف صاحبِ اخلاص ہی درک رکھتے ہیں۔ ان چلمنوں کے پار کھڑے ہوئے لوگ اِن کے بارے میں بہت بدگمانیاں رکھتے ہیں۔ بہت اوٹ پٹانگ تصوور رکھتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ شاید فلسفۂ یونان سے مشتق ہے، کوئی کہے گا کہ اس میں صرف مروّجہ علوم کا کمال ہے اور کچھ بھی نہیں ہے، مگر تصوف میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک سادہ ترین جدو جہد کا آغاز ہے، ایک ایسا آغاز جس میں انسان اُس

صحرانشین کی طرح ہوتا ہے جسے صحرا میں کوئی نشان نہیں ملتا اور گھرے تاریک آسمان تلے جب اسے کوئی رستہ نہیں ملتا تو اِسے کسی رہنما کی تلاش ہوتی ہے۔ کسی ایسے بزرگ و برتر ساتھی کی تلاش ہوتی ہے جو اسے اس ویرانے سے نکال کر کسی متمدن بستی تک پہنچادے۔

خواتین وحضرات! اپنے ذاتی واقعے میں سیدِ ہجویرؒ کے حوالے سے میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ جب تلاشِ خدا کی ایک ذرا سے تڑپ میرے دل میں پیدا ہوئی، اس سے پہلے بڑا ضروری ہے کہ میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ یہ تڑپ کیوں پیدا ہوئی؟ اپنے مطالعاتی دور میں مشرق و مغرب کے تمام علوم کو دیکھتے ہوئے ممکنہ حد تک ان کے مطالب سے جب میں نے اچھی طرح رسوخ حاصل کر لیا تو میرے ذہن میں ایک فطری سا سوال پیدا ہوا۔ سوال یہ تھا کہ سُنا جاتا ہے، کہا جاتا ہے، معلوم ہے کہ علم سکون عطا کرتا ہے......! اتنا کچھ پڑھنے اور جاننے کے باوجود، ہزارہا اوراقِ علم کھولنے کے باوجود میرا دل سکون سے کیوں خالی ہے؟ یہ سوچنا پڑتا تھا کہ ہیگل اور کانٹ اور برگساں کیوں مجھے سکون نہیں دیتے؟ کیا یہ تفاخر کافی ہے کہ کسی بڑے عالم کو پڑھ کر، اُسے quote کر لینا سکون کا باعث ہے؟ ایسا تو نہیں تھا، ایسا تو کوئی عالم دُنیا میں نہین تھا کہ جس کی تعلیمات کے بعد میں ایمانداری سے یہ اعلان کرتا کہ لوگو! میں نے سکون پالیا، امن پالیا، جستجوئے خیال پالی، اس نے میرے صحرانشین دل کو تمدن کا ایک گھروندہ دے دیا، ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا۔

اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ خدا ہے ہی نہیں......اس لئے کہ خدا رسیدہ لوگوں کو دیکھا۔ ایسے بندوں کو بہت دیکھا جو دعویٰ شناسائی ربِّ کریم رکھتے تھے، ان لوگوں کو بہت دیکھا، مگر کسی میں ایسا سُراغِ حقیقت نہیں مِلا۔ معلوم ہوا کہ وہ اپنے آپ کو جانتے بھی نہ تھے، وہ تو ایک general psychology of the self کے بھی شناسا نہ تھے، وہ Psychology of the self جو مغربی علماء نے متعارف کروائی تھی۔ وہ اِس psychology کے general standard پر بھی پورے نہ اُترتے تھے۔ ان کو ہم کیا خداشناس سمجھتے؟ سنا گیا ہے کہ خدا کی شناخت، شناختِ ذات سے بہت آگے کی بات ہے۔ سُنا گیا ہے کہ جہاں زوالِ علمِ نفسیات شروع ہوتا ہے وہیں سے شناختِ خداوند کا علم شروع ہوتا ہے کیونکہ نفسیات اللہ کے لیے نہیں پڑھی جاتی۔ Self کا یہ علم Self ہی کے عروج اور بہتری کیلئے ہے۔ دُنیا کا بڑے سے بڑا نفسیات دان اپنا یہ claim نہیں رکھتا کہ:

"مَن عَرَفَ نَفسَهُ فَقَد عَرَفَ رَبَّهُ"

(جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔)

نفسیات کے کسی عالم کا خیال، شعور اور منزل تلاشِ خداوند نہیں ہوتی بلکہ وہ تلاشِ خداوند کو بھی آسیب سمجھتے ہیں۔ایک ایسا نظریہ جو شاید کسی وہم اور وسوسے کی پیداوار ہے، شاید کسی psychotic brain کی تخلیق ہے، شاید وجود کے اندر کسی جناتی وجود کی پیداوار ہے۔ایسا مرحلہ جب کہیں پیش آیا تو خواتین وحضرات! اس تلاش میں، میں بہت عرصہ سرگرداں رہا کہ کوئی ایک ایسا فاضل، دانش ور، کوئی ایسا اللہ کا بندہ تو ہو جو مجھے خدا کے رستے سے آشنا کر دے۔

خواتین وحضرات! اس تلاش میں، میں ایک مرتبہ آستانہء ہجویرؒ پر حاضر ہوا، بڑا گلہ کیا۔ میں نے ان سے کہا: تم لوگ لفّاظ ہو، بے کار کی بحثوں میں تم نے لوگوں کو الجھائے رکھا، جمع و وحدت میں الجھائے رکھا، صدق وصفا میں الجھائے رکھا۔بھلا اگر تم ایسے لوگ تھے اور تمہارے پیچھے آنے والے بھی تھے اور اگر آپ کہتے ہو کہ زمین اقطاب سے خالی نہیں ہوتی، نقیبوں اور نجیبوں سے خالی نہیں ہوتی تو ایک متلاشی کو کون سراغ دے گا؟ کہاں سے لاؤں گا وہ رہبر، کہاں سے لاؤں گا وہ دانش ور، جو حجابِ ذات سے مجھے آشنا کر دے؟ کوئی ایسا سُراغ تو ہوگا آپ کے پاس؟ مگر کیا افسوس کی بات ہے کہ زمانے کی ہر گلی اور کوچہ گھوما پھرا ہوں، معاشرے کے ہر فرد و بشر کو دیکھا ہے؟ تمکنت نظر آتی ہے، دعویٰ نظر آتا ہے؟، وعدے نظر آتے ہیں، مگر یہ خالی خولی لوگ کسی کو خدا کے رستے پر پہنچانا تو بہت دُور کی بات ہے، یہ تو خدا کی یاد کے رستے بھی لوگوں پر مسدود کر دیتے ہیں......

جواب کیا ملنا تھا۔جواب تو کچھ بھی نہ ملا سو میں غصّے، افسوس اور رنج سے واپس پلٹا۔ اتفاق یہ دیکھئے کہ میز پر "کشف المحجوب" کھُلی پڑی تھی۔اتفاقاً، کچھ غصّے سے، میں نے اس کتاب کے اس صفحے پر نظر ڈالی جو کھلا ہوا تھا، تو میری توجہ حضرت ابوسعیدؒ کے اس سوال پر گئی کہ سید ہجویرؒ اسے مخاطب کر کے کہہ رہے تھے کہ اے ابوسعید! ایک وقت تھا کہ ہم زمین پر خدا کی تلاش کیلئے نکلے تھے۔ہمیں بے شمار رہبر ملے، بے شمار اللہ کے ولی ملے، بے شمار دوست ملے، ہم نے سینکڑوں لوگوں سے کسبِ فیض کیا، کسی سے حال لیا، کسی سے مقام لیا، کسی سے غیبت لی، کسی سے حضور لیا، کسی سے صدق وصفا لیا، مگر اے طالبِ اللہ ایک وقت آئے گا کہ تیری بے چارگی پر ہمیں افسوس ہوا کہ تُو کوچہ کوچہ، گلی گلی پھرے گا، تجھے ایسا کوئی شخص نظر نہ آئے گا، جو تجھے رشد و ہدایت کے کسی سلسلے

تک پہنچائے، مجھے ایک بات بتا کہ پھر کیا تُو خدا کی تلاش چھوڑ دے گا؟ یہ جملہ مجھے بڑا اچنبھا لگا کہ سیدؒ نے کہا کہ پھر کیا تُو خدا کی تلاش چھوڑ دے گا؟ تو میری اتنی بات ضرور یاد رکھنا کہ وہ ہے ......وہ موجود ہے......وہ خلق کی رضا سے بہت بالا ہے، وہ شکوک وشبہات سے بہت بلند ہے اور جو اسے تلاش کرے گا، چاہے کسی زمانے میں بھی کرے، چاہے کسی وقت میں بھی کرے، وہ اسے ہر حال میں اپنے رسوخ تک، اپنی ملاقات تک، شناسائی تک، مصاحبت تک، ہمسائیگی تک ضرور پہنچائے گا۔

خواتین وحضرات! یہ میرے سوال کا جواب تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ اس سوال کا جواب بھی تھا کہ بڑے بڑے اولیاء اللہ تعالیٰ نے، بڑے بڑے ماہرینِ تعقل نے، بڑے بڑے متجسس حضرات نے شیخ کے بارے میں یہ کیوں لکھا کہ:

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

یہ کتاب ''کشف المحجوب''، جس مقصد سے لکھی گئی، اصل میں اس کتاب کے پیچھے جو خواہش تھی وہ آج بھی اسی طرح زندہ ہے۔ اس سے زمانوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا، اوقات اس کے رستے میں حائل نہیں ہوتے، آج بھی جسے خدائے بزرگ و برتر کی تلاش ہے، جسے محبت کی تلاش ہے، اللہ کے قرب اور ہمسائیگی کی تلاش ہے، آج بھی اسے ''کشف المحجوب'' بھرپور رہنمائی دیتی ہے ۔جیسے ان کے اپنے زمانے میں لوگوں کو رہنمائی میسر تھی۔

خواتین وحضرات! تصوف کی عمومی دنیا پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو بہت اولیا ہیں جو بڑے قابل قدر ہیں، انکے بڑے خوبصورت اور قیمتی اقوال ہیں، ان کا ہر قول عمل میں جانے کے بعد اپنی خاصیت دکھاتا ہے۔ سید ہجویرؒ فرماتے ہیں کہ ''متصوف بھی بہت ہیں، متصرف بھی بہت ہیں لیکن صوفی بہت کم ہیں۔'' Intellectual heights پر جا کر تلذذِ گفتگو صوفیانہ بھی ہوتی ہے۔ شعر میں بھی ہم کسی شاعر میں تصوف کا پہلو نکال لیتے ہیں۔ تصوف نکالنا بڑا آسان ہے maturity کے کسی بھی pattern سے ہم دراصل خلق کے مباحث میں پڑ جاتے ہیں۔ consensual mental اور temporal mysticism کو ہم تصوف سمجھتے ہیں۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔ پینتیس سال کی شاعری کے بعد اگر ایک شاعر اچھا شعر لکھ دے تو وہ شاعری کا تصوف ہوسکتا ہے مگر تصوف نہیں ہوتا۔ ہر چیز ایک مرتبۂ کمال تک پہنچتی ہے اور ہر مرتبہ کمال کو تصوف کہا جا سکتا ہے۔ But it is the mysticism of the same thing

which we are studying. It is not the mysticism which we call. اللہ کے علم کو ایسا بالکل نہیں کہا جا سکتا، مصیبت یہ ہے کہ intellectual جب اپنی انا میں کسی تجربہءِ زندگی سے نہیں گزرتا تو وہ ہمیشہ اس علم کو discard کرتا ہے یا اس کو خرافات پر مبنی ایسی سوچ قرار دیتا ہے، جو non-applicable ہے۔ کسی نے کہا کہ صوفی ازم دُنیا سے کنارہ کشی ہے۔ کسی نے کہا کہ صوفی ازم ایک قصئہ پارینہ ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تلاش محض ایک فریب اور دھوکا ہے مگر حقیقت یہ تھی کہ ان لوگوں کو تصوف سے کسی قسم کی کوئی شناسائی حاصل نہ تھی۔

خواتین وحضرات! سیّد ہجویرؒ نے تصوف میں چند ایک باتیں ایسی کہیں، جیسے میں نے ان سے سمجھا، خلاصۃً آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اتفاق یہ ہوا کہ میرا واسطہ کچھ ایسے لوگوں سے پڑا کہ جو مجھ سے بار بار سوال کرتے تھے: کسی نے کہا کہ میں نے پندرہ برس خدا کو تلاش کیا، میں نے کیوں خدا کو نہ پایا، تجھ میں کونسے سُرخاب کے پر لگے ہوئے تھے۔ کسی نے مجھے کہا کہ یہ تصوف کیوں نہیں تسکینِ قلب کا باعث بنتا، کسی نے کہا کہ بغیر رشد و ہدایت تصوف ہو نہیں سکتا، کسی نے کہا کہ بیعت کرنا کتنا لازم ہے، بغیر بیعت کب کوئی صوفی ہو سکتا ہے مگر یقین جانیئے کہ تصوف کا ان باتوں سے قطعاً کوئی تعلق نہیں تھا، کسی ایسی rigidity سے، کسی ایسے تخصیصی مراتب سے تصوف کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کوئی بندش ایسی نہیں ہے جو بندے کو خدا تک پہنچنے سے روک سکے مگر صرف ایک ہے کہ وہ خالقِ کُل، وہ صاحبِ کائنات، وہ جو سب سے بڑا ہے، وہ اپنی حیثیت سے کم درجے پر اُترنا پسند نہیں کرتا۔ اگر آپ اپنی ترجیحاتِ زندگی کو اپنا مقصدِ حیات بنائیں اور اگر آپ یہ چاہیں کہ خدا آپ کو نصیب ہو تو آپ کو سب سے پہلے اس ذہنی منافرت کو دور کرنا ہوگا جو آپ کے اور اللہ کے درمیان ہے۔ اللہ کسی بھی قیمت پر، کسی بھی درجہء ثانویہ پر اترنے والا نہیں ہے۔ اگر آپ کو اللہ نہیں مل رہا ہے تو اسکی واحد وجہ یہ ہے کہ بقول سیّد ہجویرؒ خدا کو جاننا، ماننا اور اُسے، اسکے غیر کی نفی کے برابر تسلیم کرنا ضروری ہے۔ مگر جہاں اللہ نے ہمیں اجازت دی، ہر اُس چیز سے فائدہ اٹھانے کی جو اس زندگی کیلئے کار آمد ہے، وہاں ایک قید ضرور لگائی کہ اگر تم دوسری ترجیحات کو مجھ پر ترجیح دو گے تو پھر میں کسی قیمت پر تم سے ملنے والا نہیں ہوں۔ یہ توہینِ مرتبہءِ عالیہ اُس کو کسی قیمت پر پسند نہیں ہے۔ اگر آپ کی ذہانت، آپ کا علم، آپ کا کوئی چھوٹا سا درجہء respect بھی اللہ کا نہ بنا سکے تو پھر آپ اللہ کے قابل نہیں ہو۔ خالق کبھی مخلوق کے مراتب تک

نہیں اتر تا۔ وہ تمام دعویٰ علمیہ ناقص ہے، جس میں کسی شے کو، کسی فرد کو، کسی بھی قسم کے علم کو جب آپ خدا کے علم سے برتر جانتے ہو تو پھر اللہ آپ سے بالکل نہیں ملتا مگر میں جانتا ہوں، آپ بھی جانتے ہیں کہ ہم اعمال سے اپنے اس دعویٰ کو پورا نہیں کر سکتے۔

ہمارے اعمال سست رو ہیں، خیال بہت تیز ہے، یہ اشہبِ خیال برق رو ہے اور یہ پتہ نہیں کہاں سے کہاں کی زقند لگا تا ہے، تجلیاتِ فکر آسمان گیر ہیں، یہ زمین سے افلاک سے نکل جاتی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بدن زمین سے باہر نہیں نکل سکتا، وجود سست رو ہے، اسکو خیال تک آتے ہوئے بھی برسوں لگ جاتے ہیں، حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: " توبہ آسان ہے، ترکِ گناہ مشکل ہے۔" اسی طرح ذہن سے کسی چیز کا انکار کر دینا آسان ہے مگر اس کے مطابق عمل کرنا مدتوں کی بات ہے، برس ہا برس کی بات ہے، مگر خواتین و حضرات! اللہ کو آپ کے اعمال سے اتنی غرض نہیں ہے، اسکو تو اُس دولتِ فکر، اُس امانتِ علمیہ سے غرض ہے جو اس نے ہر اِک سے چھپا کر، ہر اِک سے ہٹا کر آپکو دے دی تھی اور کام صرف اتنا رکھا تھا کہ مجھے پہچانو گے کہ نہیں۔ اُس وقت اس نے یہ بھی کہا کہ:

"اِنَّهُ كَانَ ظَلُو ماً جَهُولاً" (الاحزاب 72:33)

(بے شک وہ ظالم ہے، جاہل ہے۔)

تم انصاف نہیں کر سکو گے maintain 'priorities نہیں کر سکو گے لیکن جب ہم ایک دفعہ ذہنی طور پر یہ عہد کر لیتے ہیں، چاہے اس پر عمل کریں یا نہ کریں مگر بڑے خلوص سے جب یہ عہد کر لیتے ہیں کہ اے مالک و کریم! میں اپنی سابقہ غلطیوں سے توبہ کرتا ہوں، میں نے حماقتیں کیں، اب مزید نہیں کروں گا، مجھ سے کچھ کوتاہیاں ہوئیں، اب میں اس سے بڑی کوتاہی نہیں کروں گا، اب تجھ سے بڑھ کر میری کوئی ترجیح نہیں ہوگی۔ تُو میری ترجیح اوّل ہے، اب مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس ترجیح کے ساتھ باقی زندگی گزاروں۔ جب آپ نے یہ mental decision لے لیا تو اللہ کی آپ سے ضد ختم ہوگئی۔ اللہ کا مقصد پورا ہو گیا، باقی رہے افعال و اعمال...... حضورِ گرامی مرتبتؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ زمین و آسمان بنانے سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ نے آپ کے قاعدہ، قانون، ضابطہ اخلاق، کام سب کچھ لکھ کر رکھ دیا ہے، پھر آپ کو وہ اعمال دے دیئے جائیں گے جو آپ کی ترجیح کے مطابق ہونگے، پریشانیاں اس کے مطابق ہوں گی، sugar اور renal failure اس کے مطابق ہوں گے۔ بے سکون تب ہونگے، بے چین تب ہونگے،

جب آپ اپنی ترجیحِ اوّل کے تعین میں ناکام ہو جائیں گے۔

خواتین وحضرات! یہ اتنا بڑا اسبق ہے جو ہمیں سید ہجویرؒ سے ملتا ہے، سید ہجویرؒ کیوں؟ یہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ اور صاحبانِ اہلِ بیعت کے بعد اتنا بڑا عالم مشرق و مغرب میں کوئی نہ گزرا۔ تصوف کے چار بہت بڑے ستون ہیں، سید الطائفہ جنید بغدادؒ، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جو قطبِ عالم بھی ہیں، غوثِ زمانہ بھی ہیں اور امامِ مغرب خواجہ ابوالحسن شاذلیؒ، مگر سیّد ہجویرؒ سب پر بازی لے گئے۔ اتنا exactitude ہے، داخلی اور خارجی کیفیتوں میں اتنا توازن ہے اور تحریرات میں اتنی scientific approach ہے کہ بہ حیثیت ایک چھوٹے سے شاگرد کے جب میں نے اپنا thesis ایک انگریز پروفیسر کو سنایا تو اس نے مجھے ایک complement دیا Which looks like a very good compliment to me. اس نے کہا His approach towards God is scientific یعنی اتنی as we approach quantum and relativity approach میں نے سیّد ہجویرؒ کے علاوہ اور کسی صوفی میں نہیں دیکھی۔

انہوں نے ہر کیفیت اور اس کے خطرات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے، وطنات کو explain کیا ہے، وہ خطرات جو وطن بن جاتے ہیں، وہ آسیب زدگیاں جو ہمارے ذہن کی possessions اور obsessions بن جاتی ہیں، جہاں سے نکلنا ہمارے لئے مشکل ہوتا ہے اور وہ حجابات جو عارضی ہیں اور جنکو اللہ کے نام کے ساتھ دور کیا جاتا ہے۔ سیّد ہجویرؒ اس معاملے میں جب واقعاتِ صوفیاء بیان کرتے ہیں تو ساتھ ساتھ اپنی ایک مکمل رائے بھی دیتے ہیں کہ یہ extremity ہے، اس سے بچ کر رہنا۔ وہ بتاتے ہیں کہ یہ صوفیاء بڑے صوفیاء تھے مگر گریز کرنا ایسے تصوف سے، جس میں extremity تم نبھا نہ سکو۔

سب سے بڑی خوبی جو سیّد ہجویرؒ میں ہے کہ وہ اتنا out spoken اور صاف ستھرا شخص ہے کہ اپنی کمزوری کو بھی علم کیلئے آشکار کر دیتا ہے۔ یہ آج تک کسی صوفی نے نہیں کیا۔ وہ جب علم کی بات کر رہا ہوتا ہے تو اپنی عزت کو بھی ترک کر دیتا ہے۔ اپنی respect کو بھی خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ سماع کی گفتگو میں آپؒ نے فرمایا: ''خدا معاف کرے ان مجالس سے جن میں ہم جاتے تھے، وہاں چھتوں سے عورتیں لگی ہوتی تھیں اور محافل میں بے ریش لونڈے بیٹھے ہوتے تھے''۔ شیخؒ نے وضاحت سے بتایا کہ ہم ان خطرات سے خالی نہ تھے، بظاہر تو ہم اسی لئے سماع کی

محفلوں میں جاتے تھے، مگر دراصل ہماری اندرونی نیتوں میں کتنی خرابی تھی! شیخ ؒ نے جب خطرات کا ذکر کیا تو فرمایا کہ: "ایک پری چہرہ کا میں نادیدہ عاشق ہوا اور دو سال میں نے غربتِ حق میں گزارے اور قریب تھا کہ میں اپنا زہد و ایمان کھو بیٹھتا، شناختِ خداوند سے عاری ہو جاتا کہ اللہ نے مجھ پر احسان کیا اور اسکا کرم میرے شاملِ حال ہوا اور میں اس کے قبضہ سے نکلا اور اپنی راہ پر گامزن ہوا۔" بھلا ایسا frank استاد کہاں سے ملتا؟ یہاں تو تقدس مآب اپنی داستانِ تقدس میں آپ کو ایسا غرق کر دیتے ہیں کہ خوف و وحشت سے آپ الجھ جاتے ہیں مگر ایک کام ہم بھی بڑا غلط کرتے ہیں، ہم صوفیاء کو ان کے آفاقی کناروں سے دیکھتے ہیں، ہم صوفیاء کو زمین پر نہیں دیکھتے۔ ہم اس عبدالقادر جیلانی ؒ کو نہیں دیکھتے جو زمین پر تصوف کی تلاش میں، اللہ کی تلاش میں نکلا تھا، ہم تو غوثِ زمانہ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں، قطب الاقطاب کو دیکھ رہے ہوتے ہیں، ہم اس معین الدین شیخ اجمیری کو نہیں دیکھتے جو باغ میں معمولی سی مزدوری کر رہا تھا۔ ہم اُس نظام کو نہیں جانتے جو دو وقت کی روٹی کیلئے بھاگتا پھرتا تھا، ہم تو نظامِ دہلی ؒ کو جانتے ہیں۔ یہ سب سے بڑی غلطی ہے، ہمیں ان بزرگوں کے مقامات نہیں دیکھنے چاہئیں۔ ان مقامات کے علو مرتبت نہیں دیکھنے چاہئیں، یہ بعد کی بات ہے، یہ محبت و عزت کی بات ہے۔ ہمیں تو ان لوگوں کا آغاز دیکھنا چاہیے۔

کیا آپ آغاز ان کے ساتھ share نہیں کر سکتے؟ یہی سیّد ہجویرؒ نے فرمایا۔ کیا آپ کو پتہ نہیں کہ سیّد ہجویرؒ نے حضرت فضیل بن عیاضؒ کے ذکر میں لکھا کہ وہ پہلے ڈاکو تھے۔ عبداللہ بن مبارک مروزی ؒ کے بیان میں لکھا کہ وہ تمام رات ایک طوائف کے گانے کیلئے اس کے دروازے کے نیچے کھڑے رہے۔ کیا وہ ہم جیسے ہی نہ تھے؟ پھر اُن پر ایک چیز غالب آئی، انہوں نے معاملاتِ زندگی کو سمجھ لیا، عقلِ سلیم نے انہیں تھاما اور پھر وہ خدا کے رستے پر گامزن ہو گئے۔ گناہ و ثواب سے صوفی کو اتنی غرض نہیں ہوتی۔ انکا گناہ خدا سے غیاب ہے اور انکا حضور، جس میں انکا غیاب شامل ہو جائے، انکی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہوتا ہے۔ یہ غیب و حضور کی باتیں فلسفیانہ نہیں ہیں۔ انکا کوئی تعلق فلسفہ اور دانش سے نہیں ہے۔ انکا تعلق طلب سے ہے، خیال سے ہے، محبت سے ہے۔ بھلا محبت کرنے والا کب صاحبِ محبت سے جدا ہونے میں راضی ہو جائے گا؟

خواتین و حضرات! صوفیاء کے جو اقوال سیّد ہجویرؒ نے quote کیے ہیں وہ اپنے اپنے مقام پر کچھ ایسی حقیقتوں کی نشان دہی کرتے ہیں، جن کی طلب آپ کے لئے لازم ہے۔ ذرا

غور کریں کہ ہم گردش و بلا سے کتنے حیران اور پریشان ہوتے ہیں، ہم ہر لمحے اس سے آزاد ہونا چاہتے ہیں، مگر صوفی یہ کہتا ہے کہ: "جو بھی غم سے دور ہے، اس پر آخرت کا عذاب لازم ہے"۔ کیونکہ یہ طریقِ خداوند کے خلاف ہے۔ دُنیا دارالمحن ہے، یہاں اس نے آپ کو آزمائش کیلئے بھیجا ہے۔ تین طریقے ہیں خدا کو پانے کے اور تینوں طریقوں میں بلا ہے، تینوں طریقوں میں پیغمبروں نے ان بلاؤں کی فطرت کو واضح کیا ہے۔ تصوف میں تین بڑی approaches ہیں۔ سیّدِ ہجویرؒ میں وہ تینوں approaches مکمل موجود ہیں۔ آج کل کے بہت سے school of thoughts دنیوی تعلیم کو دینی تعلیم سے جدا کرتے ہیں مگر سیّد ہجویرؒ نے فرمایا کہ "تمام علوم سے ان کی تحصیل بھی کرو اور اتنا ضرور لے لو، جو کہ خدا کی شناخت کیلئے لازم ہے"، اگر علوم نفس کیلئے psychology ہے، علومِ ہیئت کیلئے cosmology ہے، عمرانیات کیلئے anthropology ہے تو یہ علوم آپ کہاں سے سیکھو گے؟ کہاں سے ان علوم کی معرفت ملے گی؟ بڑا احسان کیا مغرب نے، اگرچہ انہوں نے اپنے آپ پر نہیں کیا، کہ خدا کا رستہ آپ پر آسان کر دیا۔ کیا عجیب بات ہے کہ ہم لوگ ان کو follow کرنے میں خدا کا رستہ بھول جاتے ہیں۔

اگر علمِ نفسیات کمتر نفس سے، بہتر نفس کو لے جاتا ہے تو جہاں نفسیاتِ بالا کی حدود ختم ہوتی ہیں، وہاں خدا کی شناخت شروع ہوتی ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ نفسیات جہاں اختتام پذیر ہوتی ہے وہاں آپ نفس کو مربی اور محترم جانتے ہیں۔ وہاں ایک better self کو recognition چاہیئے، اُسے حُب جاہ چاہیئے، اسے ہر صورت میں اپنے لئے محبت چاہیئے، مگر قرآنِ حکیم میں اللہ نے اسکا قانون بدل دِیا، کہ نفس کسی بھی حال میں خدا کا دشمن ہے، خواہ وہ کمتر ہو، خواہ وہ بہتر ہو، خواہ وہ وحشی ہو، خواہ وہ مہذب ہو:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (النّٰزعٰت 40:79)

(اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرے اور نفس کو خواہش سے روکے)

ہم نے ہر حال میں اس کی مخالفت کرنا ہوتی ہے۔، جب علومِ ظاہرہ سے آپ کے علوم نفس کی تکمیل ہوتی ہے تو پھر لازم ہے کہ کسی صوفی سے، کسی طریق سے رہنمائی حاصل کریں اور اگر کوئی نہ ملے تو پھر لازم ہے کہ "کشف المحجوب" سے وہ طریق ضرور سیکھے، جو اس آخری درجہء کدورتِ دل کو آپ سے دور کر دے اور ہر حال میں آپ کو نفس پر غالب کرے۔

خواتین و حضرات! جیسے آج ہم گلہ کرتے ہیں کہ زمانہ خراب ہے، ہم گلہ کرتے ہیں کہ

وقت درست نہیں ہے، بُرائیاں بہت بڑھ گئیں، اخلاقیات بہت کم ہو گئے، تو حضرتِ ہجویریؒ اپنے زمانے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''جب فقراء خراب ہوں، کم علم ہوں، کم فہم ہوں تو آدابِ مذہب جاتے رہتے ہیں، جب علماء خراب ہوں تو مذہب کا علم جاتا رہتا ہے، معمولات خراب ہو جاتے ہیں، معمولات اور منقولات کی دُنیا اجڑ جاتی ہے اور تعلیم جہالت کا شکار ہو جاتی ہے'' اور فرمایا کہ ''جب علم خراب ہو جائے تو زمانہء جاہلیت کے بھی کچھ اخلاق ہوتے ہیں'' جیسے آج یورپ میں ہے، یورپ میں آج بھی جہالت ہے۔ technical progress ان کو عالم ثابت نہیں کرتی، وہاں زندگی کے مقاصد کے تعین میں واحد مقصد کا تعین ہی نہیں ہو رہا۔ آج تک میں نے کسی یورپ کے دانش ور اور فلاسفر کو نہیں دیکھا جس نے زندگی کی ترجیح کو سوال بنایا ہو۔ میں تسلیم کی بات نہیں کرتا، جو کہ بہت بعد کی بات ہے مگر کسی مذہبی فکر کے فلاسفر نے، دانشور نے، مغرب میں خدا کی research کو کبھی موضوع نہیں بنایا اور نہ صرف یہ کہ موضوع نہیں بنایا بلکہ آج تک کوئی عالم مغرب میں ایسا نہیں گزرا جس نے پچیس سال تحقیقِ کارِ خداوندی کی ہو اور اس کے بعد کہا ہو کہ اللہ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم اُس کو داد دیتے۔ اگر پچیس یا تیس برسوں کی تحقیق کے بعد کوئی برگساں، کوئی کانٹ، کوئی ہیگل، کوئی وائٹ ہیڈ، کوئی رسل ہمیں یہ بتاتا کہ میں نے بہت جستجو کی، جس چیز کو تم مانتے ہو، جس تصور کو تم خدا سمجھتے ہو، وہ دراصل کوئی نہیں ہے، تو ان کی رائے معتبر ہو سکتی تھی مگر ایسا تو کبھی ہوا ہی نہیں۔ یورپ کے کسی دانشور نے نہ کبھی خدا کی تلاش کی، نہ اُس حقیقتِ عالیہ کو کبھی چاہا۔ انہوں نے اسے از خود ایک rejected اور تصوراتی subject قرار دیا، اور اس داخلی کیفیت کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔

نیوٹن جیسے معمولی سے مغربی مفکر نے بارہ سال کششِ ثقل کے اصول کی دریافت میں صرف کیئے۔ Flemming کی پنسلین کی دریافت میں بارہ سال لگ گئے مگر ایسا تو کوئی مفکر اُدھر نہیں گزرا جس نے بارہ سال ہر کام چھوڑ کر صرف خدا کی تلاش کی ہو، اپنی ترجیح اوّل کو سنوارنے کی کوشش کی ہو اور پھر ہمیں کہا ہو کہ دیکھو اے لوگو! تم غلط تھے، اللہ کوئی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً وہ خدا کو پالیتا۔

خواتین و حضرات! حضور ﷺ کا ارشاد quote کرتے ہوئے سیّد ہجویریؒ نے فرمایا کہ ''بے علم عبادت گزار ایک گدھے کی طرح ہے جسے آٹے کی چکی سے باندھا جاتا ہے اور وہ اسے گھماتا ہے''۔ اس کو کچھ پتہ نہیں، اس کا ذہن متجسس نہیں، اسے ایک routine پر عمل کرایا

جاتا ہے۔یہی حال ان تمام مسلمانوں کا ہے کہ

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ اسلام

ان کو خاندانوں سے، اپنے پُرکھوں سے اسلام کی نعمت تو مل گئی مگر غور وفکر سے عاری۔ جیسے پڑھا، دیکھا، اسی طرح عمل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اگر وہ اسلام میں علم کو استعمال کرتے، اگر علم کے ذریعے اسلام کو پاتے اور مجاہدۂ ذات میں جاتے، مجاہدہ فکر میں جاتے تو وہ یقیناً اللہ کی تلاش کے مقصود کو پالیتے اور یہ گلہ قرآن حکیم میں بار بار اللہ نے اہل کفر سے کیا ہے کہ اے اہلِ کفر! اگر تم غور کرتے تو ایسے دلائل و براہین موجود تھے کہ تم مجھے پا جاتے۔ خواتین وحضرات! اللہ بے انصاف نہیں ہے، جو گلہ وہ اہلِ کفر سے کرتا ہے، وہی گلہ وہ آپ سے بھی کرتا ہے کہ میراث میں تو آپ نے اسلام کو پالیا ہے مگر اس کو سمجھنے کی کوئی جدوجہد نہیں کی، اس پر غور وفکر کرنے کی اور اللہ کو جاننے کی کوئی کوشش آپ نے نہیں کی۔ یہ یاد رکھئے کہ خدا ہر شخص کا نصیب ہے، اگر آپ اسے پانے کی کوشش نہیں کر رہے تو آپ بے نصیب ہو۔ اللہ نے ہر سطح پر، ہر level پر، ہر مقام پر، ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ ترین مفکر تک اپنی approaches کے رستے کھول رکھے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد، اسے شعوری فضیلتیں عطا کرنے کے بعد خواہ وہ کسی درجے کی بھی ہوں، وہ اپنی ذات کو ان سے حجاب میں ڈال دے۔ وہ ہر آدمی کو اس کی قدر کے مطابق جواب دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قبر کا سوال بے معنی ہوتا اور ناانصافی ہوتی کہ اللہ جنت اور دوزخ کے criteria میں لے جا کر جسے آپ قبر کہتے ہو، وہاں وہ ہر فرد سے پوچھتا: مَنْ رَبُّکَ' اَن پڑھ سے کیوں پوچھتا؟ بے علم سے کیوں پوچھتا؟ اگر یہ سوال اس نے ہر ایک سے پوچھنا ہے تو دو ہی صورتیں واجب ہیں، یا وہ بے انصاف ہے یا کم از کم اس سوال کا جواب دینے کی استطاعت اس نے ہر فرد و بشر میں رکھی ہے،۔ ہر فرد و بشر میں یہ استطاعت موجود ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے: " مَنْ رَبُّکَ " تو وہ کہہ سکتا ہے:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی لئے حدیث میں آیا ہے:

افضل الذکر لا الہ الا اللہ

اگر آپ اس کلمے کا ورد زمین پر کرو گے تو آسمان پر بھی ہوگا تو پھر یقیناً قبر آپ کو کچھ نہیں کہے گی۔ آپ کو صرف repeat ہی کرنا ہوگا اور یہ وہ نقطۂ عالیہ ہے جو ایک کمزور ترین بندے سے لے کر

اعلیٰ ترین بندے تک کے لئے یکساں ہے۔

حضرت علی بن پندار صیرفیؒ نے ایک دفعہ کہا:

''قیامت تک لوگ یہی کہتے رہے اور کہتے رہیں گے کہ ہائے دل! ۔۔۔ ہائے دل ۔۔ مگر مدتیں گزر گئیں، میں نے کوئی ایسا شخص نہ دیکھا جو یہ بتا دے کہ یہ دل ہوتا کیا ہے؟ یہ لوگ کس کو ''ہائے دل'' کہتے ہیں......؟؟؟''

یہ تو کسی anatomy کے specialist ہی کو معلوم ہو گا کہ دل تو چار حصوں Arteryاور Ventricles پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ آپ ہر بات اور فقرے میں جو ذکرِ دل کرتے ہیں اس کے بارے میں علی بن پندارؒ فرماتے ہیں کہ مدتیں گزر گئیں، کسی کو آج تک یہ پتہ نہیں چل سکا اور نہ کبھی کسی نے بتایا کہ دل کیا ہے......؟

ذہن کا ایک لیول ہے، اس لیول سے کوئی بات اسی کے مطابق نکلتی ہے۔ اگر آپ صوفیاء کے صرف اقوال سن لیں تو وہ آپ کو عجیب نظر آتے ہیں کیونکہ ان کا level سارے زمانے سے زیادہ ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے پی ایچ۔ ڈی کے حوالے سے علم نہیں پرکھا جا سکتا۔ جو لوگ غور ہی مابعد الطبیعاتی حقیقت پر کر رہے ہوتے ہیں، جو لوگ خدا کی تلاش میں زندگی صرف کر رہے ہوتے ہیں ان کو جس محاورے سے غرض ہوتی ہے وہ بہر حال دنیوی محاوروں سے، دنیوی فکر سے، دنیوی تعلیمات سے کچھ اوپر اٹھ کر ان مقامات کو تلاش کر رہے ہوتے ہیں تو لامحالہ قرآن حکیم میں بھی اللہ نے کہا کہ:

" اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا "(فاطر 28:38)

(بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے اس کے عالم ہی ڈرتے ہیں۔)

اَولِيائي تَحتَ قَبَائي (حدیثِ قدسی)

(میرے لوگ میرے لبادے کے تلے ہیں۔)

اور اللہ کے لبادے کے تلے ہونے والا دوسرے بہت سے لوگوں سے بہتر ہونا چاہیئے۔ اگر ایک چھوٹی سی civil service بڑے بڑے امتحانات میں سے گزار کر AC, ASP یا DC بناتی ہے تو اللہ کی civil services کے لوگوں کا معیار تو کچھ زیادہ ہی ہونا چاہیئے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہم لوگ گلی کوچے میں رال ٹپکتے ہوئے مجذوبوں کو ڈھونڈتے ہیں، کم از کم ''کشف المحجوب'' پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معیار اللہ کے نہیں ہیں۔ سیّد ہجویریؒ نے شیخ جنید بغدادیؒ کو quote

کیا کہ کسی نے پوچھا: ''سکر تو بڑی شے ہے۔ یہ خدا میں فنا کا نام ہے۔'' شیخ جنیدؒ نے فرمایا: ''سکر تو بچوں کا کھیل ہے''۔ یعنی غور وفکر کرنا، ہر کیفیت کو ضبط کرنا اور مقامات علم وعمل کو طے کرنے کا نام تصوف ہے۔

شیخ آپ کو یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہے کہ کسی لذتِ خیال سے نکلنے کے دو طریقے ہیں جیسے آپ اپنے گھر کی باڑ کو اونچا نہیں ہونے دیتے، جب وہ بے ترتیب ہو جائے تو اسے قینچی سے کاٹ دیتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو لذت میں اتنی آگے بڑھ جائے کہ تصورِ خدا میں حائل ہو جائے اسے کاٹ دو، چاہے وہ لذتِ ادب ہو، چاہے لذتِ فلسفہ ہو، چاہے وہ محبتِ ذات ہو، چاہے وہ محبتِ والدین ہو۔ اگر آپ کا مقصد اللہ اور اس کی شناخت ہے تو نفس کی اشتہاء کو اور تمام معاملاتِ ذات کو جو آگے بڑھ کر آپ کو کسی بھی قسم کے تلذذ میں ڈال سکتے ہیں، ان کو کاٹ دو۔ اس قطع و برید کے بغیر آپ تصوف کی دنیا میں داخل نہیں ہو سکتے۔ تمام تر تصوف outgrowth ہے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک گزرنے کا نام ہے حتیٰ کہ آپ رضائے الٰہیہ کے مقام تک پہنچ جائیں۔ سن رکھئے! کہ اللہ کے حضور سے اپنے طلب گاروں کو جو سب سے بڑا مقام دیا گیا ہے وہ مقامِ رضا ہے۔ اللہ کی طرف سے کہا گیا کہ ہم آپ سے راضی ہوئے، اصحابِ رسول ﷺ سے کہا گیا کہ ہم آپ سے راضی ہوئے...... تمام فنا و بقاء اور جمع و وحدت سے گزرنے کے بعد اگر ایک جملہء مبارک اُس صاحبِ کائنات کی زبانِ مبارک سے نکل جائے کہ اے بندے! میں تجھ سے راضی ہوا تو آپ نے بقا یا فنا پالی، جمع پالی، وحدت پالی، توحید پالی، رسالت کے مطالب پا لیے، محبتِ خداوند پالی اور محبت رسول ﷺ پالی۔

تصوف بہت سے لوگوں کے نزدیک دعاوی پر مشتمل ہے مگر ایک بات اچھی طرح یاد رکھیئے کہ دعویٰ کرنے والا چاہے آسمان سے اُتر آئے، کبھی صوفی نہیں ہو سکتا، جو اپنے درجہء اوصاف میں آپ کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہو وہ صوفی نہیں ہے۔ دعویٰ تو بہت دور کی بات ہے، صوفی وعدہ بھی نہیں کر سکتا، جس کو اللہ کا پتہ ہے، جو خداوندِ کریم کو اچھی طرح جانتا ہے، اسکو اچھی طرح معلوم ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ وعدہ نہیں کر سکتا۔ وعدہ پورا کرنے والی ذات اللہ کی ہے اور دعوے کو سرکشی اور تمرد سمجھا جاتا ہے۔ آج بھی اگر آپ کو کسی صوفی اور غیر صوفی میں فرق کرنا مشکل لگتا ہو تو ان دونوں چیزوں کو معیار بنا کر آپ یقیناً اس سچی حقیقت تک پہنچ جائیں گے کیونکہ دعویٰ کسی مردِ خدا کو زیب نہیں دیتا۔ یہ اُدھار کا سودا ہے۔ زندگی اُدھار ہے، اکتساب اُدھار ہے،

آخرت اُدھار ہے، موت اُدھار ہے، بیوی اُدھار ہے، بچے اُدھار ہیں، خاوند اُدھار ہیں، رشتے ناطے اُدھار ہیں، عزت اُدھار ہے:

" اَللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ " (العمران 26:3)

(اے اللہ! مالک تمام ملکوں کے! تو بخش دیتا ہے ملک جسے چاہتا ہے اور چھین لیتا ہے ملک جس سے چاہتا ہے اور عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں ہے ساری بھلائی)

کیا اُدھار کے سودے پر کوئی ناز کر سکتا ہے؟ کیا اسے کوئی اپنا کہہ سکتا ہے؟ کیا انا کی شکست کے لیے کافی نہیں کہ آپ چیزوں کو خدا کی ملکیت سمجھو اور ان کی ملکیت اپنی طرف منسوب نہ کرو، کیا اس سے زیادہ کوئی بات آپکو عقلی طور پر تسکین دے سکتی ہے؟۔ یہ میری.... وہ میری.... آپ کا تو کچھ بھی نہیں ہے....

" زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَۃِ مِنَ الذَّھَبِ وَ الْفِضَّۃِ وَ الْخَیْلِ الْمُسَوَّمَۃِ وَالْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ط ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا "

(العمران 14:3)

(آراستہ کی گئی لوگوں کے لئے خواہشات کی محبت یعنی عورتیں، بیٹے، جمع کئے ہوئے خزانے، سونا چاندی، نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی۔ یہ سب دنیوی زندگی کا سامان ہے)

یعنی یہ گھٹیا متاعِ حیات ہے یہ تو میں نے تمہیں زمین پر گزر اوقات کیلئے دی ہے۔ ورنہ اللہ کے پاس تو اس سے کہیں بہتر ہے جو اس امتحان گاہ سے گزرنے کے بعد آپ کو ملے گا۔

خواتین وحضرات! تصوف میں صرف تین approaches ہیں، تین سے باہر کوئی approach نہیں۔ تینوں کا ذکر قرآن ہی سے ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور خارجی قوت نے کسی صوفی کو کوئی سبق نہیں دیا۔ پہلی approach بڑی سادہ ہے۔ اللہ نے کہا کہ اے صاحبِ بلا! میں ہر صورت میں تجھے آزماؤں گا، اے بندہء خدا! میں نے تجھے آرام کیلئے اس دنیا میں نہیں بھیجا، میں نے تجھے بلا کیلئے بھیجا ہے۔ میرے کچھ heads ہیں۔ ان heads کے تحت ہر فرد و بشر کو آزماؤں گا۔ کسی کو حکومت دیکر ذلت دے دوں گا، کسی کو مال دیکر نقصان کر دوں گا، کسی کے بچے چھین لوں گا، کسی کی ماں چھین لوں گا۔

" وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَىْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَراتِ " (البقرة 155:2)

میں ان heads میں سے تمہیں گذاروں گا۔ کہا: بِشَىْءٍ تھوڑا سا...... پورا نہیں...... پورا تو حسینؓ پر ڈال دیا تھا۔ وہاں دس دنوں میں سارے heads پورے کر دیئے تھے۔ وہ بندہ بھی تو بڑا تھا، باقی لوگوں کو وہ اپنا بڑا بندہ نہیں سمجھتا، حسینؓ کو بڑا بندہ سمجھتا تھا، آخری سانس پر استقامت اور صبر کی انتہا تھی، اس لئے سارے heads پانچ دنوں میں اس پر ڈال دیئے۔ مگر بشارت کیا دی؟

" وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِينَ اِذَ آاَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ " (البقرة 155:2)

ساتھ ہی خوشخبری بھی سنا دی کہ اس approach کے بعد جو ثابت قدم نکلا، اس کیلئے انعام بہت بڑا ہے، اتنا بڑا کہ جتنا فرشِ زمین والے سوچ بھی نہیں سکتے۔

" قَالُوْ آ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْ نَ (البقرة 156:2)

اگر ان تمام مصائب کے بعد تم ایک سادہ سا جملہ بول گئے، ایک سادہ سی بات کہہ گئے کہ یہ تمام بلا اللہ کی طرف سے آئی ہے، تمام نقصان اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور میرے اللہ ہی کو پلٹ جائیں گے تو اسکا صلہ یہ ہے کہ:

" اُوْلٰئِکَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِهِمْ وَرَحْمَةٌ " (البقرة 157:6)

ان لوگوں پر میری طرف سے درود وسلام اور میری رحمت اور اگر کوئی پڑھے لکھے اور ذہین سمجھے جائیں گے، intellectual سمجھے جائیں گے، تو وہ یہی ہوں گے۔

دوسری approach اس سے بھی کہیں سادہ ہے۔ غلطی ہوئی...... خطا ہوئی...... ظلم ہوا...... اپنی جانوں کو گنوایا، تو کہا:

" رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْ حَمْنَا لَنَكُوْ نَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ " (الاعراف 23:7)

(اے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں معاف نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم نقصان والوں میں ہوئے۔)

یونس بن متیؑ غضب میں بھرا ہوا چلا تو خیال کیا کہ ہم پیغمبر ہونے کی وجہ سے اس کا حساب نہ لیں گے، اس پر آزمائش نہ ڈالیں گے تو ہم نے اسے ظلمات میں گھیرا:

" اِذْ ذَهَبَ مُغَاضِباً فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ ...... "

(جب غصّے میں بھرا ہوا چلا پس گمان کیا کہ ہم اسے پکڑیں گے نہیں۔)

ہم نے اسے اندھیروں مین گھیرا، مچھلی کے پیٹ میں گھیرا، امید کی کوئی کرن نہ چھوڑی۔

جس طرح گنبدِ بے در میں کوئی چیختا چلاتا پھرے تا بہ ابد
کوئی دروازہ دریچہ نہ کہیں روزن ہے

پھر اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے اندھیروں میں سے ہمیں پکارا:

" فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ " (الانبیاء 87:21)

(پھر اس نے پکارا تہہ در تہہ اندھیروں میں سے کہ کوئی معبود نہیں سوائے تیرے، پاک ہے تُو، بے شک میں قصور وار ہوں۔)

تُو پاک ہے، تجھ سے تو خطا ہو نہیں سکتی، لیکن میں غلطی سے مبرّا نہیں ہوں، مجھ سے خطا ہو گئی ہے میں روشنی سے نکل گیا تھا، اندھیروں میں آ گیا تھا۔ خدا نے کہا کہ کیا خوبصورت بات ہے! کیا بہترین بات کی میرے بندے نے! کتنی سادگی سے میرا اعتراف پاکیزگی کیا! اپنا اعترافِ عجز کیا! مجھ سے معافی سادہ سے طریقے سے مانگی، پھر اللہ نے کہا:

" وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ "

کہ میں نے نہ صرف اسے غم سے نجات دی بلکہ:

" کَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ "(الانبیاء 88:21)

خدا نے یہ سند لکھ دی کہ ہم ہر مومن کو اسی طرح نجات دیں گے، اگر اس نے مجھ کو خدا جانتے ہوئے، خود کو بندہ سمجھتے ہوئے اسی سادگی سے، اسی محبت سے، اقرارِ وفا کرتے ہوئے، عہدِ غلطی کرتے ہوئے، اسی طرح دعا مانگی تو ہم اسے معاف کر دیں گے۔

تیسرا وہ کلمہ ہے جو متقدمین اور متاخرین کا ہے، صاحبِ ہمت لوگوں کا ہے، جنہوں نے خدا کیلئے قوت و ارادہ کو ترک کیا، اور انہوں نے زندگی کے تمام امور اللہ کو سونپ دیئے:

"وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌم بِالْعِبَادِ "(المومن 44:40)

(اور میں اپنے تمام کام اللہ کو سونپتا ہوں بلاشبہ وہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔)

تیسری approach بڑی سادہ ہے:

" لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ "

نہ میری کوئی قوت، نہ میرا کوئی ارادہ، جو کچھ ہے میرے اللہ کا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اللہ میرے ساتھ بُرا نہیں کر سکتا، میں جانتا ہوں کہ میرا دین میرا سب سے بڑا محافظ ہے اور میں جانتا ہوں کہ

اللہ میرا سب سے بڑا دوست ہے، کچھ بھی کرلو میں اپنے تمام اختیارات اپنے اللہ کو سونپتا ہوں، جس نے کتاب میں لکھ دیا ہے:

" وَكَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ " (الانعام 12:6)

خواتین وحضرات! اگرچہ یہ تمام اسباق میں جستہ جستہ سیّد ہجویرؒ کے ذکر کے ساتھ mention نہیں کرسکا مگر وہ ایسا مرشد ہے کہ اگر تمام تعلیم، تمام علم ایک طرف چھوڑ دیا جائے اور صرف اور صرف سیّد ہجویرؒ کے analytical processes کو دیکھا جائے تو سب سے بڑا problem اپنی کم تعلیمی بنتی ہے، اسلئے بہت سے لوگ ''کشف المحجوب'' پڑھ کر زیادہ حجابِ علم میں کھو جاتے ہیں۔

شیخ ابن العربیؒ نے کبھی کہا تھا کہ علم حجاب اکبر ہے، اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ کم علمی، Lack of understanding and personal wishful thinking of changing the meaning of text, become our major problems. کیونکہ شیخ ہجویرؒ کی کہی ہوئی باتیں خلاف نفس ہیں اور چونکہ اللہ کو چاہنا خلافِ نفس ہے، اس لئے ہر حال میں جب ہم استادانِ مکرم کی باتیں سنتے ہیں تو ان کی تاویل میں گنجائشیں نکالتے ہیں مگر کم ازکم سید علی ہجویرؒ کے analytical process کے بعد ایسا کوئی امکان موجود نہیں ہے۔

سوال: مسلمانوں کے زوال کی کیا وجوہات ہیں؟

جواب: مسلمانوں کے سارے زوال کا باعث صرف ایک ہے؟ قرآن میں اللہ نے فرمایا:

" وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا " (بنی اسرائیل 8:17)

(تم پلٹ آؤ گے تو میں پلٹ آؤں گا۔ تم لوٹ آؤ گے تو میں لوٹ آؤں گا۔)

اگر ہماری ترجیحات بدل جائیں جیسے حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ زمانہء آخر میں بنوعفرا کو غلبہ ہوگا، تو اصحاب رسول ﷺ نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! کیا مسلمان اس وقت تعداد میں بہت کم ہونگے؟ فرمایا کہ نہیں مور وملخ کی طرح ہوں گے، اصحاب چونکہ تعداد میں بہت تھوڑے تھے اور انہوں نے بڑے بڑے غلبے پائے تھے۔ تو وہ حیران ہوئے اور پوچھا کہ کیا وجہ ہوگی؟ کہا کہ ان پر دنیا کی ہوس غالب ہوگی۔

مسلمان کے ایمان کا سب سے بڑا problem یہ ہے کہ مسلمان کو جس priority

کے تحت جینا ہوتا ہے، اُسکا احساس مسلمانوں میں نہیں ہے۔ اسلام ایک طرزِ جہاد ہے، ایک literal confession ہے، جس کے بعد آدمی مسلمان ہوتا ہے۔ All religion is the movement from literal to the practical. اور جب ہم لفظی اعتبار سے عملی اعتبار کو بڑھتے ہیں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ Pakistani Muslims are one of the most corrupt people... بلکہ ہمیں فخر حاصل ہے کہ کبھی ہمیں پہلا نمبر نصیب ہوتا ہے، کبھی دوسرا نصیب ہوتا ہے اور اہلِ یورپ کے جو بہت سے قصیدے پڑھے جاتے ہیں تو انہوں نے اپنے systems کو survival پر مرتب کیا ہے، کسی خدائی خوف پر مرتب نہیں کیا لیکن جب مسلمان خوفِ خدا سے نکل جائے، تو وہ ہر چیز کے خوف سے نکل جاتا ہے۔ اس کے بعد ہمارے پاس کوئی centre of accountability نہیں رہ جاتا، ہم ہر جگہ مسافر ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کا پھیلاؤ، ان کا آنا جانا، ان کا مختلف جگہوں پر جانا اگر آپ غور سے دیکھو تو ایسے ہی ہے جیسے طارق بن زیاد نے کہا تھا کہ ہر زمین اللہ کی زمین ہے اس لئے ہماری مملکت ہے اس سلسلے میں ہم بہت دور آ گئے:

چو آن مرغے کہ در صحرائے ہر شام
کشاید پر بفکرِ آشیانہ

اس پرندے کی طرح جو گھونسلے سے بہت دور آ گیا ہو، اگر ہم گھونسلے کو پلٹنا چاہیں تو اس میں عافیت ہے، اخلاق ہے، طاقت ہے، قوت ہے۔ جب تک ہم اپنی priorities کو مرتب نہیں کرتے، انہیں change نہیں کرتے، ہمارے حالات بدل نہیں سکتے۔ یہی "کشف المحجوب" سکھاتی ہے اور یہی سیّد ہجویرؒ کا یہ کمترین شاگرد آپ کو سکھا رہا ہے غور کرنا چاہیے کہ ہماری accountabilities کا centre کیا ہے؟ وقت ہے، حکومت ہے، معاشرت ہے، قانون ہے کہ اللہ ہے۔ جس نے اللہ کو اپنی accountabilities کا centre جانا، خدا اس کے دل سے خوف و حزن کو دور کر دیتا ہے، کراماتِ الٰہیہ سے اسکی مدد کی جاتی ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہم کرامات ڈھونڈتے ہیں مگر اہلیتِ کرامات سے ناشناسا ہیں۔ یہی وجہ ہے ہمارے زوال کی اور جب آپ اللہ کی طرف پلٹ آؤ گے تو وہ بھی پلٹ آئے گا اور خدا کو نہ فوجیں چاہئیں، نہ میزائل چاہئیں، نہ چوبیس ہزار کی آرمی چاہیے۔ اس نے تو ایک موسیٰؑ کے ذریعے فراعنۂ مصر کی اتنی بڑی سلطنت کو پلٹ دیا تھا اور جب موسیٰؑ نے عرض کیا کہ اے پروردگار! اس قومِ عالین کے

مقابلے میں میں تنہا ہوں تو کہا: "کیا تجھے مجھ پر شبہ ہوا کہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تُو یہ کیوں نہیں کہتا کہ میں تیرے ساتھ ہوں"۔

اگر اللہ ہمارے ساتھ نہیں ہے تو سوچنا پڑے گا کہ اس کی کیا وجہ ہے اور خدا کہتا ہے:

" وَلَا تَهِنُوْ وَلَا تَحْزَنُوْا " (آل عمران 139:3)

غم نہ کرنا اور میرے بارے میں سستی نہ کرنا، مجھے میرے مقام سے گرا کر تم عزت حاصل نہیں کر سکتے، غم و بلاتم پر بہت آئیں گے۔ یہ ہمارا طریقہ ہے:

" لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ " (یونس 64:10)

(اللہ کا کلام نہیں بدلتا۔)

جب آپ ان طریقوں سے نکل جاؤ گے:

" وَاَنْتُمُ الْاَ عْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ "

(تو ہمارا وعدہ ہے کہ تم ہی غالب آؤ گے اگر تم ایمان والے ہو۔) اگر ہم غالب نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایمان والے نہیں ہیں۔

سوال: How can we judge our set of priorities?

priorities کو judge نہیں کرنا پڑتا۔ اس میں دو تین طریقے ہیں۔ Being a small teacher میں وہی طریقہ آپ کو بتاتا ہوں جس میں ایک تنہا، اکیلے آدمی نے جدوجہد کی، قدر کی شناخت کی۔ یہ بھی میرا دعویٰ نہیں ہے جیسے میں نے کہا کہ کہاں تک میں نے اُسے سوچا، سمجھا، جانا، جتنی مجھے توفیق ہوئی اُتنا مجھے میسر ہوا، مگر میں سمجھتا ہوں کہ جب آپ mentally decide کر لیں تو اُس کا دوسرا قدم اس priority کو maintain کرنا ہے۔ بہت سے لوگ حقوق العباد ہی کو تسبیح سمجھتے ہیں مگر بڑی خوبصورت بات کسی نے حضرت سعید بن مسیبؒ سے پوچھی اور کہا کہ کیا ایسا حرام ہے جس میں حلال کا کوئی شائبہ نہیں اور کیا ایسا حلال ہے جس میں حرام کا کوئی شائبہ نہیں فرمایا کہ اللہ کا ذکر ایسا حلال ہے جس میں حرام کا کوئی شائبہ نہیں اور غیر اللہ کا ذکر ایسا حرام ہے جس میں حلال کا کوئی شائبہ نہیں۔ اگر آپ اللہ کو چاہتے ہو اور اسکی priority کو maintain کرنا چاہتے ہو، صبح کھاتے ہو، شام کھاتے ہو، پانی پیتے ہو، تمام تعلقات قائم ہیں تو کم از کم اللہ کو یہ تو کہہ دو کہ:

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

اس خیال کی غفلت کو کم از کم minimum bases پر دور کرنا ضروری ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے روائت کردہ حدیث ہے: پوچھا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو سب سے اچھا کام کون سا لگتا تھا۔ فرمایا: "تھوڑا مگر متواتر"۔ تو آپ کم از کم خدا کی یاد کو اس کے ذکر کو اپنی زندگی میں اس طرح شامل کر لیجیے کہ وہ کبھی آپ کے ہاتھ سے نہ جائے۔ جب ہاتھ سے جائے گا، جب آپ اللہ کو یاد کرتے ہوئے اسے بھولو گے، تو خدا ضرور پوچھے گا کہ آج کون سا کام تمھیں مجھ سے زیادہ important لگا کہ آج تم میرا ذکر بھول گئے اور خواتین وحضرات یہ ذکر وہ عمل نہیں ہیں جو ہم خیر کے کرتے ہیں، وہ ہمارے صدقات ہیں۔ پروردگارِ عالم نے تمام چیزوں کو علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا۔ ایک voluntary ذکر ہے جو ہم شوق سے کرتے ہیں۔ یہ خدا کے ساتھ personal relationship ہے۔ نماز اور روزہ اجتماعی relationships ہیں، یہ قاعدہ اور قانون کی بندش کے relationships ہیں۔ نماز کیلئے وضو ہے، کھڑا ہونا پڑتا ہے، مصلّےٰ بچھانا پڑتا ہے اور اس کو اللہ نے بڑی وضاحت سے بیان فرمایا:

" اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ "

کہ کتاب کی تلاوت کرو، اوامر ونواہی سے آگاہی پاؤ، دیکھو کہ کیا میں نے جائز لکھا اور کیا ناجائز لکھا اور پھر فرمایا:

" وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ "

نماز قائم کرو کیونکہ نماز کا قائم کرنا اسکا قاعدہ اور قانون مسلم معاشرے کی بنیاد ہے، اس سے کوئی بری الذمہ نہیں ہے سوائے پاگل، نابالغ اور مجنون کے اور سویا ہوا جس پر اللہ کا قلم حرکت نہیں کرتا، نماز کسی کا کوئی مسئلہ نہیں، نہ ہی یہ نزاع کا مسئلہ ہے۔ مگر تیسری بات بہت اہم ہے:

" وَلَذِ کْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ " (العنکبوت 45:29)

(اور اللہ کی یاد بہت بڑی بات ہے۔)

یہ personal relationship ہے۔ personal relationship میں اللہ نے فرمایا کہ کوئی قید نہیں ہے:

" فَاذْکُرُو اللّٰہَ قِیَا ماً وَّ قُعُوداً وَّ عَلٰی جُنُوْ بِکُمْ " (النساء 103:4)

کھڑے، بیٹھے، کروٹوں کے بل جیسے چاہو یاد کرو مگر اک خیال سے کرو:

" فَاذْ کُرُو اللّٰہَ کَذِکْرِ کُمْ اٰبَآءَ کُمْ " (البقرة 200:2)

ایسے جیسے محبت سے اپنے ماں باپ کو یاد کرتے ہو۔ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ مجھے خوف سے یاد کرو۔ اللہ نے کہا کہ مجھے محبت وانس سے یاد کرو۔

" اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا " (البقرة 200:2)

(ذرا زیادہ یاد کرو......)

مجھے اپنے تعلقات سے، ماں باپ سے، بیوی بچوں سے بھی ذرا زیادہ یاد کرو، تا کہ مجھے پتہ چلے کہ تم ہر ایک سے زیادہ مجھ سے انس رکھتے ہو، مجھ سے پیار کرتے ہو۔

" لَنْ تَنَا لُوْ الْبِرَّ حَتّٰی تُنفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ " (ال عمران 92:3)

اے بندگانِ خدا ! اے میرے عزیز ترین رسول کے اُمتیو ! مجھے تم سے بڑا انس ہے مگر ایک بات یاد رکھنا کہ تم مجھے پا نہیں سکتے، جب تک کہ اپنی تمام محبتوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو ذکر واذکار کی توفیق دے۔ اتنا یاد رکھئے کہ لوگ معانی میں بہت غلط فہمی پیدا کرتے ہیں، اہلِ علم نے اور اہلِ کتاب نے اس میں بڑا غلو بھر دیا ہے۔ ہمارے اعمال کسی سے کم نہیں ہیں، نہ ان میں کوئی کمی کو کہہ رہا ہے مگر مقاصد تمام اعمال کے ایک ہی ہیں قرآن پڑھو...... کیوں پڑھو؟ کیونکہ یہ اللہ کی یاد ہے:

" نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّ کْرَ " (الحجر 9:15)

نماز پڑھو...... کیوں پڑھو؟ کیونکہ یہ میری یاد کیلئے ہے:

" اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی "(طٰہٰ 14:20)

وہاں زبردستی کی یاد ہے اور یہ یاد voluntary محبت اور خلوص کی یاد ہے۔

سوال: ''کشف المحجوب'' میں ہے کہ ایسی حدیث، جس پر عمل کرنا فسق و فجور میں مبتلا کر دے تو اس کا ترک کرنا اسکے اختیار کرنے سے بہتر ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: سیّد ہجویریؒ نے یہ بات لکھی ہے اور اسکے مطالب میں اہلِ دل کیلئے ایک advice ہے۔ قرآن میں حضرت عیسیٰؑ کے دور میں فلسطینی یہودیوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ فلسطینی یہودی اس قدر متقی اور پرہیزگار بنتے تھے اور مذہب پر اتنے سخت تھے کہ ان کی عبادات سے اہلِ اخلاص شرماتے تھے قرآن میں اللہ فرماتا ہے:

" فَلَا تُزَكُّوْآ اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی " (النجم 32:53)

(مت کہوا پنے آپ کو متقی اور پرہیز گار، میں جانتا ہوں تم کتنے پرہیز گار ہو۔)

جب حضرت عیسیٰؑ نے اُن کا یہ تقویٰ اور طہارتیں دیکھیں، سود دیکھا، انکی حرام کاری دیکھی۔ مال غصب کرنا اور ٹیکس لینا دیکھا اور جب وہ طوائف کو پتھر مارنے لگے تو حضرت عیسیٰؑ نے بھی اُن سے کہا کہ ظاہرا عبادات میں تم لوگ جتنے بھی بڑے ہو مگر اس طوائف کو پہلا پتھر وہ مارے جس نے خود اس حرکت کا ارتکاب نہ کیا ہو اور اتنا یاد رکھو:

" وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ " (آل عمران 49:3)

(میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ تم گھروں میں کیا کھاتے، کیا پیتے اور کیا چھپاتے ہو اور تم نے کیا ذخیرہ کر کے رکھا ہے۔)

حضرت عیسیٰؑ کے اس قول کو کسی نے چیلنج نہ کیا اور وہ فلسطینی، یہودی علماء سارے کے سارے غائب ہو گئے اور انھوں نے حضرت عیسیٰؑ سے مستقل دشمنی پال لی۔ تو حضرات گرامی ہمارے اوپر یہ لازم ہے کہ ہم اخلاص کو شرطِ وفا رکھیں، اسے ہاتھ سے جدا نہ ہونے دیں اور خداوند کریم سے یہودی فلسطینیوں کیطرح محبت نہ کریں، بلکہ اللہ کے بندوں کی ایک واحد value ایسی ہے جس پر شیطان کا کوئی بس نہیں چلتا اور وہ اخلاص ہے۔ جب اُس نے کہا کہ اے میرے خدا! مجھے مہلت دے کہ میں تیرے بندوں کے دائیں اور بائیں سے آؤں گا، آگے پیچھے سے، اوپر تلے سے آؤں گا اور ان کو ضرور گمراہ کروں گا تو اللہ نے کہا کہ تُو ضرور کرے گا اور سب کا حصہ تیرے ساتھ لکھا ہے مگر ایک قسم کے بندوں پر تُو کبھی قابو نہ پاسکے گا:

" اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ (صٰفّٰت 40:37)

(سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔)

اللہ کے اخلاص کے ساتھ ہر عبادت بار آور اور معنی خیز ہوتی ہے اور اس کے بغیر تمام تر ریا و نفاق ہے۔

سوال: اگر اللہ ربّ العالمین اپنے کسی گناہ گار بندے پر اپنا فضل و کرم کر دے اور اسے رشد و ہدایت عطا کرے تو کیا وہ بندہ اللہ کی اس مہربانی کو چھپا کر رکھے یا اللہ کی اس بڑائی اور فضل کو بیان کرے۔ اپنی کسی خوبی، قابلیت یا صلاحیت کے اظہار کیلئے اللہ کا فضل کسی کے سامنے بیان کرے یا نہ کرے؟

جواب: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ نے کسی کو کوئی اہلیت اور کوئی مقامِ عزت بخشتا ہے تو وہ

اسے کیوں ظاہر کرے؟ جیسے اللہ نے اپنے ولی چھپا کر رکھے ہیں، اسی طرح اولیاء نے اپنا اللہ چھپا کر رکھا ہے۔ یہ اخفاء اس لئے ہے کہ فقراء کے بہت سے درجات ہیں، جیسے مجدد ہیں، انکو تجدید دین سونپا جاتا ہے، جیسے قطب الاولیاء ہیں، جنہیں اشیاء اور اسماء سونپی جاتی ہیں۔ کسی نے خواجہ مہر علیؒ سے ایک سوال پوچھا تھا کہ یہ جو قرآن میں آیا ہے:

" فَاذْكُرُونِیٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِی وَلَا تَكْفُرُونِ" (البقرة 152:2)

(تم ہمارا ذکر کرو، ہم تمہارا ذکر کریں گے اور ہمیں مانتے جاؤ اور ہمارا انکار نہ کرو۔)

تو خدا کیسے کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ دیکھتے نہیں کہ اہل اللہ کے درباروں پر کیسی رونقیں ہوتی ہیں۔ صبح وشام قرآن پڑھے جاتے ہیں۔ تسبیحات ہوتی ہیں، دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ یہ اصحابِ سکون وتسکین ہوتے ہیں۔ یہی اللہ کی یاد ہے، حضراتِ گرامی! مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی ولی کیوں اپنے آپ کو ظاہر کرے گا۔ جسے اللہ نے خلق میں عزت دینی ہے اور اپنا خاص بندہ مقرر کرنا ہے اسے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ خلق جس کی تعظیم کرتی ہے وہ اللہ کے فضل سے کرتی ہے، مخلوق جس سے رجوع کرتی ہے، وہ اللہ کے فضل سے کرتی ہے اور یہ حدیث قائم ودائم ہے کہ "مدحتِ خلق کو خدا کا انعام سمجھو"۔ جسے یہ انعام ملا ہو، اسے اسکا اشتہار دینے کی کیا ضرورت ہے؟

سوال: آپ نے لیکچر کے شروع میں فرمایا تھا کہ اللہ کا ایک معیار ہے اور وہ آپ کے معیار تک نہیں آئے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آپ کی capacity کے مطابق چاہے عالم ہو چاہے جاہل سوال ہوگا کہ تمھارا رب کون ہے؟

جواب: خدا آپ کے معیار پر نہیں آئے گا، اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ ذہنی طور پر خدا کی وہ حیثیت مجروح نہ کریں جو اس کی ہے How would it be when Prime Minister sits on his peon's chair. یہ تفنن تو ہو سکتا ہے مگر کیا seriously کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ صدر مملکت آتے ہوئے خود چپڑاسی کی کرسی پر بیٹھ جائے اور چپڑاسی کو اپنی کرسی پر بٹھائے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ خلاقِ عالم کو، عالم الغیب والشہادۃ کو اور کائناتوں کے خالق کو اس سے lowest position پر adjust کرو۔ یہ اجتہادی غلطی نہیں ہے، فاحش ترین غلطی اور احمق ترین قدم ہے جو ہم اللہ کیلئے اٹھاتے ہیں۔ آپ کم از کم mentally بالکل clear اور واضح ہو جاؤ کہ اللہ ترجیحِ اوّل ہے۔ اس کائنات میں اُس کی حیثیت کے مطابق اسکو treat کرنا

ہے، اس کی بندگی کا اعلان کرتے ہوئے، اُس سے بڑی کوئی چیز نہیں سمجھی تو مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ العزیز۔ اگر آپ ذہناً یہ غلطی دور کرلو گے تو پھر باقی سوال کے بھی اہل ہو جاؤ گے۔

سوال: اللہ نے انسان کو ظلوماً جہولاً کہا ہے اس کی تشریح کریں؟

جواب: ظالم اور جاہل کی تفاسیر تو آپ نے بہت پڑھی ہیں مگر میرے نزدیک ایک بڑی simple سی definition ہے۔

" اِنَّا عَرَضْنَا الْاَ مَا نَةَ " (الاحزاب 72:33)

کہ جب اتنی بڑی امانتِ علم و فکر انسانوں کو دی جا رہی تھی تو اُس سے پہلے باقی مخلوقات کو بھی پیش کی گئی۔ ملائکہ کو بھی دی گئی۔ بتایا گیا کہ میاں یہ تم لے لو، مگر اس کے عوض عذابِ جہنم بھی دکھا دیا گیا کہ یہ بھی مل سکتا ہے۔ اسی طرح پہاڑوں اور پہاڑوں کی مخلوقات کو، آسمانوں اور آسمانوں کی مخلوقات کو، تمام کائنات کی مخلوقات کو یہ دولتِ علم پیش کی گئی مگر risk کسی نے نہ لیا۔ جہنم سب نے دیکھا اور سنا ہوا تھا۔ وہ حفاظت کے مقام پر تھے، خطرے کے مقام پر جانا نہیں چاہتے تھے۔ انسان کو جب اللہ نے یہ امانت بخشی تو اس نے یہ سوچا کہ یہ تو بڑا آسان کام ہے۔ بھلا اللہ کو پہچاننا بھی کوئی مشکل کام ہے کیا کوئی ایسا بھی ہوسکتا ہے جو اللہ کو نہ پہچان سکے؟ ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم زمانے میں اللہ کو ہی جاننے سے انکار کر دیں۔ اللہ کے حضور میں یہ بندہ کسی بھی صورت میں اس قابل نہیں تھا کہ ایک مناسب فیصلہ کرتا مگر عزت بہت بڑی مل رہی تھی، شرفِ تخلیق مل رہا تھا، اعلیٰ ترین اوصافِ زندگی مل رہے تھے، مملکتِ خداوندی کی خلافت مل رہی تھی، اس لئے لپکے اور اٹھا لیا۔

ظالم اور جاہل کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے اپنے job کو underestimate کیا اور اپنے آپ کو over-estimate کر گیا۔ یہ خطا اب بھی انسانوں میں موجود ہے۔ چھ ارب انسانوں میں سے پانچ ارب خدا سے بالکل غیر منسلک ہیں۔ بھلا کوئی ان سے پوچھو کہ وہ وعدہ کہاں گیا؟ اگر ان کو بھی تلقینِ ادب ہوتی، ان کو بھی سعادتِ علمیہ سے سرفراز کیا جاتا، رُسل سے پوچھا جاتا، کانٹ سے، نطشے اور فشتے سے پوچھا جاتا، برگساں سے پوچھا جاتا کہ بھلا اے دانش ورو، وہ وعدہ کہاں گیا......؟ تو آپ دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ نے علمی judgement دی ہے کہ: " اِنَّـهٗ كَـانَ ظَلُوْ مًـا جَهُوْ لاً " He has not been able to come upto the task. آپ کو ایک آدھ انسان جو وقت اور قدر کا مالک ہے، اس کی حیثیت سے نہیں بلکہ بحیثیتِ مجموعی دیکھنا ہے، چھ بلین انسانوں کے reference سے دیکھنا

ہے کہ ساڑھے پانچ بلین لوگ خدا سے غافل ہیں، جو تھوڑے بہت خدا سے آگاہ ہیں وہ اس کا نام ضرور جانتے ہیں، مگر حقیقت میں انکا خدا کون ہے، یہ صرف خدا ہی جانتا ہے۔

سوال: آپ لوگوں کو تسبیحات بتاتے ہیں اس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: لوگ عموماً یہ جاننا چاہتے ہیں کہ خدا کے رستے پر آغاز کیسے کریں؟ محبت کے سفر کو کیسے شروع کریں؟ حضراتِ گرامی! محبت کا صرف ایک امتحان ہے، وصالِ محبت کا امتحان نہیں ہوتا۔

تو نہ می داند ہنوز شوق بہ میر دزے وصل

وصل میں تو محبت رہتی ہی نہیں، تعلق اور possession رہ جاتی ہے۔ فراق میں محبت ہوتی ہے اور فراق میں پتہ چلتا ہے کہ کون کسے کتنا چاہتا ہے۔ اگر آپ کو جاننا ہو کہ آپ کو کس سے زیادہ محبت ہے تو ذرا اکیلے ہو جاؤ، جو آپکو دن رات ستائے گا، ہر گھڑی، صبح و شام یاد آئے گا، جو دیکھتا ہی نہیں ہے کہ بندہ کہاں ہے، بازار میں ہے، گلی کوچے میں ہے، چھت پر ہے، جو ہر جگہ اس بُری طرح یاد آئے گا اُسی سے محبت ہوگی۔ اس لئے جب آپ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور ہر جگہ کرتے ہیں، ہر مقام پر کرتے ہیں، تو جو ball اللہ نے ہماری کورٹ میں پھینکی ہے، ہم نے اٹھا کر اُس کی کورٹ میں پھینک دی۔ ہم اُس سے کہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم نے تیری چاہت میں دریغ نہیں کیا، آج کھانا نہیں کھا سکا، تسبیح کی ہے۔ آج بڑا ضروری کام تھا نہیں کر سکا، تسبیح کی ہے...... تیری یاد کو ہم کبھی نہیں بھولے...... اور میرا خیال کہتا ہے کہ جیسے حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ "اللہ کے حق یہ ہیں کہ اُسے خدائے "وحدہٗ لا شریک لہٗ " کی طرح مانا جائے اور اس کے بدلے میں بندے کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ اُسے عذاب نہ دے" اور جو اُسے صبح و شام یاد کرتا ہے، اُسے کیا خوفِ زندگی اور کیا مرحلۂ آخرت......؟

رسول ﷺ نے فرمایا کہ "میری اُمت کے پچاس ہزار لوگ بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل کئے جائیں گے۔" پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! وہ کون؟ کہا: جو فال نہیں لیں گے، جو گمان نہیں کریں گے اور جو اندازے نہیں لگائیں گے"۔ یہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ہر وقت اللہ کو چاہیں گے، اللہ کا ذکر کریں گے۔

" فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ " (الروم 17:30)

(صبح اُس کو یاد کرو۔ شام کو بھی کرو)

" وَعَشِیًّا وَّ حِیۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ " (الروم 18:30)

شام اور ظہر سب یاد کے وقت ہیں۔ تپتی ہوئی دھوپ بھی اللہ کی یاد کا وقت ہے اور کڑا کے کی سردی بھی اللہ ہی کی یاد کا وقت ہے۔ بہار بھی اللہ کی یاد کا وقت ہے۔ اگر خزاں حضورِ خداوند کے ساتھ ہو تو بہار بن جاتی ہے اور:

بہار نذرِ تغافل ہوئی خزاں ٹھہری
خزاں شہیدِ تبسم ہوئی بہار ہوئی

سوال: امریکہ ایران پر حملہ کرے گا کہ نہیں؟

جواب: خواتین و حضرات! میرے نزدیک ایران پر حملہ مشکوک ہے۔ میں اس کیلئے ایک سادہ سی reasoning رکھتا ہوں اگر آپ کو معقول لگے تو بتا دیجئے گا۔ افغانستان میں جن لوگوں کی مدد سے امریکہ حکومت کر رہا ہے، وہ mostly شیعہ territories ہیں اور ایران کے influence میں ہیں اسی طرح عراق میں، جن لوگوں کی مدد سے وہ حکومت بنانے کی کوشش کر رہا ہے وہ بھی اثنا عشری شیعہ tribes ہیں، کُرد بھی شیعہ ہیں اور بش (Bush) ہے تو بڑا احمق ......لیکن شاید حماقت کی ایسی انتہا چھونے سے گریز کرے گا کہ جن لوگوں کی وجہ سے وہ ان دونوں ملکوں میں حکومت کر رہا ہے، انہی کو اپنا دشمن بنا لے۔ اس کے پاس کوئی جواز ہے ہی نہیں ظاہر ہے کہ ایران پر حملے کی صورت میں افغانستان اور عراق میں اس کے ساتھ ایک بھی شخص نہ رہے گا اور جو تباہی دیر سے آنی ہے وہ بہت پہلے امریکہ پر آ جائے گی I can't think Iran will ever be attacked but اصل بات یہ ہے کہ مقدرات اٹل ہیں اور چونکہ اسرائیل کے ساتھ لڑنے والے دونوں ممالک لبنان اور شام کے حزب اللہ اور دروزی شیعہ جن میں سُنی بھی شامل ہیں، Iranian influence کے دو بڑے مضبوط گروپ ہیں، اس لئے اگر کسی وقت اسرائیل کا وجود خطرے میں پڑ گیا تو پھر امریکہ اور ایران کی جنگ ہو جائے گی مگر اس میں ابھی ڈیڑھ دو سال باقی ہیں۔

سوال: آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پانے کیلئے خدا کو ہر خواہش پہ ترجیح دیں۔ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ یہ مقدر ہے۔ کیا بندے کا اختیار ہے کہ وہ ترجیحات طے کرے؟ اس میں مقدر کا کس حد تک عمل دخل ہے؟

جواب: بات یہ ہے کہ جبر و مقدر کے مسئلے کا وہ angle جو فلاسفر لیتے ہیں سراسر غلط ہے۔ میرے نزدیک جبر ایک ایسی Favourable state of mind and heart and

universe ہے جسے خدا نے انسان کی بہتری کیلئے رکھا ہوا ہے اور اس میں کسی قسم کے thought process کو دخل نہیں ہے۔ میں صرف جبر ہی کو سب سے پہلے explain کر دوں۔ انسان کو چونکہ زمین پر بھیجا جانا تھا، اگر اس کے بندوبست اللہ پہلے سے نہ کرتا، اس کے اندازِ زندگی مرتب نہ کرتا، اس کو محافظت چاہیے، care چاہیے، اس کو پالنے والا چاہیے، ورنہ اس قابل نہیں ہوتا کہ زندگی گزار سکے۔ تو تمام جبر پروٹوکول ہے۔ پروٹوکول اس لئے دیا ہے کہ انسان کو فکری آسانی رہے، تاکہ انسان یہ نہ کہے کہ اے میرے مالک! تو نے مجھے اُجاڑ اور ویرانے میں پھینکا جہاں مجھے کوئی پوچھنے والا نہ تھا، پانی پلانے والا نہ تھا، میری care کرنے والا نہ تھا، مجھے بڑا کرنے والا نہ تھا۔ میں کیسے تجھے یاد کرتا؟ تو یہ ساری پروٹوکول کی arrangements ہیں، جو انسان کیلئے موت تک مقرر کی گئیں۔ آپ دیکھیں کہ سو برس پہلے تک ان پیشوں کا گمان بھی نہ تھا کہ جو اب آپ دیکھتے ہیں۔ ہزارہا نئے professions create کئے گئے ہیں۔ اتنی آبادی کیلئے ایک profession کافی نہیں ہوتا۔ یہ سارے کا سارا پروٹوکول pre-arranged ہے۔ اس میں آزادی صرف ایک سوال ہے کہ اللہ نے انسان کو بھیجا جیسے آج ہم یہاں سے کسی کو لاہور بھیجیں اور اس کیلئے سارا انتظام پہلے سے کر دیں کہ فلاں ہوٹل میں رہنا، پیسے لے لو، کھانا اچھے سے اچھا کھانا، کپڑے بھی ساتھ لے جاؤ، میرا ایک کام کر کے آنا کہ یہ لیٹر deliver کر کے آنا، ہاں! اگر بور ہو جاؤ تو فلم دیکھ لینا، خطرے سے بچنا، تمہارے لئے حفاظت کے مقام ہیں، غنڈوں کے ہاتھ نہ چڑھ جانا، کسی سے پکوڑے لے کر نہ کھانا، دھتورا ہوتا ہے ان میں......ان ساری ہدایات کے بعد وہ شخص تین دن لاہور میں گزار کر واپس آتا ہے۔ And he tells me, I have done every thing. That was a beautiful place, I enjoyed my food, I asked: what about the letter, Oh sorry, I forgot to deliver it. اس سارے پروٹوکول میں صرف اس ایک letter پر آپ کا اختیار ہے، جو آپ نے deliver کرنا ہے، جو زندگی میں آپ لیکر آئے ہو اور قبر کے دھانے جا کر یہ letter deliver کرنا ہوگا یعنی کسی ہندو کو کہے گا: "مَن رَبُّکَ" وہ کہے گا، شاید اندرا، ورونا، متھرا، برہما، شیوا، وشنو، کالی، دُرگا۔ Immensity of names خدا کہے گا: بے شک میرے بندے نے جھوٹ کہا ہے...... اگر اس نے آپ کو اہلیت دی ہے، تو اُس کو judgement کی آزادی بھی ملی ہے البتہ جب

آپ decide کر لیتے ہو تو آپ کی تمام تر نا اہلیت اور بے بسی کے باوجود جو چیز آپ کی شریکِ حال ہوتی ہے وہ توفیق ہے:

" وَمَا تَو فِیقِی اِلَّا بِا اللہِ "

(اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے)

پھر آپ کے ہاں توفیق شامل ہو جاتی ہے،

" عَلَیۡهِ تَوَکَّلۡتُ وَاِلَیۡهِ اُنِیۡب " (هود 88:11)

(میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی طرف رجوع کرتا ہوں۔)

اور اللہ کی طرف آپ کا رجوع اور آپ کا بھروسہ ہو جاتا ہے۔

سوال: موجودہ زمانے میں وقت، علم اور عمل سے برکت کیوں اٹھ گئی ہے؟ اللہ تنہا، انسان تنہا، تو پھر اللہ نے انسان کو ہجوم میں کیوں گھیر رکھا ہے؟

جواب: اللہ تو تھا ہی اپنے وجود کی سرشاری...... اس کو تو تنہائی نہیں ڈستی، وہ تو اُس نے ہم پر بڑا کرم کیا۔ میں آج سوچتا ہوں کہ اگر ہم Biological creatures ہوتے، جانوروں کی طرح پیدا ہوتے اور پھر مر جاتے، زندگی پوری کرتے...... اسی لئے فلسفۂ وجودیت پیدا ہوا، اس absenity of routine کی وجہ سے۔ زندگی کی یہ بے مصرف وجودیت، پیدا ہونا، کھانا پینا، بال بچے پیدا کرنا، اس eliministic روٹین میں اگر کوئی ذہین بھی ہو گیا تو اس نے کیا کمال کر لیا؟ کسی کی دانش وری نے کیا اسے موت کے چنگل سے چھین لیا۔ سیقاستا کین نے موت کو دھوکا دیا اور اسے سزا دی olympic کے خدا نے کہ زمین سے پتھر اٹھاؤ اور چوٹی تک لے جاؤ۔ جب چوٹی تک پہنچتا تو پتھر پھر گر پڑتا تھا۔ پھر وہ پتھر اٹھا کر چوٹی تک لے جاتا اور وہ پھر گر پڑتا...... یہ بے مقصد زندگی، یہ بوریت...... اسکو آپ تین لفظوں میں بیان کر سکتے ہیں۔ Horror, Boredom and Glory یہ زندگی کا Horror ہے جو ہم پر عائد کیا گیا ہے۔ یہ Boredom of routine ہے جس سے ہم بچ نہیں سکتے اور glory خود فریبی ہے جو ہم اپنے آپ کو ترقی کی صورت میں دیتے رہتے ہیں۔ یہ ایک routine of life ہے " But for God الحمدُ لِلّٰہ " اُس پر یقین رکھنا، انسان کی سب سے بڑی امید ہے۔ سب سے بڑی امید جو سینۂ انسان میں زندہ ہوتی ہے، وہ اس کا خوف نہیں، امید ہے۔ وہ ہمیں ایک طویل زندگی کی بشارت دیتا ہے۔ وہ ہمیں زندگی کی عجیب و غریب نعمتوں کی بشارت دیتا

ہے اور مانگتا کیا ہے جواب میں......؟ کچھ بھی نہیں......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ایک مرتبہ دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیا، اس پر نارِ دوزخ ہمیشہ کیلئے حرام کردی گئی''۔ آپ کو اعتبار کیوں نہیں آتا......؟ کیوں آپ یقین نہیں کرتے......؟ حدیثِ قدسی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرئیل امینؑ ایک غیر مہذب، نالائق، مجرم پیشہ، سخت مجہول العلم شخص کا case لے کر آئے کہ کتابِ گناہ میں اس نے اول و آخر کسی نیکی کو دخل نہ دیا تھا۔ جبرئیلؑ نے کہا: اے اللہ! یہ تجھ سے معافی مانگتا ہے، اللہ نے پوچھا: یہ مجھ سے کیوں معافی مانگ رہا ہے۔ اے جبرئیل'' جبرئیل بولے: یہ جانتا ہے کہ تو معاف کرنے والا ہے۔ اللہ نے کہا کہ اس سے کہو کہ میں نے اسکو معاف کر دیا۔ اس شخص نے دوبارہ گناہ کیا۔ جبرئیلؑ کو بڑا غصہ آیا۔ فرمایا! ''اے پروردگار! تو نے اس کو معاف کیا تھا مگر اس نے دوبارہ وہی گناہ کیا ہے، اللہ نے کہا کہ دوبارہ گناہ کیوں کیا اے جبرئیل! اب کیا چاہتا ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ دوبارہ توبہ کرنا چاہتا ہے، اللہ نے کہا کہ کیا یہ پھر مجھ ہی سے توبہ کرتا ہے؟ کہا: ہاں، آپ ہی سے پھر توبہ کرتا ہے''۔ کہا: ''اس سے کہو کہ میں نے اسے معاف کر دیا'' تھوڑا عرصہ گزرا، پھر جبرئیلؑ اس کو لے کر آئے اور کہا: ''اے اللہ! اب آپ اس کو بخشنے والے نہیں، کیونکہ یہ پھر وہی گناہ کر کے آیا ہے۔ اللہ نے کہا: ''اس کو تو اچھی طرح یہ معلوم ہے کہ میں ہی گناہ بخشنے والا ہوں۔ اس سے کہو کہ میں نے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں''۔ خواتین و حضرات! یہ داستان نہیں ہے۔ یہ پختہ ترین حدیث ہے، یہ مولویانہ حدیث نہیں ہے، اس حدیث سے ایک نقطہ نکلتا ہے۔ اس میں ایک چیز یقینی ہے کہ اس انسان کو حتمی یقین ہے کہ جو خطا میں نے کی، سو کی، لیکن میرے پیچھے کوئی بخشنے والا موجود ہے۔ یہ faith اللہ کو آپ سے چاہیے۔

" قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ " (زمر 53:39)

ساٹھ ستر برس میں آپ کتنے گناہ کر لو گے؟ کیا trillions and trillions سالوں کی کائناتوں کے ربّ کو آپ اپنے ساٹھ ستر برس کے گناہوں سے گزند پہنچا لو گے؟ آپ غور تو کرو کہ جو شخص یہ کہے کہ میرے گناہ نہیں بخشے جائیں گے، وہ اللہ پر کتنی بڑی گستاخیءِ ذہن کر رہا ہے۔ اُس بے پناہ وسعت اور رحمت کے مالک کو آپ اپنے گناہ show کر رہے ہو۔ اللہ کہتا ہے کہ سب سے بڑا گناہ نہ کر بیٹھنا:

" لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ "

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، کسی کو بخشنے والا سمجھنا، دیکھنا کہ وہ تمہیں معاف کر سکتا ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ میں نے تمہیں پیدا کیا ہے، میرا حق ہے سزا و جزا کا۔ جو مجھے مانے گا، جو مجھ پر یقین رکھے گا، میں اسے ضرور معاف کر دوں گا۔ قرآن کے الفاظ سادہ ہیں۔ ان میں addition کوئی نہیں ہے:

" اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعاً " (زمر 53:39)

(بے شک تمہارا اللہ وہ ہے جو تمام جملہ گناہوں کو معاف کرتا ہے۔)

اس آیت میں ایک اصول دیا گیا ہے، ایک قانون ہے جَمِیعاً جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی کہ بے شک تمہارا اللہ تمہارے تمام گناہ معاف کر سکتا ہے۔ یہ اصول ہے جیسے سائنس کا law ہے، جیسے Avagadro's hypothesis ہے جیسے gases volumes کے law ہیں جیسے زمین کی کششِ ثقل کے قانون ہیں۔ یہ قانونِ حیاتِ زندگی ہے، یہ قانون حیات انسان ہے، یہ مغفرت کا ایک بنیادی قانون ہے:

" اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعاً "

کیونکہ اگر میں یہ نہ کروں تو پھر میں " غَفُوْرُ الرَّحِیْم " کیسا؟ تم کیوں میری صفت کو کمزور کرتے ہو؟ اپنے گناہ سے میری رحمت کو قید کرتے ہو۔ یہ برہانِ عقل تمہارا ہے۔ میری طرف سے کوئی کمی نہیں۔ مگر حضراتِ گرامی! محبت نفاق کی قاتل ہے۔ محبت محبوب کے کام کے بغیر کچھ اور کرنے نہیں دیتی۔ جس کو اللہ سے انس ٹھہرے گا، اسے نماز عزیز ہوگی، love's labour is sweet. اور اس کے بغیر سب مشقت ہے۔ محبت کی محنت ہی آسان ہے۔ شہادت اسی کو کہتے ہیں۔ ایک بڑی خوبصورت بات تصوف میں سیّد ہجویریؒ نے فرمائی کہ "ادیب وہ نہیں جو علم والا ہو۔ تصوف میں ادیب اس کو کہتے ہیں جو خدا کے سوا کسی اور کو وہ عزت نہ دے جس کا وہ اہل نہیں۔" مؤدب اسکو کہتے ہیں جو خدا کے عزت و مقام میں کسی کو شریک نہ کرے۔ حدیثِ رسول ﷺ ہے: حلاوتِ ایمان اس شخص نے چکھ لی جس نے اللہ کو وحدہٗ لاشریک جانا اور قدیم میں کسی حادث کو شریک نہ کیا۔ شیخ ہجویریؒ نے فرمایا کہ وہ قدیم ہے اور اس قدیم میں کسی حادث کو شریک نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھے اپنی جان و مال سے بڑھ کر چاہا، اس نے ایمان کی حلاوت چکھ لی۔ حدیثِ مسلم ہے کہ ایک بدو آیا اور اس نے پوچھا: "یارسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی؟" فرمایا: "کیا تو نے اس کیلئے بہت تیاری کی ہے؟ کیا تو نے نمازیں بہت پڑھی ہیں؟" کہا "نہیں، ایسا کچھ بھی نہیں"۔ فرمایا: "کیا تو نے روزے بہت رکھے ہیں؟"

کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! نہیں، بس واجبی سے رکھے ہیں'' پوچھا: '' کیا تو نے صدقہ و خیرات بہت دیا ہے۔'' کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! ایسا کچھ میرے پاس تھا ہی نہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم کس برتے پر قیامت کا پوچھتے ہو؟ کہا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے آپ سے محبت بہت ہے''۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ''تو پھر قیامت کے دن لوگ انہی کے ساتھ اٹھائے جائیں گے جن سے وہ محبت کرتے ہیں۔ تو میرے ساتھ اٹھایا جائے گا۔''

خواتین و حضرات! یہ حلاوتِ ایمان کا دوسرا سبق ہے اور تیسرا اور آخری سبق یہ ہے کہ جب ایک دفعہ خدائے وحدہٗ لاشریک کا اُنس آپ میں آ جائے اور جب محبتِ رسول ﷺ کی طمانیت آپ کے دل میں اتر جائے تو پھر کفر کی طرف واپس پلٹنے کو اتنا ہی برا جانیے جتنا سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنے کو آپ بُرا سمجھیں۔

شریعت اور طریقت

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا

خواتین و حضرات! آج کا موضوع دراصل اسی لیکچر کی continuity ہے جو میں نے اس سے پہلے خالصتاً طریقت کے موضوع پر راولپنڈی میں دیا ہے۔

ایک مسئلہ جو بار بار لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اور طریقت دو جدا چیزیں ہیں اور شاید یہ لگتا ہے کہ صاحبِ شرع لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ طریقت کے لوگ ذہنی طور پر، اخلاقی طور پر اور عملی طور پر ہم سے کوئی جداگانہ رستے اختیار کرتے ہیں۔ یہ خیال زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ طریقت کو واضح کرنے والے یا اس کے حق میں دلائل دینے والے عموماً کرامات پر زور رکھتے ہیں۔ عجیب و غریب حکایات پر زور رکھتے ہیں اور شاید طریقت کا وہ اصل معنی ان سے جدا ہو جاتا ہے۔ شریعت عرفِ عام میں اللہ کے احکامات کو کہتے ہیں مگر شریعت کا ایک بہت خوبصورت دوسرا مطلب بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کم پر راضی کر کے منزل تک پہنچانا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس اگر بہت کم توشہءِ سفر ہو تو اس کی ہمت بڑھانا، اس کی ہمت برانگیختہ کرنا اور یہ چاہنا کہ یہ شخص کسی طریقے سے ان معمولی سے اسباب کے ساتھ منزل تک پہنچ جائے۔ اسکا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ برابر ہو جانا۔ یہ دونوں مطالب شرع کے لوگوں کی نظر سے عموماً پوشیدہ رہتے ہیں۔

"بَلَغَ الشَّرۡعَ مَحَلُ"

کیا شرع وہ چیز ہے جو آپ کو محل تک پہنچاتی ہے؟ یہ کم سے کم وہ چیز ہے، یہ وہ کم سے کم متاعِ زندگی ہے جو سب کے لئے برابر ہے مگر جس کی وجہ سے آپ منزل تک پہنچتے ہیں۔

خواتین و حضرات! شریعت کی منزل جنت بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی منزل قبر کا خوف بھی ہو سکتا ہے، عذاب و ثواب کی کیفیات بھی ہو سکتی ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں ایک اعرابی جب حضور ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے اللہ کی رضا کے مطابق جنت کے حصول کے لیے کیا کرنا ہوگا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ وقت کی نماز...... اس نے کہا کہ اس سے ایک بھی زیادہ نہیں پڑھوں گا۔ فرمایا: رمضان کے روزے...... کہا: ایک بھی زیادہ نہیں رکھوں گا۔

فرمایا: زکوۃ...... کہا: کچھ بھی زیادہ نہیں دوں گا۔ پھر جب وہ پانچوں رکن پورے کر چکا تو کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ جو کچھ آپ نے ضروری بتایا ہے اس سے زیادہ میں کچھ بھی نہیں کروں گا۔ جب وہ اٹھ کر چلا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے جنت پالی...... یہ وہ کم سے کم متاعِ زندگی ہے، وہ کم سے کم معیار ہے جو کسی مسلمان کے لئے اُس کی منزل تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے مگر ایسا کیوں ہے؟ آخر تمام شریعتی لوگ، طریقتی لوگ کیوں نہیں ہو جاتے؟ آخر کیا وجہ ہے؟ تو اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ شرع کے عمل کی نیت کا تعین نہیں ہو سکتا۔ آپ چاہے پانچ وقت نماز پڑھیں، چاہے آپ روزے رکھیں، چاہے آپ حج کریں، اللہ تعالیٰ کو آپ کے اعمال سے کوئی غرض نہیں ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ بار بار ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہاری اچھائیاں تمہارے لئے ہیں، تمہاری برائیاں تمہارے لئے ہیں۔ قربانی کے گوشت، یہ چمڑی، یہ ہڈیاں، یہ سب تمہارے لئے ہیں اور مجھ تک کیا پہنچتا ہے؟ مجھ تک تمہاری نیت پہنچتی ہے...... خواتین و حضرات! وہ تمام اعمال جو بظاہر ہم زندگی بھر خدا کے لئے کریں، اگر ان کے پسِ پردہ نیات کا عمل درست نہ ہو، ہمارے اغراض و مقاصد درست نہ ہوں تو یہ تمام اعمال نفاق میں چلے جاتے ہیں، اس لیے بہت پہلے میں نے ایک بار کہا تھا کہ طریقت شریعت کی نیت ہوتی ہے۔

خواتین و حضرات! یہ بات بہت غور طلب ہے کہ طریقت شریعت کی نیت ہوتی ہے اور طریقت صرف ایک معیار کی ہے۔ اگر آپ چاہو کہ خدا صرف آپ کے اعمال کے درجات مقرر کرتا تو ایسا نہیں ہے۔ بارہا اللہ نے ان لوگوں کا ذکر کیا جو کچھ خصوصی سے لوگ ہیں، ایسے لوگوں کا ذکر کیا، جو عام مسلمانوں سے جدا لگتے ہیں، ایسے لوگوں کا ذکر کیا جنکا اس نے اولیاء کے نام سے تذکرہ کیا، ایسے لوگوں کا ذکر کیا کہ جیسے اس نے کہا کہ کچھ اصحابِ یمین ہیں، کچھ اصحابِ شمال ہیں، کچھ اصحابِ مشئمہ ہیں اور کچھ بائیں بازو کے لوگ ہیں جنہوں نے کوتاہیاں کرنی ہیں، غلطیاں کرنی ہیں اور باوجود میرے کہنے کے انہوں نے میرے احکامات نہیں ماننے اور کچھ وہ لوگ ہیں جو دائیں بازو کے لوگ ہیں، جنہوں نے بہر حال نیک اعمال کرنے ہیں، جنہوں نے اچھی باتیں کرنی ہیں، جنہوں نے اپنے اعمال میں خلوصِ نیت سے کام کرنا ہے اور یہ بڑے اچھے لوگ ہیں مگر ایک تیسرے لوگ بھی ہیں: " وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ " یہ آگے بڑھنے والے لوگ ہیں۔

"وَالسّٰبِقُونَ السّٰبِقُونَ ہ اُولٰئِکَ المُقَرَّبُونَ ہ (الواقعہ 11,10:56)
(اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے، وہی مقربِ بارگاہ ہیں۔)

یہ تو اللہ کے قریب کے لوگ ہیں، اعمال میں جدوجہد کرنے والے لوگ ہیں، نیات میں اخلاص برتنے والے، خدا کی محبت کے سوا ہر شے سے گریز کرنے والے، یہ بہت آگے کے لوگ ہیں۔ یہ مقرب لوگ ہیں مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ:

"ثُلَّۃٌ مِّنَ الاَوَّلِینَ ہ وَقَلِیلٌ مِّنَ الاٰخِرِینَ" (الواقعہ 14,13:56)
(اگلوں میں سے ایک گروہ اور پچھلوں میں سے تھوڑے)

کہ پچھلوں میں ایسے لوگ بہت تھے اور آج ہمارے زمانے میں ایسے لوگ بہت قلیل ہو گئے ہیں۔

خواتین و حضرات! طریقت کا لفظی مطلب بھی تھوڑا سا جدا ہے۔ یہ وہ ستون ہے جس پر سائبان ٹکتا ہے، یہ خیمہ کی وہ چوب ہے جس سے یہ خیمہ ایستادہ ہوتا ہے۔ زندگی کا، اعمال کا یہ وہ خیمہ ہے، یہ وہ ستون ہے جس پر خیمے کا سارا دارومدار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ طریقت کا ایک اور مطلب بھی ہے کہ اپنی قوم کا شریف اور معزز انسان۔۔۔ اگر آپ غور فرمایئے تو اس کے لفظی معنی میں آپ کو یہ نظر آئے گا کہ یہ عمومیت کا حامل شخص نہیں ہے۔ جو صاحبِ طریقت ہے، وہ عمومیت کا حامل شخص نہیں ہے۔ خداوندِ کریم نے جب شریعت دی تو یہ گمان نہ تھا کہ سب خدا تک equal درجہ سے رسائی پائیں گے:

تِلکَ الرُّسُلُ فَضَّلنَا بَعضَھُم عَلٰی بَعضٍ (البقرۃ 253:2)
(یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔)

جب پیغمبروں میں تفضیل ہے تو لوگوں میں تفضیل کیوں نہ ہو گی؟ دل و دماغ میں فرق کیوں نہ ہو گا؟ بندگی اور اعمال کی نیت میں فرق کیوں نہ ہو گا؟

ایک بہت بڑا معاشرہ create کرنے کے لیے اور ایک گراؤنڈ بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے شریعت تخلیق کی۔ یہ وہ کیاریاں ہیں کہ جن میں پھول کھلتے ہیں اور بلاشبہ ان میں کبھی کسی سنگلاخ سرزمین سے ایک ایسا پھول بھی کھِل جاتا ہے کہ جو بڑے سے بڑے خوبصورت پھولوں کے لیئے قابلِ رشک ہوتا ہے۔ شریعت ایک عمومی گراؤنڈ ہے جہاں بہت سارے لوگ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق کام کرتے ہیں جیسے میں نے عرض کی کہ شریعت کا مطلب ہے برابری، وہ اعمال جو سب تک برابر پہنچیں...... کوئی صاحبِ طریقت، شریعت کو اس لیے ignore نہیں کر

سکتا کہ یہ وہ survivalist attitude ہے، اللہ کی طرف سے ایک necessary attitude ہے کہ یہ کام تو سب کے لیے برابر ہے۔ شریعت تو سب کے لئے یکساں ہے۔ یہ وہ مختصر سا توشہ حیات ہے جس کو حاصل کر کے اپنی منزل تک پہنچنا ہے۔ یہ وہ معاشرہ ہے، یہ وہ سوسائٹی ہے، یہ وہ خلقِ خدا ہے، جو اتنے سارے مشترکہ اعمال جب کریں گے تو پھر خدا ان میں سے کسی کو اپنی محبت اور اُنس کی وجہ سے آگے بڑھنے کی توفیق دے گا جیسے پروردگارِ عالم نے کہا کہ مجھے خوف و وحشت سے یاد مت کرو۔ میں ڈرانے والا ضرور ہوں مگر اس دل کو نہیں جس میں میری یاد ہو۔ میں اپنی یاد کرنے والوں کو ڈرانے والا نہیں۔ میں اپنے سے محبت کرنے والوں کو خوف زدہ کرنے والا نہیں:

"فَاذ کُرُو اللہَ کَذِکرِ کُم اٰبَآءَ کُم"

مجھے ایسے یاد کرو جیسے اپنے آباؤ اجداد کو یاد کرتے ہو۔ محبت سے یاد کرو، اُنس سے یاد کرو، اخلاص سے یاد کرو، "اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا" ذرا زیادہ یاد کرو تا کہ مجھے معلوم ہو، اے بندگان خدا! کہ تم ہر چیز سے بڑھ کر مجھے یاد کرتے ہو۔ کیا آپ کو اس جملے میں یہ نظر نہیں آتا کہ خدا کی چاہت ہے کہ اسے سب سے زیادہ چاہا جائے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ بندے اسے سب سے بڑھ کر چاہیں اور ان بندوں کا خصوصاً ذکر کرتا ہے جنکے بارے میں پروردگارِ عالم کا ارشاد اپنے رسول ﷺ کو ہے اور یہ عمومی حکم نہیں ہے:

لَا تَطرُدِ الَّذِیْنَ یَد عُونَ رَبَّھُم بِالغَدٰوۃِ وَالعَشِیِّ یُرِیدُونَ وَجھَہٗ (الانعام 52:6)

(جو لوگ دن رات اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی رضا چاہتے ہیں، اے رسول ﷺ! ان پر ذرا خصوصی توجہ کرو۔)

حضراتِ گرامی! یہ خصوصی توجہ کچھ لوگوں کے لیے ہوگی۔ اصحابِ صفہ کے لیے ہوگی، وہ جو علم کی تلاش صرف خدا کے لیے کرتے ہیں، محبت صرف اللہ سے رکھتے ہیں، جنہوں نے زندگی کو ترک کیا ہوا ہوتا ہے۔ یہ کہنا کہ طریقت میں یونانی عنصر شامل ہے، یہ کہنا کہ اس کی intellectual اساس کسی معتزلہ سے بنتی ہے یا اشاعرہ اور ماتریدیہ کی مثال دینا...... بہت سے دانش ور، جن کو خدا کی محبت کا شعور نہیں ہے اور اپنے نفسانی اشکال سے نہیں نکل سکتے وہ تصوف کو، طریقت کو، ڈھکوسلہ سمجھتے ہیں۔ نام، آپ کوئی بھی رکھ لو...... الشیخ ابوالحسن کوشجی کا ارشاد ہے: پہلے لوگوں کے پاس نام نہیں تھا، لفظِ تصوف نہیں تھا مگر اعمال اور حقیقت موجود تھی اور جب سے اس کا

نام لوگوں نے تصوف رکھ دیا ہے اب اعمال اور حقیقت ختم ہو گئے ہیں:

خواتین و حضرات! وہ زمانہ بھی صوفیاء کا تھا، اصفیاء کا تھا، خدا کے وہ بندے، رسول اللہ ﷺ کے وہ ساتھی، اللہ اور اس کے رسول کے قول کے مطابق جب دن رات اللہ کے حضور جدوجہد کرتے تھے اور دن رات اعمال میں مسابقت کی کوشش کرتے تھے، وہ تمام اصفیاء تھے، مگر تب اس کو تصوف کا نام نہیں دیا جاتا تھا۔ یہ کسی مغربی فکر کا فرستادہ تصور نہیں تھا، نہ کسی intellectual approach کی بات تھی۔ یہ خالصتاً اخلاص و محبت کا وہ شعور تھا جو ایک مسلمان کے دل میں پیدا ہوتا تھا جو صاحبِ شریعت ہوتا تھا، جو اپنی ابتداء اختیار کر لیتا تھا...... ہزاروں لاکھوں لوگوں میں پھر ایک دل اللہ کیلئے زیادہ تیزی سے دھڑکتا تھا، زیادہ محبت سے دھڑکتا تھا اور یہ وہ شخص تھا جو دوسروں سے زیادہ مسابقت کر کے اللہ کی رضا کے لیے جدوجہد کرتا تھا اور ان کے بارے میں پروردگارِ عالم نے فرمایا بقولِ عمر بن خطابؓ باقی لوگوں کو خوابوں سے، نیند سے، آدھے شعورِ ذات سے، جگانے کے لیے، نیند سے چھڑانے کیلئے، اور ان کے تساہل کو ختم کرنے کیلئے جب اذانوں میں 'اَلصَّلٰوۃُ خَیرٌ مِّنَ النَّوم' کی آواز دیتے تھے مگر کچھ ایسے خاص لوگ بھی تھے جن کا خود خدا ذکر کرتا ہے کہ یہ راتوں کو محبت سے، خوف سے، اور طمع سے مجھے یاد کرتے ہیں۔ طمع کون سی......؟ اللہ کی قربت کی طمع...... خوف کیا......؟ اس سے جدائی کا خوف...... یہ وہ خوف ہے جو اپنے آپ کو ایک لمحے کے لیے بھی خدا کی قربت سے جدا ہونے کو برداشت نہیں کرتا اور طمع یہ ہے کہ مقامِ رضا تک ان کی پہچان اور شناخت ہو جائے۔۔۔ ان کا ذکر قرآن علیحدگی سے کرتا ہے۔ اگر ہم ایک طرف general مسلمان کو نیم خوابی سے جگانے کے لیے صدا دیتے ہیں اور مؤذن پکارتا ہے کہ: "اَلصَّلٰوۃُ خَیرٌ مِّنَ النَّوم" تو دوسری طرف یہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر خود، خدا کرتا ہے:

تَتَجَافٰی جُنُوبُھُم عَنِ المَضَاجِعِ یَدعُونَ رَبَّھُم خَوفًا وَّطَمَعًا (السجدہ 16:32)

(دور رہتے ہیں ان کے پہلو بستروں سے پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے)

یہ وہ لوگ ہیں جو voluntarily از خود، محبت سے، اُنس سے، خدائے کریم کی رغبت سے، اپنے بچھونوں سے جدا رہتے ہیں، جو راتوں کو کھڑے ہوتے ہیں، صبحوں کو اللہ کو یاد کرتے ہیں، جنکا کوئی لمحہ، لحظہ غفلت نہیں ہوتا۔

ایک تصادم جو ہمیشہ صاحبِ طریقت اور صاحبِ شریعت میں رہا وہ تصادم

normally یہی تصادم ہوتا ہے کہ شب بیدار لوگ کیسے غفلت میں جا سکتے ہیں؟ وہ کیسے کم محنت ہو سکتے ہیں؟ ایک شخص رات رات بھر کھڑا ہوا اللہ کو یاد کرتا ہو، کیا وہ کم محنت کرتا ہے؟ کیا اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ زندگی سے گریز کرتا ہے؟ کیا اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ depression کا مارا ہوا ہے؟ وہ جو اللہ کے لیے اتنی محنت کر رہا ہے، اپنے کردار کو سنوارنے کی، جو قربتِ خداوند کے لیے مرا جا رہا ہے، صبح و شام اس نے اپنی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے، اس کو لوگ کہتے ہیں کہ کم محنت کرتا ہے اور practical life is all important مگر خواتین وحضرات! ذہن کو اللہ نے priorities اور ترجیحات کو مرتب کرنے کی صلاحیت دی ہے۔ ہم اپنی ترجیحات کو کتنی دیر کے بعد جا کر سیکھتے ہیں۔ ہماری چھوٹی چھوٹی ترجیحات ہیں۔ ایک دن کی ترجیحات ہیں، ایک مہینے کی ہیں، ایک سال کی ہیں۔ ایک پوری زندگی کی ترجیح ہے۔ جب آپ صبح گھر سے نکلتے ہو تو آپ کے ذہن میں ان تمام important کاموں کی لسٹ ہوتی ہے جو آپ نے کرنے ہوتے ہیں اور پھر آپ اسی ترتیب سے کرتے ہو۔ کبھی جب کسی کو محبت ہو جائے تو ساری ترجیحات الٹ جاتی ہیں پھر صبح و شام، دوپہر......:

" فَسُبحٰنَ اللهِ حِينَ تُمسُونَ وَحِينَ تُصبِحُونَ " (الروم 17:30)

(پس اللہ کی تسبیح کرو صبح کے وقت اور شام کو)

جیسے اللہ کے بندے اللہ کو صبح و شام یاد کرتے ہیں، اس طرح یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنی اپنی اغراض کے لیے صبح و شام بے چین و بے قرار رہتے ہیں۔ ان کی ترجیحات خراب ہو جاتی ہیں اور صوفی اور صاحبِ طریقت اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس نے اپنی ترجیحات کا جائزہ لے لیا۔ اس کو ابتدائے حیات میں ہی یہ معلوم ہو گیا کہ انسانی زندگی کی سب سے بڑی اور آخری ترجیح صرف اور صرف اللہ ہے:

" اِنَّا هَدَينٰهُ السَّبِيلَ اِمَّا شَاكِراً وَّ اِمَا كَفُوْرًا "

یہ تمام زندگی، یہ تمام عقل و شعور، یہ تمام احساناتِ پروردگار جو مجھ پر ہو رہے ہیں، صرف ایک مقصد کے لیے ہو رہے ہیں کہ میں اپنی ترجیحِ اول کو نہ بھولوں۔ میں اپنی زندگی کے سب سے بڑے مقصد کے لیے جدوجہد کروں اور اسی وجہ سے یہ صاحبِ طریقت اور صوفیاء کہلاتے ہیں۔

خواتین وحضرات! اللہ کے اقوال کے بعد حضورﷺ نے کچھ قلبی اور نیات کے بارے میں جو احادیث ارشاد فرمائیں شاید ہم میں سے سب وہ پڑھتے ہیں، سب جانتے ہیں مگر جب آپ کسی عالمِ باعمل کے پاس جاتے ہو اور جب آپ اس کو یہ حدیث سناتے ہو تو وہ یا تو اس

حدیث کو غلط قرار دے دیتا ہے یا وہ اپنی اس بات پر مُصِر ہے کہ اعمال کی اسے ضد پڑی ہوئی ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی طرح تمام لوگ محنت کرتے ہیں آپ نہ چاہو گے تو بھی محنت کرو گے۔۔۔کسی نے سرکارِ رسالتمآب ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر اللہ نے سب مقدر لکھ دیئے ہیں تو پھر ہم کام کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا: چاہو یا نہ چاہو، تمہیں وہ کام کرنا پڑے گا جو اللہ تم سے چاہتا ہے، اس لیے کہ خدا کا ایک کنٹرول تمام ذہنوں پر مقرر ہے۔ کوئی بچھو نہیں کاٹ سکتا، کوئی سانپ نہیں ڈس سکتا، کوئی بندہ ڈرائیونگ غلط نہیں کر سکتا، کسی کا مقصدِ حیات ایکسیڈنٹ نہیں ہوتا، مگر یہ کہ ان کے اذہان، ان کے دماغ، ان کے کنٹرول اللہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور پروردگارِ عالم نے بڑی وضاحت سے فرمایا کہ:

"مَا مِن دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِھَا" (ھود 56:11)

(زمین پر کوئی ایسا ذی حیات نہیں ہے جس کو میں نے ماتھے سے نہیں پکڑ رکھا۔)

اور خواتین و حضرات! آپ جانتے ہو کہ ماتھے کے پیچھے کیا ہوتا ہے؟ forebrain جو فیصلہ کرنے والا brain ہے۔ اللہ نے ماتھے سے نہیں بلکہ ماتھے کے پیچھے آپ کے دماغ کو پکڑ رکھا ہے۔ skillfully ایک پورا remote control ہے جو آپ کے decision making پر طاری ہوتا ہے اور وہ جو چاہے آپ سے کروا سکتا ہے۔ اس کا motive drive اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ تمام زندگی کے entries اور exit اس ہی remote control کے تحت ہیں۔ کوئی بندہ مرنا نہیں چاہتا، کوئی بندہ کوئی خرابی نہیں کرنا چاہتا، کسی کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ وہ از خود کسی ایکسیڈنٹ کا شکار ہو یا کسی کو کرے مگر یہ کہ اللہ کے پاس اس کے fore brain کا کنٹرول ہے۔ اللہ نے ان کو دماغ کے اس حصے سے جو سوچتا اور عمل کرتا ہے، کنٹرول میں رکھا ہوا ہے اور دو ہی قسم کے کنٹرول ہوتے ہیں: ایک وہ کنٹرول جو اللہ نے نافذ کر رکھا ہے اور ایک وہ لوگ ہیں جو اس کنٹرول کے لیے خواہش کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے کنٹرول میں جانے کے لیے خواہش کر رہے ہوتے ہیں۔ جب آپ کہتے ہیں:

"لَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ"

تو آپ کیا کر رہے ہوتے ہو؟ یہی اقرار کر رہے ہوتے ہو ناں کہ اے مالک و کریم! میں اپنے قوت و ارادہ میں نہیں رہنا چاہتا۔ نہ میری کوئی قوت، نہ میرا کوئی ارادہ، اے میرے مالک و کریم: میری قوت کو سنبھال اور میرے ارادے کو تھام لے اور مجھے یقین ہے اور یہ یقین مجھے اس آیہ کریمہ

سے ہے کہ اللہ نے انسانوں کے لیے صرف رحمت تخلیق کی ہے:

"وَكَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ"

(میں نے ہر حال میں ان پر رحم کرنا ہے)

اور جب آپ اپنا کنٹرول اللہ کے ہاتھ میں دے دیتے ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت مہربان و رحیم و کریم ہے۔ وہ آپ کے لیے بہتر سوچ تخلیق کرتا ہے آپ کے لئے آپ سے بہتر سوچتا ہے، اس لیے بہت سیانے لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں آپ اہلِ طریقت کہتے ہو کہ وہ forceably ہر حال میں اپنا کنٹرول اللہ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ خدا ان کی یہ اہلیتیں دیکھ کر، ان کا یہ مزاج دیکھ کر، ان کی یہ محبتیں دیکھ کر بالآخر ان پر کنٹرول حاصل کر لیتا ہے۔

حدیثِ مسلم و بخاری ہے کہ پھر لوگ خدا کو اتنا یاد کرتے ہیں،......اس بے چارگی اور محبت سے، اس بے قراری سے یاد کرتے ہیں کہ ان کا دل ایک پاگل کی طرح ہو جاتا ہے، ایک ویرانے کی طرح ہو جاتا ہے۔ فرمایا: "اللہ کو اتنا یاد کر کہ لوگ تجھ کو پاگل سمجھنا شروع ہو جائیں"۔ اتنا یاد کر کہ دل ایک ویرانے کی طرح ہو جائے، جس میں صرف ایک چراغ جلتا ہو اور وہ اللہ کی یاد کا چراغ ہو۔ ہوسکتا ہے کہ آپ سے یہ activity نہ ہو سکے، ہوسکتا ہے کہ ہم اسے بڑی بات سمجھیں، ہوسکتا ہے کہ ہم اس کو جنوں سمجھیں......

؎ کبھی زمیں کا کبھی آسماں کا نظارہ
عجیب شے ہے جنوں کا خرامِ آوارہ
خود آگہی نے رگ و پے میں بجلیاں بھر دیں
رگوں کا سرد لہو بن گیا ہے انگارہ

یہ تو وہ یاد ہے، وہ محبت ہے۔ مگر حضورِ اکرم ﷺ کی سادہ سی حدیث کے پیچھے ایسی تو خواہشات چھپی ہوتی ہیں۔ جب لوگ دل سے اللہ کو اللہ مانتے ہیں اور غیر اللہ کو ترک کرتے ہیں:

"مَنْ عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ رَبُّهٗ وَاَنِّیْ نَبِیُّهٗ حَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَحْمَهٗ وَدَمَهٗ عَلَى النَّارِ" (حدیث نبوی ﷺ)

(اگر کسی نے جان لیا کہ اللہ ہی اس کا رب ہے اور یہ کہ میں اس کا نبی ہوں تو اللہ نے اس کے گوشت اور اس کے خون کو آگ پر حرام کر دیا۔)

بڑی سادہ سی بات ہے کہ خدا نے اس شخص پر آگ حرام کر دی، اس کے گوشت اور خون پر آگ حرام کر دی، جس نے یہ جان لیا کہ میرا کوئی اللہ ہے، جس نے یہ جان لیا کہ محمد ﷺ میرے نبی

ہیں۔ اور خواتین و حضرات! یہ اندھا دھند تقلید سے نہیں آتی، یہ برابر کا حصہ نہیں ہے، یہ اعمال کی تقسیم نہیں ہے، اس کے لیے کچھ اور چاہیئے اور اس کچھ اور کی اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں نشان دہی فرمائی:

" تَفَكَّرَ السَّاعَةِ خَيرٌ مِّن عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً "

(کہ ایک لمحہ دین میں غور و فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔)

خواتین و حضرات! طریقت کی بنیاد ہی غور و فکر پر ہے، committment پر ہے، سوچ سمجھ پر ہے، فکر پر ہے۔ اعمال کی بنیاد تقلید پر ہے، اعمال عادت ہیں، اعمال سرشت ہیں، اعمال میں غور و فکر کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ خدا نے اعمال کی اس عادت پر طنزیہ فرمایا ہے کہ یہ تو جانور کی بھی عادت ہے:

" اِنَّ شرَّ الدَّ وَآبِّ عِندَاللهِ الصُّمُّ البُكمُ الَّذِينَ لَا يَعقِلُونَ " (الانفال 22:8)

(بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ بہرے اور گونگے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔)

خدا کے رسول ﷺ نے فرمایا: "کہ مسلسل غور و فکر کے بغیر عمل کرنے والے کی حیثیت اس گدھے کی سی ہے کہ جو کنویں کے ساتھ بندھا ہے"۔ جو رہٹ کے ساتھ آپ نے بیل باندھا ہوا ہے، وہ تو مسلسل چل رہا ہے۔ اس کے اعمال کی حرکت متوازن اور مسلسل ہے مگر اس کے پیچھے غور و فکر نہیں ہے اور ایک لمحہ کے لیے غور و فکر......

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

وہ ایک لمحہ غور و فکر کا، جس میں آپ نے اللہ کو اللہ جانا اور اپنے رسول ﷺ کے ساتھ properly committ ہوئے، اسی ایک لمحے میں دیکھیے کہ آپ نے کیا برأت حاصل کر لی کہ اپنے خون اور گوشت کو آگ سے آزاد کر لیا اور یہ صرف اہلِ طریقت ہیں فرمایا: مگر خدا کو جاننا، بغیر اپنے جاننے کے ممکن نہیں ہے، یہ امکان کم ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں ایک قانون بخشا ہے۔ خدا نے بہتری کا ایک قانون بنایا ہے۔ رسول ﷺ نے اس کی نشان دہی کی ہے، فرمایا: " اِذَا اَرَدَ اللهُ بِعَبدِ خَيرًا " جب اللہ اپنے کسی بندے کی خیر کا ارادہ کر لیتا ہے، جب اللہ یہ فیصلہ کر لے کہ میں اسے خیرِ کثیر عطا کروں اور خیر کثیر حکمت ہے:

" يُوءتِي الحِكمَةَ مَن يَّشَآءُ وَ مَن يُّؤتَ الحِكمَةَ فَقَد اُوتِيَ خَيرًا كَثِيرًا " (البقرة 269:2)

اور سب سے بڑی حکمت کا ذکر اللہ کے رسول ﷺ نے اس حدیث میں کیا ہے: "اِذَا اَرَادَاللهِ بِعَبدٍ خَيرًا" جب اللہ نے یہ ارادہ کرلیا کہ بندے کو خیرِ کثیر عطا فرمائے گا، اعلیٰ ترین حکمت عطا فرمائے "اَبصَرَهٗ بِعُيُوبِ نَفسِهٖ" تو اس کو اپنے نفس کی خرابیوں سے آگاہ کر دیتا ہے، اس کو اپنی غلطیوں سے آشنا کر دیتا ہے، اس کو اپنی کوتاہیوں سے آشنا کر دیتا ہے۔ جو شخص اپنے آپکو درست سمجھتا ہے، جسے اپنے Self کے ساتھ ہمدردی ہے، جس نے صرف اپنے آپ کو بہترین سمجھا، جس نے صرف دوسروں پر تنقید کی، عیب جوئی کی اور جس نے صرف اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا ہے، اس کیلئے یہ حدیث کارآمد نہ نکلے گی۔ خدا تو خیر اس سے کرتا ہے، محبت اور انس اور کرم اس پر کرتا ہے، جس کو اس کے عیوب سے آگاہی دے دیتا ہے مگر اس میں بھی انکسار و ملامت غلط ہے اور یہ انکسار اچھا نہیں ہوتا کہ میں تو ہوں ہی ایسا، میں تو برا ہوں مگر دل میں خوشی منا رہے ہوتے ہیں کہ اس انکسار کے بدلے میں لوگ مجھے اچھا سمجھ رہے ہیں۔ یہ مکر و فریبِ ذات ہے مگر جس نے ایمانداری سے، اپنے توکل سے، خیال سے، پوری احتیاط سے یہ جانا کہ میں کبھی بھی بہتر نہیں ہو سکتا، میں کبھی بھی پاک وصاف نہیں ہوسکتا...... ایک صوفی نے فرمایا: "انسان تو مٹی کا بنا ہے، مٹی سے تو کدورت نہیں جا سکتی، صفا تو اللہ کی طرف سے آتی ہے"۔ جب آپ آگاہ ہو کہ آپ سے کدورت نہیں جا سکتی تو آپ صوفی ہو، جب آپ کو پتہ ہے کہ آپ کی خامی ہر وقت آپ میں موجود رہتی ہے تو آپ اللہ کے نیک بندے ہو، اس لئے کہ خداوندِ کریم کے قول کے مطابق کوئی شخص بھی پاک وصاف نہیں ہوسکتا، ہاں البتہ ایک بہتری اس میں ہے:

" اَلَّذِينَ يَجتَنِبُونَ كَبٰئِرَ الاِ ثمِ وَالفَوَاحِشَ اِلاَّ اللَّمَمَ " (النجم 32:53)

(وہ جو بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں مگر اتنا گناہ کے پاس گئے اور رک گئے)

خدا کہتا ہے کہ اگر بڑے گناہوں سے پرہیز کرو تو چھوٹے تو تم کرو گے ہی۔ تو انسان کو تیار رہنا چاہیے، یہ خدا کا فیصلہ ہے کہ بڑے گناہوں سے اگر بچو گے تو چھوٹے چھوٹے تو تم میں موجود رہیں گے ہی اور کسی بھی موقع پر میرا التقویٰ اور طہارت اس درجہ بلند نہیں ہونی چاہیے کہ وہ ایک دعویٰ بن جائے۔

میں نے آپ کو اللہ کی وہ باتیں بتائی ہیں جن میں کچھ خصوصی لوگوں کا ذکر ہے۔ دیکھئے پروردگارِ عالم کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کیا ارشاد فرماتے ہیں: "جِبِلَّةُ القُلُوبِ" لوگوں کی یہ جبلت ہے کہ عَلٰى حُبِّ مَن اَحسَنَ اِلَيهِ جو شخص بھی اس کے ساتھ احسان کرتا ہے، اس کے ساتھ اس کو اُنس ہو جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ جب کسی شخص کے ساتھ ہمدردی کی جائے تو

دوسرے شخص کو جس کے ساتھ ہمدردی ہو جاتی ہے، وہ اسے پسند کرتا ہے اور اس کے ساتھ محبت کرتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا عجیب بات ہے، کیا لوگوں کو پتہ نہیں کہ سب محسنوں سے بڑھ کر۔ سب محبت کرنے والوں سے بڑھ کر۔ اللہ، انسان سے محبت کرتا ہے تو پھر وہ، اسے کیوں نہیں وہ انس لوٹاتا، وہ محبت کیوں نہیں لوٹاتا...... اگر اُس کے علم میں یہ آ جائے کہ اللہ سے بڑھ کر انسان سے کوئی محبت نہیں رکھتا تو انسان کی ایک نارمل جبلت اگر یہ کر سکتی ہے کہ وہ اپنے محسنوں سے محبت کرتا ہے تو ایک natural بات یہ ہے کہ پھر انسان کو سب محسنوں سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرنی چاہیے۔ خدا کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے...... بعض وہ باتیں ہیں جو عام لوگ مانتے ہیں۔ بعض لوگ وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی خاص باتیں مانتے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں اس سے بڑا قانونِ جبر و قدر نہیں دیکھا جو اللہ کے رسول ﷺ کی اس حدیث میں ہے:

''مَن لَّم یَرضَ بِاللہِ بِقَضَائِہٖ شَغَلَ قَلبَہٗ'' (حدیثِ نبوی)

(جس شخص نے قضا و قدر پر آمادگی کا اظہار نہیں کیا، جو اللہ کی تقدیر سے راضی نہ ہوا، اس نے اپنے بدن اور اپنی روح کو مشقت میں ڈال دیا۔)

خواتین و حضرات! اس کا مطلب یہ ہے اور یہ حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ قضا و قدر کے مالک نے دنیا کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے انسانوں کے مقدر لکھ کر کتاب میں محفوظ کر دیئے تھے۔ اس نے کہاں پیدا ہونا ہے، کہاں پروان چڑھنا ہے، کہاں رکنا ہے، کیا کھانا ہے......؟

'' وَمَا مِن دَآبَّۃٍ فِی الاَرضِ اِلَّا عَلَی اللہِ رِزقُھَا ''(ھود 6:11)

(اور زمین پر کوئی ایسا ذی حیات نہیں، جس کا رزق ہمارے ذمہ نہ ہو)

اور اسی کے علم میں ہے کہ کہاں اس نے قیام پکڑنا ہے، اور کہاں اس نے واپسی کرنی ہے،

''کُلٌّ فِی کِتٰبٍ مُّبِینٍ '' (ھود 6:11)

(ہر چیز کتابِ مبین میں لکھی ہے۔)

جب اللہ کی اس بات کا انسان کو علم ہو، اس کے باوجود وہ اپنی پروگرامنگ کرتا رہے، تو اس کیلئے صرف پریشانی ہے، ایک وہ سکیم ہے جو اللہ نے آپ کے لئے تیار کی ہے، ایک وہ سکیم ہے جو آپ اپنے لئے تیار کرتے ہو، خواتین و حضرات! جتنا ان دونوں schemes میں فرق ہوگا، فاصلہ ہوگا، جتنا بُعد ہوگا، اتنی ہی زیادہ آپ کی زندگی میں پریشانی اور مشقت ہوگی۔ کوشش تو آپ ضرور کرو کیونکہ probabilities کا جہان بڑا وسیع ہے۔ امکانات کی دنیا بڑی وسیع ہے، مگر کبھی بھی

اپنی کوششوں کا صلہ اپنی مرضی کے مطابق مت چاہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی بہت زیادہ کوشش کی ہوئی جگہ نا منظور کر دی جائے اور راہ چلتے کہیں آپ کا مقدر اللہ کی رضا کے مطابق ہو جائے تو کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ یہ اہلِ صوف کا قاعدہ ہے کہ خدا کی رضا کے حصول میں اپنی مرضی اور قدر کو معطل کر دیتے ہیں اور یہی وہ فرق ہے کہ جو ایک عام مسلمان میں اور ایک خصوصی مسلمان میں ہوتا ہے۔

بہت سے لوگوں کا گمان یہ ہے کہ تصوف کسی غیر اللہ کی تقلید میں نکلی ہے۔ انکا خیال یہ ہے کہ یہ ان کی من گھڑت داستانیں ہیں، ان کی کرامات داستانیں ہیں، ان کے خیالات داستانیں ہیں، یہ نا قابلِ عمل لوگ ہیں مگر دراصل یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے بڑے خلوص اور محبت کے ساتھ خدا اور رسول ﷺ کی بڑی گہری متابعت کا فرض ادا کیا ہے۔ فقر کی بہت سی تعریفیں ہیں مگر میں رسول اللہ ﷺ کی کہی ہوئی ایک چھوٹی سی بات آپ کو بتا رہا ہوں:

"اَلفَقرُ وَطَنُ الغیب"

(فقر غیب کا وطن ہے۔)

اور غیب سے مراد اللہ ہے کہ جب تک آپ دل کو آرزو سے خالی نہ کرو گے، خواہش سے خالی نہ کرو گے، خدا کی رضا کو اپنی رضا پر مقدم نہ کرو گے، جب تک آپ واقعی فقر اختیار نہ کرو گے آپ کو غیب حاصل نہیں ہوگا اور غیب صرف اللہ ہے۔ باتیں غیب نہیں، تخلیق شدہ امور غیب نہیں ہیں، دراصل اگر جانا جائے، اگر سمجھا جائے تو تمام ایمان بالغیب بالآخر اللہ ہی کو پلٹتا ہے۔ اگر ہم ملائکہ کو غیب سمجھتے ہیں، اگر ہم بہت ساری دوسری چیزوں کو غیب سمجھتے ہیں، تو صرف اس وجہ سے سمجھتے ہیں کہ انکا خالق غیب میں ہے اور میرے شیخ حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ ظاہر کیوں نہ ہو گیا تا کہ اہلِ دل کی مصیبت ہی ختم ہو جاتی، فرمایا کہ اگر اللہ ظاہر ہو جاتا تو ایمان جبر ہو جاتا، پھر ایمان میں اختیار نہ رہتا، پھر کسی کو مجالِ انکار نہ ہوتی اور وہ دولتِ عقل و علم جو اللہ نے انسان کو دی تھی، اس کا شرف باقی نہ رہتا۔ اللہ نے تو اس لئے علم و عقل عطا فرمائے کہ آپ غور کرو، سوچو سمجھو اور خدا کو سامنے نہ ہونے کے باوجود پہچانو اور اسے مانو۔ اگر اللہ ظاہر ہو جاتا تو ایمان مجبوری بن جاتا اور مجبوری کے باوجود بھی تو آپ خطا کے حامل ہیں۔ یہی کچھ حضرتِ آدمؑ سے ہوا کہ حضورِ یزداں ہوتے ہوئے بھی خطا ہو سکتی ہے تو پھر اس خطا کو کون معاف کر سکتا ہے؟ جب اللہ کے حضور میں آپ خطا کرتے ہیں، جانتے بوجھتے ہوئے، نظری شہادتوں کے ہوتے ہوئے بھی آپ اللہ

کے احکامات کا انکار کرتے تو پھر انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ آپ کو پوری پوری سزا ملتی۔ جدامجد کو تو اللہ نے بخش دیا، ہمارے لئے کوئی صورتِ فرار نہیں نکلتی تھی۔

حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے، میں اس کو confirmed حدیث نہیں کہتا، اس لئے کہ شاید مستند ترین احادیث میں اس کا وجود نہ ہو مگر جب ہمیں کسی موضوع پر اس کی شہادت مل جائے...... حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

"مَن سَمِعَ صَوتَ اَهلَ التَّصوُّفِ فَلا یُؤ مِنُو اعَلٰی دُعَاءِ هِم کُتِبَ عِندَ مِنَ الغَافِلِینَ"

(جو اہل صوف کی دعا سنے، ان کی آواز سنے اور ان کی دعا پر آمین نہ کہے وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں شمار ہوتا ہے۔)

یعنی جس نے اہلِ صوف کی، صفائے قلب والے لوگوں کی آواز سنی اور ان کی دعا سنی اور اس پر آمین نہ کہا کیونکہ وہ غلط دعا تو کر نہیں سکتے، وہ آپ کی بہتری اور اخلاق کیلئے دعا کرتے ہیں اور جس نے بھی یہ دعا سنی اور اس پر آمین نہ کہی تو اللہ نے اس کو غافلوں میں لکھ دیا۔

اب آیئے بڑے کمال صحابہ کی طرف...... سیدنا ابی بکر صدیقؓ نے جب وصالِ رسول ﷺ کے موقع پر خطبہ دیا تو اس میں ایک جملہ بڑا عجیب سا بولا...... حضراتِ گرمی! یہ اس لئے میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ عمومی لوگوں کی نظر میں شاید ان فقرات اور جملوں کی وہ اہمیت نہیں ہوتی جو اہلِ دل کے نزدیک ہوتی ہے۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا:

"مَن نَظَرَ اِلَی الخَلقِ هَلَکَ"

(جس نے مخلوق کی طرف نگاہ کی وہ ہلاک ہوا)

"وَمَن رَجَعَ اِلَی الحَقِّ مَلَکَ"

(اور جس نے حق کی طرف نظر کی اور مخلوق سے نظر چرائی وہ بادشاہ ہے۔)

وہ ملک ہے، وہ آقا ہے اور یہ تصوف کے بنیادی اصول ہیں کہ خلق کی طرف سے نظر چرانا اور صرف اللہ کی طرف توجہ مرکوز رکھنا، اپنی ذات کے لئے کسی قول کی آگہی کو مخدوش قرار دینا......

اللہ اور رسول ﷺ اور پھر اصحابِ کبار اور اب امامِ اہلِ بیت جنابِ محمد بن علی بن امام حسین بن علی مرتضیٰ کا قول آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں:

"التَّصوُّفُ خلقَ فَمَن زَادَ عَلَیکَ فِی الخَلقِ زَادَ عَلَیکَ فِی التَّصوُّفَ"

تصوف پاکیزہ اخلاق کا نام ہے۔ تصوف غیر معمولی چیز نہیں ہے۔ اللہ کیلئے اپنے بدن، ذہن اور

اخلاق کوسنوارنے کا نام ہے۔ جس کے جتنے زیادہ پاکیزہ اخلاق ہوں گے، وہ اتنا ہی زیادہ صوفی ہوگا۔ اب آیئے بڑے اصحابِ تابعین کی طرف...... حضرت سعید بن المسیبؒ نے بڑی خوبصورت بات کہی۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ مجھے کوئی ایسا حلال بتاؤ، جس میں کوئی حرام نہ ہو اور کوئی ایسا حرام بتاؤ کہ جس میں کوئی حلال نہ ہو، تو فرمایا:

''ذِکرُ اللّٰہِ حَلالٌ لَیسَ فِیہِ حَرَامٌ''

(اللہ کا ذکر واحد ایسی چیز ہے جس میں حرام کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔)

''وَذِکرُ غَیرِہٖ حَرَامٌ لَیسَ فِیہِ حَلَالٌ''

(اور غیر کا ذکر ایسا حرام ہے جس میں حلال کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔)

یعنی اللہ کا ذکر ایسا حلال ہے کہ جس میں کوئی حرام کا شائبہ نہیں اور غیر اللہ کا ذکر ایسا حرام ہے جس میں کوئی حلال کا شائبہ نہیں۔ یہ بات کسی یونانی فلسفے کے اثر کے تحت تو نہیں کی جاسکتی۔ یہ بات تو وہی لوگ کریں گے کہ جن کو ہر چیز سے بڑھ کر صرف اور صرف خدا سے انس ہوگا۔ حضرت جعفر بن محمد صادقؓ کا ارشاد ہے:

''مَن عَرَفَ اللّٰہَ اَعرَضَ عَمَّا سِوَاہُ''

(جسے اللہ کی معرفت حاصل ہوگئی وہ ماسوا سے کنارہ کش ہوگیا۔)

خواتین و حضرات! ایک بات یاد رکھئے کہ اس سے مراد رہبانیت نہیں ہے۔ یہ بات یاد رکھئے گا کہ مسلمان صوفیاء کبھی بھی رہبانیت کو مائل نہیں ہوئے۔ اتنی سخت محنتوں کے باوجود سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ مخلوق کو پلٹے، اتنی شدتوں کے باوجود خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اجمیر کو لوٹے ہیں۔ یہ تمام بزرگانِ اشراف، وہ تمام اشرافِ تصوف، دنیا سے ہٹے نہیں ہیں۔ انہوں نے گریز نہیں کیا بلکہ جب انہوں نے اپنی کوتاہیٔ ذات پر قابو پالیا، جب انہوں نے اپنے آپ کو پاکیزہ اور معطر کرلیا تو خدا کے نزدیک یہ اولیاء میں شامل ہوئے اور جیسے پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ میرے اولیاء کی تعریف یہ ہے کہ ''اَلَا اِنَّ اَولِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوفٌ عَلَیھِم وَلَا ھُم یَحزَنُونَ'' جب ان کے دل خوف و حزن سے خالی ہوگئے تو پھر یہ مخلوق میں اُنکا خوف و حزن بانٹنے کو آئے......

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے اپنے دل خوف و حزن سے خالی ہوگئے، اضطراب سے خالی ہوگئے، ماسوا سے خالی ہوگئے تو پھر ان لوگوں نے خدا کی دی ہوئی اس نعمت کو لوگوں کے اندر بانٹا، لوگوں میں سکون بانٹا، طمانیت بانٹی، محبت بانٹی اور شرفِ ذات بانٹا اور خواتین و حضرات! اگر

برصغیر کی آپ تاریخ دیکھ لو تو یہاں شاید صرف کچھ ہزار مسلمان آئے تھے۔ آج اگر برصغیر میں آپ کو ان گنت اور کروڑوں مسلمان نظر آ رہے ہیں تو یہ فوجیوں کی وجہ سے نہیں ہیں، یہ غارت گری کی وجہ سے نہیں ہیں، یہ محمود غزنوی یا غوری کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ اللہ کے ان بندوں کی طرف سے ہیں کہ جنہوں نے اتنی محبتوں کا اظہار کیا، لوگوں سے اتنی شفقتیں برتیں کہ ان کو ان کے سوا اور کسی دین میں سچائی نظر نہیں آئی اور یہی وجہ ہے کہ برصغیر میں اسلام کے عروج میں آپ کو کسی سکہ بند سکول کا عالم نظر نہیں آئیگا۔ جب بھی برصغیر میں اسلام کی تاریخ لکھی جائے گی تو اس کی تبلیغ ورشدو ہدایت میں اولیاء اللہ کے نام آئیں گے، جس کا آغاز سید علی بن عثمان ہجویریؒ سے ہوا اور انجام اللہ بہتر جانتا ہے۔

حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں: نور یہ ایک school of thought ہے، جیسے آپ کے باقی schools of thought ہیں، جیسے ہمارے ہاں دیو بند اور بریلی ہیں۔ یہ تو آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں مگر تصوف کے سکول آپس میں لڑتے جھگڑتے نہیں ہیں بلکہ کسی ایک کو الٹی کو اپنے اوپر زیادہ محیط کرتے ہیں۔ صوفیاء کے تمام سکول ایک ہیں، جیسے حضور ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے صرف ایک بات بتادو جو مجھے دین میں کام آئے۔ فرمایا: ''بس جھوٹ مت بولو۔'' کچھ عرصے کے بعد وہ آیا اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں تو مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔ ایک جھوٹ نہ بولنے کی وجہ سے مجھے تو زندگی کی ہر برائی چھوڑنی پڑ گئی ہے۔ تو صوفیاء کا یہ طریقہ تھا کہ کوئی ایک بات اپنے اوپر لازم قرار دیتے اور پھر اس لازم بات کو ساری زندگی پکڑتے۔ خواجہ ابوالحسن نوریؒ ایثار کو تھامے ہوئے تھے۔ دوسروں کیلئے قربانی کرنے کے قائل تھے۔ جب ایک دفعہ بادشاہِ وقت کے سامنے ان کی شکایت ہوئی اور ان کے قتل کا حکم ہوا، ان کے ساتھ ایک دوسرے آدمی کے قتل کا بھی حکم ہوا۔ جب ان کے دوسرے ساتھی کو قتل کرنے لگے تو خواجہ نے آواز دی کہ اے بھائی! مرتے وقت ایک احسان مجھ پر کردو...... چونکہ یہ ساری کارروائی حکمرانِ وقت کے سامنے ہو رہی تھی تو اس نے کہا کہ مرتے وقت تو انسان کی خواہش پوری ہونی چاہیے، تو اس نے پوچھا کہ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ ابوالحسن نوریؒ نے کہا کہ اس بھائی سے پہلے میری گردن کاٹ لو۔ بادشاہ بڑا حیران ہوا، اس نے کہا: مرنا تو تم دونوں نے ہی ہے تو یہ کیا؟ ابوالحسن نوریؒ نے کہا کہ اگر میری زندگی کا ایک لمحہ بھی میرے کسی بھائی کے ایک لمحہء زندگی کے کام آ جائے تو میری زندگی سنور جائے...... بادشاہ نے جب یہ حال دیکھا تو

شکایت کرنے والے سے کہا کہ اتنے ایثار پیشہ لوگوں کے بارے میں تم اتنی غیبت کر رہے تھے تو اُن کی جگہ شکایت کرنے والے کی گردن ماری گئی۔

خواجہ ابوالحسن نوریؒ فرقہء ایثاریہ کے شیخ ہیں۔ تصوف کی تعریف فرماتے ہیں:

''التَّصوُّفُ هُوَا الحُرِّ يَةُ وَالفُتُوَّةُ '' یعنی تصوف آزادی ہے حرص وہوا سے خواہشات کی غلامی سے، اپنی جذباتی کیفیتوں سے، قبضہء غاصبانہ سے اور یہ مردانگی ہے، جنگ وجدل ہے۔ خدا کیلئے ہر odd سے جنگ کرنے کا نام ہے۔ ''وَترکُ التَّکلُّفِ وَالسَّخَآءُ وَبَذْلُ الدُّنیَا'' ہر تکلف کو ترک کرنے اور رسم ورواج سے آزاد ہونے اور دنیا کو دوسروں کیلئے چھوڑ دینے کا نام تصوف ہے۔ اپنے لئے دنیا کو رکھنا صاحبِ شرع لوگوں کا کام ہے۔ دوسروں کیلئے دنیا کو چھوڑ دینا اہلِ طریقت کا کام ہے۔

ایثار کے ضمن میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث ہے۔ فرمایا: میں اتنا بھوکا تھا کہ جب میں چلتا تھا تو لوگوں نے گمان کیا کہ میں نے نشہ کیا ہوا ہے۔ میں گرتا پڑ رہا تھا۔ رستے میں مجھے عمرؓ ملے، تو میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ عمرؓ بڑے زیرک انسان ہیں، میرے دل کا حال جان جائیں گے۔ عمرؓ نے مجھے دیکھا تو ہنسے اور کہا: ابو ہریرہؓ کیا حال ہے! کدھر جاتے ہو؟ اور میں مایوس ہو گیا کہ ان کو میری بھوک کا علم نہیں ہوا۔ پھر آگے گیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ ملے، فرمایا: آج قدم ٹیڑھے پڑ رہے ہیں، خیر تو ہے، مگر یہ نہ پوچھا کہ بھوکے تو نہیں ہو؟ تو میں بمشکل حضور ﷺ کے پاس پہنچا، مجھے دیکھ کر حضور ﷺ ہنسے اور فرمایا کہ اے ابو ہریرہ بہت بھوک لگی ہے؟ میں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ تو حال جانتے ہیں۔ فرمایا: ٹھہرو! اتنے میں ایک شخص آیا، وہ دودھ کا ایک کٹورہ لایا تو میرے دل میں تھا کہ حضور ﷺ کو میرا علم ہے اور یہ دودھ آیا ہی میرے لئے ہے اور یقیناً حضور ﷺ یہ مجھے عطا فرمائیں گے مگر حضور ﷺ نے وہ نہیں دیا بلکہ اسی وقت چار مہمان آگئے اور حضور ﷺ نے پیالے پر ہاتھ رکھا اور وہ پڑھا جو آپ ﷺ برکت کیلئے پڑھتے تھے، پھر پیالہ ایک مہمان کو دیا۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں سخت مایوس ہو کر کونے میں بیٹھ گیا کہ میری تو گزراوقات ہی کوئی نہیں رہی۔ یہ کہاں دودھ چھوڑیں گے، پھر دوسرے نے پیا، پھر تیسرے نے اور پھر چوتھے نے پیا۔ جب چاروں مہمان پی چکے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابو ہریرہ آ! اور جتنا دل چاہتا ہے پی......! تو ایک جملے میں جو عرب بولتے ہیں......ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اتنا دودھ پیا، اتنا پیا، کہ اس کی سیرابی میرے ناخنوں تک پہنچ گئی اور پھر

رسولِ اکرم ﷺ نے مسکرا کر پوچھا کہ ابو ہریرہ پیٹ بھر گیا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے اس پیالے کو اپنے ہاتھ میں لیا اور باقی ماندہ دودھ پیا۔۔۔ یہ جو دوسخا ہے۔ اپنی ضرورت پر دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دینے کا نام ہے۔ ہم ہمسایوں کے گلی کے رستے بند کر دیتے ہیں، ہم ان کے پانی بند کر دیتے ہیں مگر اُدھر اصحاب کا یہ قولِ مبارک ہے کہ ہمسائیگی کی اتنی شدید اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں تاکید کی کہ ہم ڈرے کہ کہیں یہ ہماری وراثت تک میں نہ داخل کر دیئے جائیں۔ آپ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ماننے والے ہو......

آپ سچ کہتے ہو کہ طریقت سمجھ میں نہیں آتی۔ طریقت تو تب سمجھ میں آئے گی ناں جب خدا کے رسول ﷺ کے الفاظ کو آپ اپنی زندگی میں معانی دو گے، جب ان کی اقدار کو آپ زندگی میں نافذ کرو گے، تو تب طریقت سمجھ میں آئے گی۔ حضرتِ ابوعلی قزوینیؒ نے ایک چھوٹے سے جملے میں تصوف کو سمیٹا ہے، فرمایا: ''اَلتَّصَوُّفُ هُوَ الاَخْلَاقُ الرَّضِيَّةُ'' کہ پسندیدہ اور اچھے افعال کا نام تصوف ہے۔

خواتین و حضرات! آپ دیکھتے ہو کہ آپ کو کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آرہی، کوئی حیران کن بات نظر نہیں آرہی، یعنی تمام بڑے سے لے کر چھوٹے صوفیاء تک صرف ایک بات پر agree کر رہے ہیں کہ اچھے اخلاق کا نام تصوف ہے، اچھے behaviour کا نام، ایثار و قربانی کا نام تصوف ہے، مردانگی اور جرأت کا نام تصوف ہے۔ اپنے وقت کے بہت بڑے امام، بہت بڑے عالم، بہت بڑے عارفِ خدا، حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں:

''اَحَبُّ الاَعْمَالِ الاِخلاَصُ فِي الاَعْمَالِ''

(مجھے اعمال میں سب سے اچھا عمل اخلاص لگتا ہے)

یہ اخلاص وہ ہے کہ شیطان نے رب کریم سے دعویٰ کیا اور کہا کہ اے میرے مالک و کریم! مجھے فرصت دے، میں تیرے بندوں کے دائیں سے آؤں گا، بائیں سے آؤں گا، اوپر سے آؤں گا، نیچے سے آؤں گا۔ میں انہیں ہر طرف سے گمراہ کروں گا۔ خدا نے کہا، بے شک تیرا اور تیرے ساتھیوں کا حصہ عذاب وجہنم میں لکھ دیا ہے مگر اتنی بات یاد رکھنا کہ تو میرے اس بندے کو کبھی گمراہ نہیں کر سکے گا: ''اِلَّا عِبَادَ اللهِ الْمُخْلَصِيْنَ'' کہ جس کے دل میں میرے لئے ذرّا برابر اخلاص بھی موجود ہے تو کبھی اس کو گمراہ نہیں کر پائیگا۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک راہب کو دیکھا کہ صبح و شام عبادت میں غرق تھا اور اس کے مجاہدے کی لوگ مثالیں

دیتے تھے تو میں نے اس سے پوچھا کہ اے راہبِ مقدس! یہ تو بتا کہ خدا تک رسائی کی کون سی راہ ہے، تو اس نے کہا، اچھا!

''لَو عَرَفتَ اللّٰہُ لَا عَرَفتَ طَرِیقَۃَ اِلَیہِ''

(اللہ کو جانتے ہو اور اس تک پہنچنے کا رستہ نہیں جانتے۔)

اللہ تک پہنچنے کا رستہ وہی ہے جو خدا کا ہے، اس کے رسول ﷺ کا ہے، ائمہ اہل بیت کا ہے اور وہ رستہ ہے جو اولیاء اللہ تعالیٰ کا ہے، تا کہ آپ لوگ بھی غم وغصہ کی ان کیفیتوں سے جیسے اللہ نے تعریف کی ہے اولیاء اللہ کی کہ میرے بہترین بندے وہ ہیں جن کے دلوں سے میں نے fears اور frustrations اٹھالیں...... ہاں، بے سکونی اولیاء کو بھی ہوتی ہے مگر یہ بے سکونی ان کی دنیا اور اس کی خواہش کی وجہ سے نہیں ہوتی، یہ بے سکونی اور بے چینی اور اضطراب اس لئے ہے کہ کہیں نہ کہیں سے کوئی ایسی چیز مل جائے، کوئی قدم ایسا اٹھ جائے، کوئی خیال ہمیں ایسا نصیب ہو جائے کہ جو خدا کے قریب تر کر دے، اسی لئے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا:

''اَلسُّکُونُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوبِ اَولِیَائِہٖ''

(کہ اللہ کے اولیاء پر اللہ کیلئے سکون حرام ہو جاتا ہے۔)

وہ ہر لمحہ اسی سوچ اور فکر میں ہوتے ہیں کہ ہم کوئی نہ کوئی اور ایسا کام کر لیں جو خدا کی محبت اور رضا کے حصول کیلئے اسے قابلِ قبول ہو۔

حضرت جنیدؒ کے استاد حضرت سری سقطیؒ نے بڑی خوبصورت بات ارشاد فرمائی، وہ بہت بڑے ولی ءزمانہ ہیں، اولیاء اللہ کے استاد ہیں، عجیب سی دعا مانگتے تھے۔ یہ دعا آپ نے کبھی کسی عالم اور دانش ور سے نہ سنی ہوگی۔ فرمایا:

''اَللّٰھُمَّ مَھمَا عَذَّبتَنِی بِہٖ مِن شَیی ءٍ فَلَا تُعَذِّبنِی بِذِلِّ الحِجَابِ''

(اے اللہ! مجھے کسی بھی چیز کا عذاب دینا چاہے، تو دینا مگر ایک عذاب نہ دینا، مجھے حجاب کا عذاب نہ دینا۔)

فرمایا کہ مجھے جو مرضی تکلیف دے، مجھے قبول ہے مگر مجھے حجاب کا عذاب نہ دینا، اپنا آپ نہ مجھ سے چھپا کر رکھنا، میری ذات نہ مجھ سے چھپا کر رکھنا۔ مجھے کشادِ نفس ضرور عطا فرمانا اور مجھے اپنی رویت کا حجاب نہ دینا میں تجھ سے حجاب میں نہ چلا جاؤں۔ باقی سارے حجاب مجھے قابلِ قبول ہیں۔

حضرت ابو یزید بسطامیؒ تصوف کے دس مشہور آئمہ میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے بندگی کی راہ کا آغاز ریاضت اور مجاہدہ سے کیا۔ وہ فرماتے ہیں:

" عَمِلْتُ فِی الْمُجَاهِدَةِ ثَلٰثِیْنَ سَنَةً ، فَمَا وَجَدْتُ شَیْئًا اَشَدُّ عَلَیَّ مِنَ الْعِلْمِ وَمُتَابِعَتِهٖ "

(مین نے تیس سال تک مجاہدہ کیا مگر مجھے علم اوراس کی پیروی سے زیادہ کوئی چیز مشکل نظر نہیں آئی)

یعنی اپنی کہی ہوئی اور اپنی سوچی ہوئی بات پر عمل کرنا سب سے بڑا مشکل کام ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مجاہدات فضول ہیں، تفکر اور غور وفکر اس وقت تک فضول ہیں جب تک کہ قول وفعل کے تضاد سے گریز نہ ہو۔

" لِمَ تَقُوْ لُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ " (الصفت 2:61)

(تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔)

صوفیاء اور اہل طریقت کی جدو جہد اسی اصول کیلئے ہے کہ وہ جو کچھ کہیں اس پر عمل بھی کریں۔

تصوف اور طریقت کی مثالی تعریف ابوسعید فضل اللہ کا یہ ارشاد ہے:

" اَلتَّصَوُّفُ قِیَامُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰہِ بِلَا وَاسْطه "

(تصوف دِل کا اللہ کے ساتھ قائم ہونا ہے، بغیر کسی واسطے کے۔)

یعنی تصوف اللہ سے دل لگانے کا نام ہے۔حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں:

" اَلتَّصَوُّ فُ ھُوَالْحُرِّ یَّةِ وَالْفُتُوَّةُ وَتَرْکُ التَّکَلُّفِ وَالسَّخَآءُ وَبَزْلُ الدُّنْیَا "

(تصوف نام ہے نفس اور حرص وہوا کی غلامی سے آزادی پانے کا، باطن کے مقابلہ میں جرأت و مردانگی دکھانے کا، دنیوی تکلفات کو ترک کر دینے کا، اپنے مال کو دوسروں پر صرف کر دینے کا اور دنیا کو دوسروں کیلئے چھوڑ دینے کا۔) اور پھر فرماتے ہیں:

" اَلصُّوْفِی لَا یَمْلِکُ وَلَا یُمْلَکُ "

(نہ صوفی کے قبضے میں کچھ ہے نہ وہ خود کسی کے قبضے میں ہے۔)

نہ وہ کسی آرزو اور خواہش کے قبضے میں ہے، نہ اس کی کوئی ملکیت ہوتی ہے، نہ وہ کسی کی ملکیت ہوتا ہے۔وہ صرف اور صرف اللہ کا ہوتا ہے۔

حضراتِ گرامی! ان بے شمار باتوں میں آپ مجھے کوئی ایک ایسی چیز بتا سکتے ہیں جو کسی یورپی مفکر سے ادھار لی ہوئی ہو، کسی فلسفہء یونان سے ادھار لی ہوئی ہو، کسی رومن فلسفی، کسی ارسطو وسینا و فارابی کی تو کوئی چیز نہیں..... یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے مطمحِ نظر بالکل clear، واضح اور روزِ روشن کی طرح واضح ہیں۔

"اَلصُّوفِی لَا یَرٰی اِیمَانَ فِی غَیرِ اللّٰہ "

(صوفی وہ ہے جو دونوں جہانوں میں بجز ذاتِ خداوندی کے اور کچھ نہیں دیکھتا۔)

اتنی!...concentration!اتنا خلوص! اتنا دماغ کا مرتبہءعالی...! شیخ سعدی نے فرمایا:

تا مردِ سخن نہ گفتہ باش

عیب و ہنرش نہفتہ باش

(جب تک مرد بات نہیں کہتا اس کے عیب و ہنر پوشیدہ رہتے ہیں۔)

ہمیں اگلے کے مرتبہءشخصیت کا اندازہ اس کے کلام سے ہوتا ہے۔اگر کوئی بہت حسین و خوبصورت شخص بھی کیوں نہ ہو، بہت اعلیٰ شخصیت بھی کیوں نہ ہو، جب تک اس کے منہ سے بات نہیں نکلتی، آپ اس کی شخصیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے اور بڑی بڑی مایوسیاں اس وقت ہوتی ہیں جب بدصورتوں کی اچھی آوازیں سننے کو ملتی ہیں، لتا منگیشکر کو ہی دیکھ لو.....!

ایک دفعہ ایک بہت بڑی مجلس میں ایک جوانِ رعنا ایسا تھا کہ ہر آنے جانے والے کی توجہ کا مرکز تھا۔وہ مردوں کے لیے بھی باعثِ حسد تھا اور عورتوں کیلئے بھی باعث رشک تھا، انتہائی خوبصورت شخص تھا، اس کی شخصیت بڑی پُر وقار تھی۔کھانا سَرو ہو رہا تھا، وہ بول نہیں رہا تھا، ہر کوئی کہہ رہا تھا کہ ایسی پر اثر شخصیت! ماشاءاللہ! سبحان اللہ! دل ہی دل میں اس سے غیرت بھی کھا رہے تھے، جل بھی رہے تھے، جب کھانا ختم ہوا تو سویٹ ڈشز آئیں، جب ایک سویٹ ڈش اس کے پاس سے گزری تو وہ اچانک اچھلا اور کودا اور بولا آہاہا! میری ڈش آ گئی.... دیکھتے ہی دیکھتے سارا تاثر غارت ہو گیا۔جن لوگوں نے اس کی شخصیت کا جتنا بھی تاثر بنایا ہوا تھا، وہ دیکھتے ہی دیکھتے غارت ہو گیا۔خواتین و حضرات! ذہن سے جملہ نکلتا ہے اور وہ ذہن اپنے جملے کی عکاسی کرتا ہے اور جملہ اس ذہن کے مرتبہءاخلاق اور علم کی عکاسی کرتا ہے۔اسی طرح یہ جملہ جو میں اب آپ کو سنا رہا ہوں، اتنا خوبصورت ہے کہ جب بھی میں اس جملے کو پڑھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ یہ کتنے اچھے ذہن سے، کتنا خوبصورت جملہ نکلا ہے:

" اَلصَّفَآءُ صِفَتُ الاَحبَاب "

(کہ صفائے قلب اللہ کے محبوبوں کی صفت ہے۔)

" وَھُمْ شُمُوسٌ بِالَا سُحَاب "

(اور صفا وہ آفتاب ہے جس پر کبھی بادلوں کے سائے نہیں پڑتے)

صوفیاء کرام کے جب آپس میں مقابلے ہوتے ہیں، تو وجاہتِ دنیا کے نہیں ہوتے۔
حضرتِ جنیدؒ اپنے وقت کے امام ہیں، اولیاء کے استاد ہیں، سید الطائفہ کہلاتے ہیں، سیدِ ہجویرؒ کے بھی استاد و شیخ ہیں اور سید عبدالقادر جیلانیؒ کے بھی استاد و شیخ ہیں۔ یہ سب جنیدیہ سلسلے کے بزرگ ہیں۔ حضرتِ جنیدؒ جیسا عظیم استاد حضرت ابو حفصؒ سے ملتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ مردانگی کیا ہے؟ یہ جو لوگ اپنی اپنی مردانگی کے دعوے کرتے پھرتے ہیں تو آپ بتائیے کہ مرد کی تعریف کیا ہے؟ جواں مردی کیا ہے؟ ابو حفصؒ نے فرمایا:

"اَلْفُتُوَّةَ عِنْدِی اَدَاءُ الْاِنْصَافِ وَتَرْکُ مُطَالَبَةِ الْاِنْصَافِ"

(میرے نزدیک جواں مردی یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ پورا پورا انصاف کرے اور اپنے لئے کسی انصاف کا مطالبہ نہ کرے۔)

یہ ہے اصل جواں مردی! ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ بھلا ایسا دل کا ہے کو ملے گا جو اتنے صبر و ضبط کا مالک ہو، جو اتنا رجوع الی اللہ کا مالک ہو، جو اتنی جرأت و قدر کا مالک ہو کہ اپنے لئے کسی انصاف کا طالب نہ ہو مگر جو اس کے ذمے لوگوں کا انصاف ہے اسے پورا پورا ادا کرے۔

خواتین و حضرات! کیفیاتِ ذات کی explanations میں کچھ الفاظ ایسے استعمال ہوتے ہیں جو ہمیں سمجھ میں نہیں آتے، اس لئے ہم ان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا:

"اَلْاَحْوَالُ کَالْبُرُوْقِ وَاَنْ یَّبْقٰی فَحَدِیْثُ النَّفْسِ"

(خدا کی طرف سے آنے والے احوال بجلی کے کوندے کی طرح ہیں اور جو باقی رہ جاتا ہے وہ حدیثِ نفس ہے۔)

جو مستقل آپ کے اندر موجود ہے وہ حدیثِ نفس ہے مگر خیالِ خیر کوندے کی طرح، بجلی کی لپک کی طرح آئے گا۔ بعد میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے قرآن حکیم کے مطالعے کے وقت کیفیات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: کہ جب ہم قرآن پڑھ رہے ہوتے ہیں تو کوئی خیالِ خیر اس طرح آتا ہے جیسے بجلی کا لپکا یا کوندا.... اگر ہم آگاہ نہ ہوں تو وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور ہم دوبارہ اسی pattern of thought پر تلاوت کر کے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم تھوڑے سے conscious ہو جائیں، تھوڑے سے آگاہ رہیں اور خیالِ خیر کی گرفت کے قابل ہو جائیں، وہ جو بجلی کی لپک کی طرح ایک خیالِ خیر آتا ہے۔ اگر ہمارے

اس قابل ہو جائیں کہ ہم اسے capture کرلیں تو ایک instruments of mind کے بعد دو، دو کے بعد دس اور رفتہ رفتہ آپ اس حال تک پہنچ جاتے ہیں کہ یہ تجلیاتِ برق دائمی ہو جاتے ہیں اور پھر آپ کے سینے پر الہام اترنا شروع ہو جاتا ہے، اللہ کے معنی اترنا شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر آپ قرآن عمومی لوگوں کی طرح نہیں پڑھتے اور یہ بروق آپ کے دِل کا حصہ بن جاتی ہیں، جس کے بعد حدیثِ نفس کا اختتام ہو جاتا ہے۔ایک بزرگ نے ایک چھوٹی سی وضاحت فرمائی:

مَنْ صَفَا الْحُبَّ فَهُوَ صَافٍ وَمَنْ صَفَا الْحَبِيْبَ فَهُوَ صُوْفِيٌّ

(جس کی محبت پاک وصاف ہے وہ صافی ہے اور جو دوست میں مستغرق ہو کر اس کے غیر سے بری ہو وہ صوفی ہے۔)

جس نے صفا سے محبت کی، جس نے اصول سے محبت کی، جس نے خیال سے محبت کی، وہ نیک ہے، صاف ستھرا آدمی ہے، مگر جو خدا کی محبت میں غرق ہو گیا وہ صوفی ہے۔یعنی صاف اور صوفی میں یہ فرق ہے کہ صاف قدر میں کھو جاتا ہے، محبت میں، انصاف میں اور اخلاق میں کھو جاتا ہے مگر صوفی صاحبِ قدر میں کھو جائے گا، وہ اخلاق بنانے والے میں کھو جاتا ہے، وہ اللہ میں غرق ہو جاتا ہے۔حضرت علی بن پندارؒ جو نیشاپور کے ولی ہیں، فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ اِسْقَاطُ الرُّؤْيَهِ وَ لِلْحَقِّ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا

(تصوف یہ ہے کہ صوفی اپنے ظاہر و باطن میں حق کی خاطر خود کو نہ دیکھے۔)

اس لئے کہ نفس کی سب سے بڑی کمزوری اپنی self کے ساتھ ہمدردی ہے۔ ہماری اپنی ذات کے ساتھ ہمدردی ہمارا سب سے بڑا نقص ہے۔وہ شخص کبھی خدا کو نہیں پا سکتا جس کی ہمدردیاں اس کی اپنی ذات کے ساتھ ہوں، جو اپنے سے اُنس رکھے، اپنے کو مجبور کہے، اپنے کو مظلوم کہے، جس کو قضا و قدر کی ہر چیز کی چبھن محسوس ہو، وہ کبھی خدا کا بندہ نہیں ہو سکتا۔قبولیت صرف اور صرف اللہ کی ہے۔زندگی کے تواتر سے گذرتے ہوئے اگر وہ شخص صبر کے مقام تک پہنچ جائے تو وہ صوفی ہے۔جیسے حضرت بشر بن حافیؒ فرماتے ہیں کہ: فقر میں سب سے بڑا مقام صبر اور ٹھہراؤ ہے، مگر صبر بغیر علم کے نہیں ہے۔قرآن اس کا اصول دے چکا ہے۔جب موسیٰؑ بار بار بے چین و بے قرار ہوتے تھے اور حضرت خضرؑ کے کاموں میں دخل دیتے تھے تو تنگ آ کر خضرؑ نے کہا:

" وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَالَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْراً " (الکھف : 18 : 68)
(اے موسیٰؑ ! تجھے صبر کیسے آئے؟ تجھے علم جو نہیں)

علم سے صبر ہوتا ہے، جاننے سے صبر ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے خدا کو جاننے کی کوشش کی، اسکی قربت و ہمسائیگی کی کوشش کی، وہی صبر والے اور وہی صوفی ہیں۔ فقیر وہ نہیں جو مال و اسباب سے خالی ہو، فقیر وہ ہے جس کا دل آرزو اور تمنا سے خالی ہے۔ حضرت ابو عبداللہ محمد بن خفیفؒ کا فرمان ہے:

" اَلتَّوْحِیْدُ الْاِعْرَاضُ عَنِ الطَّبِیْعَةِ "
(اپنی طبیعت اور اپنی نفسی کیفیات سے پرہیز کرنا ہی توحید ہے۔)

حضرت حسن بصریؒ بہت بڑے استاد و عالم اور صاحبِ طریقت بزرگ تھے۔ انہوں نے دوستی اور محبتوں کا ایک بڑا خوبصورت اصول بتایا۔ نوجوانوں کیلئے اس میں ایک سبق ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

" اِنَّ صُحْبَةَ الْاَ شْرَارِ تُوْرِثُ سُوْءَ الظَّنِّ بِالْاَخْیَارِ "
(بروں کی صحبت نیک لوگوں سے بدگمان کر دیتی ہے۔)

اگر آپ بروں کی صحبت کے قائل ہو گئے تو پھر آپ نیکوں سے بدگمانی کریں گے، اس لئے کہ بدوں کا کام غیبت ہے، بدوں کا کام شکایت ہے، اشرار کا کام اپنی جگہ چھیڑا چھاڑی ہے۔ آپ کو پھر نیک آدمی نظر نہیں آئے گا کیونکہ بدوں کی صحبت اپنی ذات کے اوپر سے دوسروں کا مطالعہ کرتی ہے اگر کسی میں صلاحیتِ خیر نہ ہو تو وہ دوسرے کی صلاحیتِ خیر کا بھی قائل نہیں ہو سکتا، اس لئے بڑے بڑے اچھے لوگوں کے عزیز و اقارب ان کی اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ وہ اپنی ذات پر یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ ہم میں سے ہی تو ہیں، جیسے اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ یہ کہاں سے نرالے ہو گئے، یہ ہم میں ہی سے تو ہیں، یہ بھی قریش ہیں، ہاشمی ہیں، اگر ہوتے تو ہم بھی ایسے ہوتے، یہ کہاں سے different ہو گئے۔

حضرت شقیقؒ کا قول بڑا اہم ہے اور موت و حیات کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ آپکی زندگی میں اس کی اہمیت ہونی چاہیئے۔ آپؒ فرماتے ہیں: اللہ نے اپنے فرماں برداروں کی موت کو بھی زندگی قرار دیا ہے اور نافرمانوں کی زندگی کو موت قرار دیا ہے۔

" لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی " (الروم 52:30)
(اے پیغمبر ان کافروں کو کیا تو میری باتیں سناتا ہے، کہیں مردے بھی سنتے ہیں۔)

اوراس آیت کا اطلاق اللہ نے مردے پرنہیں، زندہ پرکیا ہے کیونکہ شہید جومر گیا ہے، وہ زندہ ہے۔

" وَلاَ تَقُوْ لُوْ الِمَنْ یُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَمْوَات "بَلْ اَحْیَاءٌ" (البقرة 154:2)

کیا عجیب بات کہ جس کو مجھ پر ایمان لانے کی وجہ سے اور میری باتوں کو ماننے کی وجہ سے شہادت ملی ہو، وہ تو زندہ ہو اور میں مرجاؤں۔ اندازہ کریں لوگوں کی حماقتوں کا کہ جس "رحمۃ اللعالمین" کی وجہ سے انکے تابعداروں کے ساتویں درجے کے شہید کو بھی خدا کہتا ہے:

" وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَمْوَاتاً بَلْ اَحْیَاءٌ "(اٰل عمرٰن 69:3)

(جولوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کو مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں۔)

اُس نبیؐ کو لوگ مردہ کہیں گے، کیا کمال ہے اس نبیؐ کا کہ اپنے ماننے والے امتیوں کو ابدی زندگی دے گئے اور خود فوت ہو گئے۔۔۔ کتنا funny سا لگتا ہے! عقل کو کہیں دور نہیں جانا پڑتا، ان باتوں کو چیک کرنے کیلئے۔۔۔ کیا شہید کے اوپر درجات نہیں ہیں؟ کیا اصحابِ ثلاثہ نہیں ہیں؟ اصحابِ اربعہ نہیں ہیں؟ اصحابِ عشرہ ومبشرہ نہیں ہیں؟ اصحابِ بیعتِ رضوان نہیں ہیں؟ اتنے سارے درجات والے لوگ اور بھی ہیں مگر بدقسمتی یہ ہے کہ وہ سارے فوت ہو گئے ہیں..... نبی فوت ہو گئے ہیں...... اور ساتویں درجے کا شہری زندہ ہے..... نہ صرف یہ کہ یہ زندہ ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں کسر پوری کردی کہ: " نَحْنُ نَرْزُ قُھُمْ " ہم ان کو رزق بھی دیتے ہیں، ان کو کھانا بھی کھلاتے ہیں، عبادات میں بھی مصروف ہیں، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ معراج کی شب میں نے اپنے بھائی موسیٰؑ کو دیکھا جو اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

اصل میں صوفیاء اور اہل طریقت کو تین حصوں میں بانٹا جاتا ہے۔ کچھ صاحبِ حال ہوتے ہیں، کچھ صاحبِ مقام ہوتے ہیں، کچھ صاحبِ نظر ہوتے ہیں۔ یہ مختلف درجات ہیں اور صوفیا کا سب سے بڑا درجہ عارفین کا ہے اور قول مشہور ہے کہ "تمام عالم عارف نہیں ہوتے مگر تمام عارفین عالم ہوتے ہیں"۔ یہ ضروری نہیں کہ عالم عارف ہو مگر یہ ضروری ہے کہ عارف ضرور عالم ہو۔ یہ تصوف میں خدا کی پہچان کا سب سے بڑا درجہ ہے۔ صوفیا کے قول کو سمجھنے کیلئے بھی صوفیا ہی کی منطق چاہیئے، پوری تعلیم چاہیے، اندازِ فکر چاہیے:

حضرت عبدالرحمٰن عطیہ درانیؒ نے فرمایا ہے:

اِذَا غَلَبَ الرِّجَاءُ عَلَى الْخَوْفِ فَسَدَ الْوَقْتُ

(جب خوف پر امید غالب آجاتی ہے تو وقت میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔)

کیونکہ ہوسکتا ہے کہ امید، دنیا کی کسی توقع کو اپنے اندر شامل کر لے مگر خوف ہر وقت کے احتساب کا نام ہے جو اللہ کی دوری کی وجہ سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ صوفیا کی کسی general statement کو سمجھنے کیلئے بھی ہمیں اللہ کی طرف سے اُس خصوصی علیت کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے یا اس تعلیم کو جاننا پڑتا ہے۔ جو اہلِ طریقت کی ہے۔

حضرت احمد بن ابوالجواریؒ نے دنیا اور اہل دنیا کے بارے میں اپنی دلی نفرت کا اظہار اس طرح کیا ہے:

''دنیا گندگی کا ڈھیر ہے اور کتوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ وہ شخص کتے سے بھی بدتر ہے جو اس پر جم کر بیٹھ جائے، کتا اس ڈھیر سے اپنی حاجت پوری کر کے وہاں سے چلا جاتا ہے لیکن دنیا سے محبت کرنے والا اس سے جدا ہونا کسی حال میں بھی پسند نہیں کرتا اور اسے نہیں چھوڑتا۔''

بات تو انہوں نے بڑی معقول کہی کہ وہ جانور، جسے ہم بڑا بد بخت سمجھتے ہیں اس کی بھی عادت ہے کہ پیٹ بھر کر اس جگہ کو چھوڑ جاتا ہے، مگر ہم دنیا دار ایسے ہیں کہ کسی حالت میں بھی دنیا سے جدا ہونا پسند نہیں کرتے۔

حضراتِ گرامی! موت سے خوف اس کو آتا ہے جسکی belongings پیچھے بہت ہوتی ہیں، جو جڑا ہوا ہو رشتوں سے...ڈوروں سے...کچے دھاگوں سے...آرزوؤں سے...بیوی بچوں سے...مال و اسباب سے...روپے سے...طمع سے...اس کو کتنی مشکل پڑتی ہے قبر تک جانے میں...ٹوٹتے ٹوٹتے بھی یہ تانے نہیں ٹوٹتے اور قبر تک آرزوئیں ساتھ جاتی ہیں اور یہ سب اسکی زندگی کو مشکل کر دیتی ہیں۔ ایک وقت تو ایسا ہونا چاہیئے کہ انسان یہ کہے کہ اے دنیائے رنگ و نور! جو میں نے چکھا، جو کھایا وہ بہت ہو گیا......اب میں اس قابل نہیں کہ میں تیرے لئے اپنی جان کھوؤں۔ ایک وقت ہو کہ دنیا سے تعلق اور رشتے اگر توڑتے نہیں تو کم تو ضرور ہوں مگر بوڑھے تو زیادہ شدتوں سے لڑ رہے ہیں بچوں سے کہ تم میرا خیال نہیں رکھتے۔ ساسیں بہوؤں کو زیادہ تنگ کر رہی ہیں کہ ہماری ملکیتوں میں آنے والیاں تصرف کر رہی ہیں۔ بہوئیں الگ جنگ میں لگی ہوئی ہیں۔ بچے علیحدہ بلک رہے ہیں۔ حضراتِ گرامی! یہ طریقہ موت تک پہنچنے کا نہیں ہے۔ یہ بڑا تکلیف دہ امر ہے، اور وہی شخص موت تک خوش دلی اور امن سے پہنچتا ہے جو رفتہ رفتہ عقل و معرفت

سے کام لے کر دنیا کے تعلقات کو کم کرتا چلا جاتا ہے۔اب نئے لوگوں کو زندگی گزارنے دیں، عمر آگے گزر رہی ہے، ہم نے اپنی منزل کی تیاری کرنی ہے، وہ اس دنیا کے سٹیشن پر نئے اترے ہیں، ان کو ساز و سامان سنبھالنے دیں۔ ہمیں اپنی متاعِ حیات کا خیال کرنا ہے۔ اقبال کہتا ہے:

نشانِ مردِ حق دیگر چہ گویم

چو مردِ گاید تبسم برلب است

اب میں مردِ حق کا اور کیا نشان بیان کروں کہ جب موت آتی ہے تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی ہے کہ خدا کا شکر ہے، جان چھوٹی، بیوی بچوں کے وبال سے جان چھوٹی، نوکری اور غلامی سے جان چھوٹی اور جیسے رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے مالک و کریم! اے میرے بڑے دوست! اے میرے بڑے مہربان! "الدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنُ" اس قید خانے سے جان چھوٹی، اب میں آزادی اور رہائی کو جا رہا ہوں، اب میں اللہ کے پاس جا رہا ہوں، اب میں ساٹھ سال کی موت کے خوف کے بجائے ارب ہا ارب سالوں کی زندگی کی آزادی کو جا رہا ہوں اور پاسپورٹ کتنا معمولی......! آپ کیوں ڈرتے ہو؟ اگلی دنیا کے ارب ہا ارب سال کا نسخہ کتنا آسان ہے کہ حدیثِ رسول ﷺ ہے: جس نے اللہ کو اللہ جانا اور مجھے اللہ کا نبی جانا اور صحیح دل سے جانا، اس کے گوشت اور خون پر اللہ نے آگ حرام کر دی"۔ اب آپ کیا چاہتے ہو؟ اب بھی کیوں دنیا سے چمٹے بیٹھے ہو، تیاری لازم ہے، ویسے بھی آپ دیکھتے ہیں کہ خدا نے اب موت کو کتنا ارزاں کر دیا ہے: وہ حدیثِ رسول ﷺ ہے کیسے پوری ہو رہی ہے کہ آج کے دور میں ظالم کو نہیں پتہ کہ وہ کیوں مار رہا ہے، نہ مظلوم کو پتہ ہے کہ وہ کیوں مر رہا ہے؟ نہ مقتول کو خبر ہے کہ کس وجہ سے قتل کیا جا رہا ہے، نہ قاتل کو خبر ہے کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے۔ کس قدر بے سر و پا ہے آج زندگی......

میں سوچ رہا تھا کہ ہمارے زمانے میں ہی مذہب میں یہ سب ہو رہا ہے مگر میں سیّد ہجویرؒ کا ایک ہزار سال پہلے کا یہ جملہ پڑھ کر حیران رہ گیا کہ ہمارے زمانے میں مسجدیں جنگ و جدل اور قتل و غارت کا گڑھ بن چکی ہیں۔ مذہب کے حالات اتنے ابتر ہو چکے ہیں کہ مخالف علما، اور مخالف مذہبی لوگوں میں قتل و غارت اور آئے دن کا فساد ضرب المثل ہو چکا ہے۔ تب مجھے تسلی ہوئی کہ ہم ہی اتنے گناہ گار نہیں بلکہ ہر زمانے میں یہ مذہبی لوگ آپس میں اسی طرح سر پھوڑتے چلے آ رہے ہیں لیکن اللہ کرے کہ کوئی زمانہ ایسا ہو کہ سب اختلافات سمٹ جائیں۔ کوئی صاحب

قدر دلوں میں انصاف بھر دے، زندگی کا احترام بھر دے اور سب سے بڑھ کر محبت بھر دے۔ محبت ایک بڑا مشکل امر ہے۔ لوگ جب کسی چیز کی بہتری کی مثال دیتے ہیں تو اس سے بہتر کی مثال دیتے ہیں، مگر محبت ایک ایسی چیز ہے کہ اس کی کسی بہتر سے مثال نہیں دی جا سکتی۔ محبت سے بہتر کوئی شے ہے ہی نہیں۔ اسکی کسی بہتر سے مثال نہیں دی جا سکتی، تو کوشش کریں کہ خدا ہمیں توفیق دے۔ ہمیں محبت اور خلوص عطا فرمائے۔ ہر اختلاف سے بڑھ کر ہم اپنے دامن میں اس کی انسانیت کا شرف سمیٹ لیں۔

حضرت ابوالحسن احمد بن نوریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر زمانے میں ایک چیز بڑی قابل قدر ہوتی ہے۔

" اَعَزَّالَا شْیَاءِ فِیْ زَمَا نِنَا شَیْئَان : عَالِمٌ یَّعْمَلُ بِعِلْمِهٖ وَعَارِفٌ یَنْطِقُ عَنِ الْحَقِیْقَةِ "

میری دعا ہے کہ ہمارے زمانے میں بھی ایسا ہو جیسے ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ وہ عالم جو اپنے علم پر عمل کرتا ہو اور اس عارف سے جو حقیقت سے کلام کرے، لوگوں کو فائدہ پہنچے۔

سوال: آپ کی حقیقت منتظر اور علامہ اقبال کی حقیقت منتظر میں کیا فرق ہے؟

جواب: میں نے اپنی کتاب کا نام رکھا ہے اور علامہ نے اپنے شعر میں، آنے والی ایک آرزو کا نام حقیقتِ منتظر رکھا ہے۔ منتظر کا مطلب ہے، جس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ علامہ کہتے ہیں:

؎ کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں

علامہ کے اس شعر سے مراد ایک امید اور آرزوئے وصال ہے جو حقیقت سے ہے اور خدائے ذوالجلال سے ہے...... میری حقیقتِ منتظر کا مطلب اِس دورِ آخری سے ہے، زوالِ امتِ مرحومہ کے خاتمے سے ہے اور نزول جنابِ عیسیٰؑ سے ہے اور اس کتاب میں وہ تمام لیکچرز اس خیال سے نقل کئے گئے کہ مسلمانوں پر جو زوال اور اُداسی کا بوجھ ہے، جو عذاب ہمیں آج احساسِ کمتری کا درپیش ہے، اس سے ہم نجات پائیں، اور خدا اور اس کے رسولؐ کے اعتبار کو زندہ کریں اور وہ اعتبار یہ ہے کہ ہر حال میں اسلام کو اور مسلمانوں کو زمانہ آخر میں دجال اور اس کے حواریوں پر غلبہ حاصل ہوگا۔

سوال: نفسیاتی اعتدال جسکی بدولت انسان ایک نارمل social life گزارتا ہے اور وہ روحانی اعتدال کہ جس کے بارے میں خدا کہتا ہے کہ میرے دوستوں پر کوئی خوف و حزن نہیں ہوگا۔ ان دونوں میں کیا بنیادی فرق ہے؟ اور کیا روحانی اعتدال کیلئے نفسیاتی اعتدال ضروری ہے جسکی وجہ

سے سوشل لائف گذاری جاتی ہے۔

جواب: نفسیاتی اعتدال ہمارا اپنا سائیکالوجی کا متعین کردہ پیمانہ ہے، ہم نے normalcy کا ایک انداز اور pattern مقرر کر رکھا ہے جیسے یہاں بہت سے احباب جمع ہیں اور اگر کوئی شخص یہاں سے اچانک چھلانگ مار کر کھڑا ہو جائے اور چیخ مار کر نعرہ بلند کرے تو یہ چیز سب کو چونکا دے گی اور لوگ کہیں گے کہ یہ صاحب اعتدال سے نکل گئے ہیں، مگر یہ کوئی نہ دیکھے گا کہ تمام حضرات جو یہاں موجود ہیں، کسی نہ کسی غم و غصہ کا، احساسِ محرومی کا، افسوس کا یا احساسِ زیاں کا شکار ہیں، کیونکہ نفسیاتی اعتدال میں صرف خارجی value کو نظر میں رکھا جاتا ہے یعنی جب تک کہ کوئی کیفیت ایسی نہیں ہو جاتی، اس پر abnormal کا فتویٰ نہیں لگے گا مگر اللہ جو بندوں کو دیکھنے والا ہے انکے اندر جھانکنے والا ہے، جس نے انسانوں کو بنایا ہے، اسکا اعتدال کا نظریہ ذرا مختلف ہے اور اللہ کے نزدیک اعتدال یہ ہے کہ:

" وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ "

اللہ کے معتدل بندوں پر fears اور frustrations نہیں ہوتے، نفسیاتی اعتدال کے باوجود ہر انسان fears اور frustrations کا شکار ہوتا ہے، مگر اولیاء اللہ تعالیٰ جب معتدل ہو جائیں تو وہ خوف سے آزاد ہو جاتے ہیں۔

سوال: قرآن میں ارشادِ باریِ تعالیٰ ہے کہ محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر آپ ﷺ کے بیٹے بھی پیدا ہوئے۔ اس بات کی وضاحت کریں؟

جواب: آپ ﷺ کی اولادِ نرینہ ہوئی مگر اللہ نے اپنی حکمتِ عالیہ سے وہ اولاد لے لی، اس لئے کہ ابھی کچھ مراحل ایسے تھے نبوت کے، جن تک ہماری آگہی نہیں جاتی تھی، بہت سے مسلمان اپنے باپ سے محروم ہونے تھے، بہت سے مسلمانوں کو اپنے آباؤ اجداد سے گلہ ہونا تھا، کبھی کسی شریف کا باپ بدکار ہوتا تھا اور کبھی کسی بدکار کا باپ شریف ہوتا تھا۔ تو یہ averages صحیح نہیں بنتی تھیں تو اللہ نے یہ چاہا کہ محمد ﷺ کسی فرد واحد کے باپ ہونے کے بجائے پوری امت کے باپ رہیں۔ ان کی اولاد اس لئے لے لی گئی کہ ان کی کوئی خاص اولاد یہ دعویٰ نہ کرے کہ ہم ان کے بیٹے ہیں، بلکہ آج میں اور آپ بھی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم محمد ﷺ کے بیٹے ہیں، اس لئے قرآن نے یہ کہا کہ "اے رسول ﷺ! تیری بیبیاں امہات المومنین ہیں"۔ اگر ان کی بیبیاں امہات المومنین ہیں تو رسول ﷺ ہمارے باپ ہیں۔ یہ بہت بڑا شرف تھا کہ جو اللہ نے ہمیں

رسول ﷺ کے توسط سے بخشا اور اس پر ہمیں اسکا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اگر کسی کا باپ خراب نکلا، تو اسے اپنے اس روحانی اور معنوی باپ پر نظر رکھنی چاہیئے تو اسکی زندگی انشاء اللہ اس سے کہیں بہتر گزرے گی جواب گزر رہی ہے۔

سوال: حروفِ مقطعات میں حروف ص۔ع۔ر۔کی اس طرح وضاحت کریں کہ ان کی نمائندہ قوتوں پر گفتگو ہو؟

جواب: بہت سے لوگوں کیلئے یہ سوال قابلِ قبول نہیں ہے اور یہ مخصوص معرفت کا سوال ہے مگر میں مختصراً صرف ایک کوالٹی آپ پر واضح کردوں اور وہ joint کوالٹی ہے کہ ''ص'' صدق سے ہے کہ جیسے رسول اللہ ﷺ کا پہلا خطاب صادق اور امین میں سے ہے تو صادق کے عنوان سے اب چونکہ کوئی دوسرا صادق اس مقامِ صدق کو نہیں پہنچ سکتا جہاں حضور ﷺ تھے تو اب ''ص'' اپنی اس اعلیٰ کوالٹی سے محروم ہو چکا ہے۔اب ''ص'' میں صرف گہری جذباتیت اور ضدرہے گی emotionalism اور stubbornness آپ کو ہر ''ص'' میں ملے گی۔دوسرا رے (ر) ہے۔دراصل (رے) عین (ع) سے ہے جب ''رے'' اور ''عین'' اکٹھے ہوتے ہیں تو ''رع'' بنتا ہے جو قدیم مصر کی اقوام کے دیوتا کا نام تھا اور فراعنہ مصر کی اقوام خداوند ''رع'' (Raa) کی پرستش کرتی تھیں اور خداوندِ ''رع'' (Raa) کی پرستش سورج کی ابھرتی ہوئی آگ کی طرح تھی۔ رے، عین کے ساتھ مل کر ابھرتے ہوئے سورج کی کرن کی طرح ہوتا ہے۔''رے'' رسالت کی ہے، پیغام رسانی کی ہے اور اگر ''رے'' علم حاصل نہ کرے تو رجس ہے اور غلاظت ہے۔

سوال: آپ کے لیکچر میں تصوف کی حقیقت بیان ہوئی، معجزات اور ان کے extra استعمال کی بات نہیں ہوئی براہ مہربانی معجزات کی حقیقت اور limit کا تعین کریں؟

جواب: خواتین وحضرات! اللہ نے رسول ﷺ کے معجزات اور علم کے درمیان فیصلہ کرانا تھا اور پرانے زمانے میں علم کم تھا، لوگ جادو اور سحر پر زیادہ یقین رکھتے تھے اور کسی پیغمبر کے اعتبار کا معیار خرقِ عادت پر تھا۔ معجزے کو کہتے ہیں خرقِ عادت، یعنی ایسا واقعہ جو عجیب وغریب ہو، عادت میں نہ ہو، اس لیئے پرانے لوگوں کا match جب پیغمبروں کے ساتھ ہوتا تھا تو معجزات کے ذریعے خدا اپنے پیغمبروں کی سچائی کو ثابت کرتا تھا۔ جب حضرت دانیالؑ اور ان کی قوم بخت نصر کے زمانے میں قیدی ہوئے تو اس قوم کو قید سے چھڑانے کیلیئے اللہ نے بادشاہ کو ایک خواب دکھایا۔ بادشاہ نے تمام سیانوں کو جمع کیا اور شرط یہ رکھی کہ خواب بھی بتاؤ اور تعبیر بھی بتاؤ۔اب تعبیر بتانے

والے تو بہت ہوتے ہیں مگر خواب کون بتائے؟ تو پھر اسے suggest کیا گیا کہ بنو اسرائیل میں ایک دانا، ایک نبی ہے، اسکو بلایا جائے تو شاید وہ جواب دے۔ جب حضرت دانیالؑ کو بلایا گیا تو حضرت دانیالؑ نے اللہ سے فریاد کی کہ اے مالکُ الملک! میں تعبیر تو دے سکتا ہوں خواب کہاں سے بتاؤں گا۔ تو حضرت جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے تعبیر بھی بتائی اور بادشاہ کا خواب بھی بتایا۔ حضرت دانیالؑ کا یہ معجزہ بنو اسرائیل کی رہائی کا باعث بنا۔ یہ ایک عجیب وغریب واقعہ بنو اسرائیل کا ارضِ مقدس کو دوبارہ لوٹنے کا سبب بنا جو کہ پیغمبر کے معجزے کی وجہ سے ممکن ہوا۔

پیغمبر کا معجزہ جہلاء کیلئے ایک مضبوط ترین دلیل بنتا ہے۔ یہ دلیل کچھ اس نوعیت کی ہوتی ہے کہ خدا کو ماننا امرِ محال ہے، اس لئے کہ کسی کے پاس اس کو ماننے کی دلیل نہیں ہوتی مگر اسی طرح کسی پانی کا دودھ بن جانا بھی امرِ محال ہے، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا بھی امرِ محال ہے، لوگ پہلے ایک عجیب وغریب شرط رکھتے اور پھر مانتے...... معجزہ حیرت کی دلیل بن جاتا ہے اور اگر پانی، دودھ بن جائے تو وہ شخص یہ یقین کر لیتا ہے کہ اگر یہ غیر معمولی واقعہ ہو سکتا ہے تو غیر معمولی وجود بھی ہو سکتا ہے، تو معجزہ دراصل بذلتہٖ خدا کی دلیل ہوتا ہے مگر رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ نے چونکہ مجموعی طور پر دلیل غالب دے کر بھیجنا تھا، زمانے کی ایک حتمی حجت اور علمی شناخت دیکر بھیجنا تھا تو حضور ﷺ کے اقدامات معجزات کے بارے میں نارمل رہے۔ پیغمبر کی حیثیت میں اور شخصی حیثیت میں تو انکے معجزات بہت ہوئے مگر علمی حیثیت سے ایک ہی معجزہ فائنل اور آخری تھا اور وہ قرآن ہے جو خدا کا کلام ہے، جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اٹھائی اور سب سے بڑا معجزہ یہی قرار پایا کہ جب سے قرآن آیا، اب تک یہ محفوظ ہے۔ اس میں کوئی ردوبدل نہیں ہوا اور زمانہ قیامت تک اس قرآن میں کوئی تصرف نہیں کر سکے گا۔ باقی معجزات تمام پیغمبروں کی نارمل کیفیات ہیں اور جب پیغمبر گزر جاتے ہیں تو اولیاء کی کرامات ان کے نارمل تصرفات ہو جاتے ہیں۔

سوال: ہسپانیہ (سپین) پر مسلمانوں نے چار سو سال سے زیادہ حکومت کی تھی لیکن اب وہاں پر ایک فیصد مسلمان بھی نہیں۔ کیا ان سالوں میں کبھی کوئی صوفی یا ولی وہاں پیدا نہیں ہوا اور کیا وجہ ہے کہ وہاں پر مسلمان عیسائیت کی طرف راغب ہیں؟

جواب: زوال آتے ہی اس وقت ہیں جب کوئی صوفی نہ رہے، اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی تو فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا شخص موجود رہے گا۔ اور سپین میں ایسا تین مرتبہ ہوا۔ پہلی مرتبہ جب سپین میں

مسلمانوں کی سلطنت کو زوال شروع ہوا تو وہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی دعا و برکت سے دو سو سال تک پھر قائم ہوگیا۔ دوسری مرتبہ جب پھر سلطنت مٹنے لگی تو حجۃ الاسلام محمد بن احمد الغزالیؒ کی وجہ سے دو تحریکات المواحدین اور المرابطین شروع ہوئیں جنہوں نے پھر سپین کا زوال روک دیا۔ مگر تیسری مرتبہ جب زوال شروع ہوا تو انتشار اور افتراق اس درجے کا تھا کہ خدا کا کوئی ولی اس وقت اس ملک میں موجود نہ تھا بلکہ ایک عورت ولی تھی بلکہ سچ پوچھو تو تاریخ کے اُس آخری واقعہ میں مجھے ابوعبداللہ کی بیوی عائشہ بہت بڑی ولی لگتی ہے کہ جب ابو عبداللہ، حاکم غرناطہ Fernandes سے مصالحت کے بعد غرناطہ چھوڑ کر نکل رہا تھا تو ایک ٹیلے پر رکا۔ اس ٹیلے کو آج بھی The last sigh of Moors (مُور شہہ سواروں کی آخری آہ) کہتے ہیں، وہ ٹیلہ اب بھی سپین میں موجود ہے۔ اس ٹیلے پر کھڑے ہو کر اس نے غرناطہ کو پیچھے مڑ کر دیکھا اور رو دیا تو اسکی بیوی عائشہ جو اسکے ساتھ تھی، اس نے کہا کہ جس ملک کو تم مردوں کی طرح لڑ کر نہیں بچا سکے، اس پر عورتوں کی طرح آنسو کیوں بہا رہے ہو، تو میرا خیال ہے کہ اس وقت عائشہ ہی ولی تھیں۔

سوال: دنیا میں انسان کے تمام اعمال کیا اس کے اختیار کردہ ہیں؟

جواب: سب سے پہلے تو آپ یہ فیصلہ کرلیں کہ ہمارے ہاتھ میں کیا ہے۔ اگر کسی بڑے سے بڑے دانش ور کو بھی ساتھ لے لیں تو تب بھی کچھ ایسی رکاوٹیں راستے میں آجاتی ہیں کہ اپنی قدر کا اعلان کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ فرض کریں کہ جب میں اس دنیا میں آیا تو میرے پاس کوئی choice نہیں تھی۔ یہ ایک جبریہ سا واقعہ تھا۔ میں کسی قدر کا مالک نہ تھا۔ دنیا کا کوئی انسان اس جبر سے آزاد نہیں ہے۔ میری کوئی condition میرا اختیار نہیں تھی میرے ماں باپ، میرے بہن بھائی، میرا ماحول، میرا اختیار کردہ نہیں تھا۔ پندرہ برس تک میرا کوئی اختیار نہ رہا، بائیس برس کے بعد اگر مجھے جاب مل گیا اور میں یہ دعویٰ شروع کردوں کہ اپنے اختیار کا میں خود مالک ہوں تو کیسی احمقانہ بات ہوگی۔ فرض کریں کہ اگر کچھ عرصے کیلئے میں اپنے اختیار کو مان بھی جاؤں تو جب پندرہ بیس برس مزید گزر گئے اور دنیا نے مجھے ریٹائر کردیا اور میں کام کاج کے قابل نہ رہا، تو اب وہ اختیار کہاں گیا......؟

اصل میں یہ تمام facilities جو مجھے دنیا میں دی گئیں یہ میری اپنی اختیار کردہ نہ تھیں بلکہ یہ سب سہولتیں مجھے اللہ نے دیں۔ ان کو facilities of protocol کہتے ہیں۔ اس سے کسی کو گریز نہیں۔ اللہ نے عقل و معرفت دے دی، اعمال دیئے، رزق متعین کردیا، بیوی بچے

دے دیئے، ستر سال دے دیئے اور کہا کہ زندگی سے گزرتے ہوئے میرا ایک کام کرتے آنا......
وہ ایک کام کیا ہے؟ " اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا " (الدھر 3:76) یہ سب کچھ میں نے تجھے اس لئے بخشا ہے کہ زندگی کے تواتر سے گزرتے ہوئے فیصلہ کر کے آنا کہ مجھے مانتے ہو یا میرا انکار کرتے ہو۔ وہ زندگی میں آپ سے یہ نہیں پوچھے گا۔ اعمال سے کوئی جھگڑا نہیں، جو چاہے کرتے رہو، مگر جب قبر پر پہنچو گے تو یہی سوال repeat کیا جائے گا۔ مَنْ رَبُّکَ (تمہارا رب کون ہے؟) پھر ایک رعائت دی جائے گی: مَــنْ نَبِیُّکَ (تمہارا نبی کون ہے؟) چلو اگر خوف سے نہیں تو محبت سے اپنے رسول کو تو جانتا ہی ہوگا، اگر جانتا ہوگا تو کلمہ پورا آ ہی جائے گا۔ "جس نے اللہ کو اللہ جانا اور مجھے نبی جانا تو اس کے خون اور گوشت پر اللہ نے آگ حرام کر دی" (حدیث نبوی ﷺ)۔ یہ سارا پروٹوکول، یہ ساری facility۔ ذہانت اور عقل و شعور کا استعمال اللہ کے اقرار کیلئے ہے۔ اسکے علاوہ ہمارے مقدر کی اور کوئی حیثیت نہیں، مقدر تو قبر کے بعد ہے...... آپ غور کرو کہ ستر سال مقدر ہے یا ستر بلین سال مقدر ہے۔ اس مصیبت کو آپ مقدر کہو گے جس کو رسول ﷺ نے کہا: "الدنیا سجن المومن" یہ تو قید مقام ہے، قید زماں ہے، قیدِ حالات ہے اور اس میں ہم اس لئے گھیرے گئے ہیں کہ خدا کو آزمائش مقصود تھی۔ خدا نے کہا کہ خیر و شر دونوں آزمائش ہیں۔ ان آزمائشوں سے گزرتے ہوئے خیر کے تکبر سے بچتے ہوئے شر کے اغراض سے بچتے ہوئے ہمیں ایک اقرارِ وفا کے ساتھ قبر میں پہنچنا ہے۔ قبر جو Gateway of galaxies ہے، قبر معمولی جگہ نہیں ہے، ڈراونی جگہ نہیں ہے، خوف و ہراس کی جگہ نہیں ہے۔ یہاں آپ کے پاسپورٹ پر stamp لگے گی کہ یہ بندہء خدا ہے۔ یہ تابع رسول ﷺ ہے۔ یہ اللہ کا بندہ ہے۔ یہ محمد ﷺ کا امتی ہے۔ جب فرشتہ پوچھے" مَــنْ رَبُّکَ تو آپ کہو چھوڑو! صبح شام تو اسی ایک اللہ کی یاد میں رہا...... تو کون ہے مجھے پوچھنے والا...... پھر پوچھا: مَــنْ نَبِیُّکَ کہا: جسے زندگی میں سب سے بڑھ کر چاہا، تو اسکا مجھ سے پوچھتا ہے، اسکے لئے کتنا آسان ہوگا، یہ کہنا:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

افضل الذکر لا الہ الا اللہ

An Approach To Quran

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا

خواتین و حضرات! میں اس موضوع پر ایک کتاب پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ میں approach سے یہ مراد لیتا ہوں کہ قرآن کی رُو سے ہم مسلم ہیں مگر قرآن ہی کی رُو سے ہم مجرم بھی ہیں کیونکہ ایک کتاب پر حتمی یقین رکھتے ہوئے بھی اور اسے زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ جانتے ہوئے بھی ہم اس کی proper evaluation نہیں کرتے۔ یہ وہ واحد کتاب ہے جو ہمارے گھروں میں جزدانوں میں لپٹی ہوئی مقدسیت کی حامل رہی مگر آج تک اس کی proper evaluation نہیں ہوئی۔

خواتین و حضرات! اگر بہت سے عالم و دانش ور اپنی تحریر و تقریر سے اور اپنی کتابوں سے آپ کو معزز لگتے ہیں sciences میں اور arts میں ان کی evaluation کرتے ہوئے آپ کچھ نہ کچھ بڑے ناموں تک چلے جاتے ہیں اور کبھی کسی صدی کو آپ لارڈ برٹرینڈ رسل سے منسوب کرتے ہیں، کسی صدی کو آپ آئن سٹائن سے منسوب کرتے ہیں۔ کبھی کسی حقیقت کے ادراک کا credit آپ Watson کی double helix کو دیتے ہیں اور یہ تعظیم ان تحریرات کو حاصل ہے جو آپ کی تہذیب اور آپ کے کاروانِ حیات کو آگے بڑھانے میں عظیم تر سنگ ہائے میل کی طرح ہیں، جن کی پہچان سے آپ کا دورِ تمدن اور آپ کی ترقی وابستہ ہے، تو آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر ان سارے intellectuals کو compare کیا جائے تو کیا یہ سب وہ لوگ نہیں ہیں جو تخلیق شدہ ہیں، مخلوق ہیں؟ چاہے وہ خدا کو مانیں یا نہ مانیں، مگر ہم سب اس سرزمین پر، اس life belt پر، اس حیران کن تنہائی کی جگہ پر (پوری کائنات میں ہمیں کہیں اور زندگی نظر نہیں آتی۔) کسی بیرونی ذرائع سے تخلیق نہیں ہو گئے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہماری تخلیق کا یہ بند صندوق، یہ زمین ہی ہے، یہیں سے ہم پیدا ہوئے ہیں، مگر کیا عجیب بات ہے کہ ان کو بنانے والے، تعلیم کو دینے والے، عقل کو تخلیق کرنے والے، انسان کی زندگی کا احاطہ کرنے والے،

جبر وقدر کے حقائق، عظیم تر اللہ، کو ہم evaluation میں کوئی proper جگہ نہیں دیتے۔

اگر آج ہمارے پاس sciences ہیں، arts ہیں، ہر علم کی ایک ترتیب اور ترجیح مقرر ہے کہ یہ فلاں آدمی، فلاں سائنس کا بانی ہے اور اُس نے اِس علم کو آگے بڑھایا ہے اور یہ بہت بڑا نام ہے، مگر اس پوری کائنات کی وضاحت کرنے والے اور سب چیزوں کے خالق و مالک اللہ کی اس کتاب کو ہم کتنی بری طرح evaluate کر رہے ہیں۔ We think about the Quran as a decadent book of stories of past. ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اساطیر الاولین ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ زمانہ قدیم کی کتاب ہے جس کا ہمارے دورِ حاضر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ معلوماتی کتاب نہیں ہے، یہ عقل و دانش کو راستہ نہیں دکھاتی ہے، اس کتاب کا تو صرف ایک مقصد ہے کہ جب تم guilty feel کرو، جب تم escape ڈھونڈو، جب تم اپنی ضروریات اور مسائلِ زندگی سے پرہیز سیکھو، جب تمہارے دِلوں میں خوف اور وحشت کے آسیب چھا جائیں، جب تم بزدلوں کی طرح زندگی کے مسائل سے بھاگو، تو چند آیاتِ قرآنی کی رسمی طور پر تلاوت کر کے اپنے دل کو تسلی دو اور اپنے مسائل سے نجات حاصل کر لو...... یہ وہ جرم ہے جو امتِ مسلمہ مسلسل......اور مسلسل، سرانجام دے رہی ہے۔ اگر خدا عالم ہے، خدا نے انسان کو علم دیا ہے، خدا نے کائنات اور زندگی بنائی ہے، وجودِ انسان کو تخلیق کیا ہے، اس پورے process کو اس نے ایک ماسٹر پلان میں سمیٹ کر لوحِ محفوظ کہا ہے:

" وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الاَرْضِ اِلاَّ عَلَى اللهِ رِزْقُهَا " (ہود 6:11)

زمین پر ایسا تو کوئی ذی حیات نہیں ہے......نہ چیونٹی، نہ گھونگا، نہ ہاتھی، نہ بندہ، کہ جس کا رزق ہم پر نہیں ہے۔

" وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا " (ہود 6:11)

(اور ہم جانتے ہیں کہ اس کا قیام کہاں ہے اور طعام کہاں ہے۔)

اُس اللہ کا نام اسمِ "جبّـــار" سے متعین ہوتا ہے۔ جبّار کا مطلب ہے "جوڑنے والا" جس نے کائنات کو، space کو time میں جوڑ رکھا ہے۔ اگر time and space کو کوئی جوڑنے والا نہ ہوتا تو آپ یہاں نہ ہو...... میں یہاں نہ ہوں......راہ گزر وہ نہ ہوں...... رستے وہ نہ ہوں......مسافر وہ نہ ہوں اور ہم بکھری بکھری ان بے شمار کائناتوں میں آوارہ گرد سیارچوں کی طرح کبھی منزلِ مقصود تک نہ پہنچ پائیں۔ یہ وہ "جبّار" ہے جس نے زمان و مکاں کی

ساعتوں کو آپس میں weld کر رکھا ہے۔ جبّار کا مطلب سختی کرنے والا نہیں ہے، جبّار کا مطلب ہر لمحہ زمانہ کو اک مقامِ زمین میں سمیٹنے والا اور اس کو ترتیب دینے والا ہے۔ اس خداوندِ کریم نے زندگی کیلئے، آخرت کیلئے، معاملات کیلئے، ہوش و خرد کیلئے، توانائی کیلئے، معاشرتی اقدار کیلئے، ہمیں ایک manual دیا ہے and that manual is the Quran. آپ نے زندگی کے کسی معاملے میں درستگیٔ عمل سے کام لینا ہو، درستگیٔ فکر و ذہن سے کام لینا ہو تو اس کیلئے قرآن آپ کو رہنمائی دیتا ہے۔ یہ قرآن ایسا نہیں ہے جو آپ کو تقلید پر آمادہ کرے۔ That is a book of inquiry. قرآن کتابِ تشکیک ہے۔ خدا اس بندے کو پسند ہی نہیں کرتا جس میں شک نہ ہو۔ جس میں تحقیق و جستجو نہ ہو۔ seculars کا تجاہلِ عارفانہ اسے پسند نہیں ہے۔ یہ وہ کتاب نہیں ہے، جو بزدلانہ تصادمِ فکر سے بچنے کی تلقین کرے۔ یہ challenging book ہے۔

مجھے بتاؤ تو سہی کہ آپ قرآن کو کس آیت سے شروع کرتے ہو؟ کیا خدا کو نہیں معلوم کہ ابتدائے کائنات کیسے ہوئی تھی؟ کیا خدا کو نہیں معلوم کہ انجامِ کائنات کیسا ہے؟ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ جو روزِ اوّل سے آپ کو زندگی کا شیڈول دینے والا ہے، جو زمانہ ءآخرت تک آپ کو زندگی کا شیڈول دینے والا ہے، وہ اکیسویں صدی کا کوئی علم نہیں رکھتا۔ آپ کا یہ خیال ہے کہ آج کے ماڈرن Skyscrappers اور escalators کی فلاسفی کا اسے کوئی علم نہیں ہے؟ آپ کا یہ خیال ہے کہ اس جدید دنیا جدید ذہن کے scepticism کا اللہ کو کوئی علم نہیں ہے؟ اللہ تو اپنی کتاب کھولتا ہی sceptical answer سے ہے۔ آپ بڑے ذہین ہو ناں......! بڑے دانش ور ہو ناں......! اپنے آپ پر موجودہ زندگی کا بڑا ناز ہے۔ ماڈرن ہو ناں...... کتنے جدید ہو چکے ہو؟ کتنے بڑے دانش ور ہو چکے ہو؟ کیا ذہن میں کوئی ایسا سوال ہے؟ کیا تم اپنی بساط سے بڑھ کر بھی کوئی question رکھتے ہو؟ کیا physical سے metaphysical question رکھتے ہو؟ کیا معمولی psyche سے لے کر کوئی para-psychic وجود رکھتے ہو؟ کوئی سوال ہے جو زمین و آسمان میں تمہیں تنگ کر رہا ہو، تمہیں پریشان کر رہا ہو، تمہیں تجسس میں ڈال رہا ہو، خیال ہو کہ اسکا جواب کہیں نہیں ہے، کوئی شک پڑ گیا ہو، حقائق کے بارے میں، تو خداوندِ کریم فرماتے ہیں کہ " الـم "...... بھلا سوچو تو سہی کون ایسا دعویٰ کر سکتا ہے کہ کتاب شروع کرنے سے پہلے ہی کہہ رہا ہو:

" الٓمّٓ ۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْهِ (البقرة 6:2)

(یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔)

اگر شک ہے تو نکالو......! کوئی تجسس ہے تو آگے بڑھاؤ......! کچھ کرو تو سہی......! خدا کے حضور آؤ تو سہی......! مگر خدا کے حضور کوئی ان پڑھ نہیں آ سکتا، لاعلم نہیں آ سکتا۔

عقل دینے کے بعد، انسان میں شعور پیدا کرنے کے بعد، امانتِ عقل و شعور کی افزائش کے بعد، اللہ کو سب سے زیادہ بری بات کسی انسان میں یہ لگتی ہے کہ وہ غور و فکر نہ کرے، تجسس نہ کرے، جستجوئے علم نہ کرے، تلاشِ حقائق نہ کرے۔ پروردگار فرماتے ہیں:

" اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَایَعْقِلُوْنَ " (الانفال 22:8)

(بے شک اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ لوگ ہیں جو بہرے، گونگے ہیں اور عقل استعمال نہیں کرتے۔)

اللہ نے انہیں انسان نہیں کہا بلکہ انسانوں کو جانور کہا اور اس لئے کہا کہ وہ عقل و شعور استعمال نہیں کرتے۔ اللہ کہتا ہے کہ تمام جانوروں میں سے بدترین جانور تو وہ انسان ہیں جن کو میں نے Instrument of justice دے دیا، تحقیق و علم دے دیا اور پھر بھی وہ اندھوں اور بہروں کی طرح میری آیات پر گرتے ہیں، پھر بھی مسجد کے ملا کی طرح، کوڑھ ذوق، کوڑھ چشم، چمگادڑوں کی طرح روشنی کے سیلاب میں الٹے لٹکے ہوئے ہیں۔ کیا یہ لوگ میری کتاب کا مطالعہ کریں گے؟ کیا یہ، مجھے جاننے کی کوشش کریں گے؟ میں نے انسان کو شعور صرف ایک وجہ سے دیا تھا۔ یہ امانت بڑی امانت تھی، اگر میں پہاڑوں کو سونپ دیتا تو وہ عقل مند نکلتے، اگر بندروں کو نصیب ہوتی تو زمین Planet of apes بن جاتی، اگر میں یہ چیونٹی کو دے دیتا تو خلاقِ زمین ہو جاتی، مگر جس کو میں نے دی، اس کے ساتھ اسے اس کا مقصد بھی بتا دیا۔ میں نے کہا کہ دیکھو اے انسانو! تم بیکار محض تھے، تمہارا وجود ہی کوئی نہ تھا، تم تو singular cell کی حیثیت بھی نہ رکھتے تھے۔ تم کہیں کائی میں، کہیں algae میں، کہیں گند بلا میں الجھا ہوا ایک ایسا ذرۂ حیات تھے جس کی کوئی حیثیت نہ تھی، جس کی کوئی شناخت نہ تھی اور جسے میں نے غلاظت کی تنہائیوں میں رکھ چھوڑا تھا۔ ذرا غور کریں کہ اللہ کیا کہہ رہا ہے:

" هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا " (الدھر 1:76)

(بے شک آدمی پر ایک وقت گذرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔)

اے بیوقوف......! اے کوڑھ ذوق......! اے کم عقل انسان......! تجھے کیوں سمجھ میں نہیں آتا کہ تُو تو

نا قابلِ ذکر شے تھا۔ تُو تو اس قابل نہ تھا کہ کسی Chronicle of History میں آتا۔ تیری کوئی تاریخِ گمشدہ لکھی نہ جاتی۔ تیرے وجود کی باقیات کا بھی زمانے میں کوئی ذِکر نہ ہوتا، لیکن دیکھ! میں نے تیرے ساتھ کیا کیا؟

" اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ " (الدھر 2:76)

مَیں نے تجھے مخلوط نطفے سے پیدا کرنا شروع کردیا۔ کبھی تُو amoeba تھا، paramecia تھا۔ مَیں نے عنایت فرمائی، میں نے چاہا کہ اس کمتر، اس حقیر شے کو بزرگ تر کردوں، خلافتِ ارض وسماء بخشوں تو میں نے تیرا نطفہ مخلوط کردیا۔ مگر ابھی کہاں......؟ ابھی میں نے تجھے کچھ اور بھی دینا تھا: " ...... نَبۡتَلِيۡهِ ...... "جب آزمائش آگے بڑھانی چاہی تو تجھے سماعت بخشی، بصارت بخشی، وجود بخشا، انسان مکمل کیا۔ کہاں وہ Homo sapien جو آج سے اسّی کروڑ سال پہلے درختوں پر بوزنائی چھلانگیں لگاتا تھا۔ اپنے چچازاد، چچیرے بھائیوں سے ملتا جلتا تھا، apes کی طرح تھا، کہاں وہ apes جنکے ذہن کی گنجائش بمشکل 350mm3 تھی اور کہاں یہ انسان......! جو 1000mm3 کا brain رکھتا ہے......! پھر جب اس کی یہ حالت ہوئی، جب یہ بڑا ہوا، انسان کی شکل نظر آنے لگی، Homo sapien ہوا، تو خدا نے کہا کہ اب تجھے میں نے ایک فرض سونپنا ہے۔ غلطی نہ کر بیٹھنا، ترجیحات ناقص نہ کرنا......! اے بندگانِ خدا......! ساری تخلیق ایک وجہ سے ہے، ساری ہدایت ایک وجہ سے ہے، ساری زندگی ایک وجہ سے ہے، تمام عزت وحرمت ایک وجہ سے ہے، اشرف المخلوقات اسی وجہ سے ہو، اشرف الکائنات اسی وجہ سے ہو:

" اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا " (الدھر 3:76)

(یہ تمام عقل وشعور اس وجہ سے بخشا ہے کہ چاہو تو مجھے مانو، چاہو تو میرا انکار کردو۔)

دیکھئے! وہ کتنا بڑا استاد ہے کہ جبر نہیں کیا، دماغوں کو پابند سلاسل نہیں کیا، عقل کو کبھی احساسِ بندش نہ دیا، بڑے استاد کی بڑی باتیں ہیں......!! آثار وشواہد دے دیئے، زندگی دے دی اور آخر کار ایک پورے کا پورا سماں آزادی کا دے دیا اور کہا کہ جاؤ......! بڑا مختصر سا کام ہے۔ اس ہدایت، علم اور شعور کو استعمال کرتے ہوئے چاہو تو مجھے مانو، چاہو تو میرا انکار کردو۔

یہ قرآن ہمیں اس علم ومعرفت کی evaluation دیتا ہے، اُس عقل ومعرفت کو رستے دکھاتا ہے۔ اگر آپ نے دانش ور ہونا ہے تو دنیوی سطح سے آگے بڑھنا ہوگا۔ تمام دنیوی

عقل وشعور local ہے اوراس دنیا تک محدود ہے۔اس دنیا سے نکلنے کیلئے Metaphysical اور مابعدالطبیعات کو پانے کیلئے آپ کو ذہانت کے اُس معیار تک پہنچنا ہوگا......! اگر آپ واقعی ذہین ہو، اگر آپ کوئی دعویٰء عقل رکھتے ہو، اگر آپ سمجھتے ہو کہ آپ میں شعور کی کوئی اعلیٰ صلاحیت موجود ہے تو کسی ایم۔ایس سی اور پی ایچ۔ڈی سے نمایاں نہ ہوں۔ You are turning to be a vocational professionalist. ۔بڑی ذہانتوں سے اعلیٰ ترین computer کی تعلیم شاید آپ کو clever hacker بھی بنا سکتی ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک سوسال کے بعد آپ genetics میں ایک آدھ آدمی اور دریافت کرلو مگر آپ نے اگر علم وشعور کی صداقت کو پانا ہے اور اپنی ذہانت کے دعوؤں کو مکمل کرنا ہے، مسلّم کرنا ہے تو پھر آپ کو محض طبیعات سے نہیں بلکہ مابعدالطبیعات کی وسعتوں سے، اس عظیم تر کائنات کے خالق سے عقل حاصل کرنی ہوگی اور اپنے شعوری رابطوں کو اس کے شعوری رابطوں سے جوڑنا ہوگا اور اس کتاب کی اصل اہمیت یہ ہے کہ یہ آپ کو شناسائی خداوند کا راستہ دیتی ہے۔ہمسائیگی پروردگار میں پہنچاتی ہے، یہ وہ کتاب ہے کہ جو اللہ کا رستہ ہے۔

" وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ " (العمران 85:3)

اب یہ کتاب آپ کو ایک اور رستہ بھی بتا رہی ہے۔خدا کہتا ہے کہ اب میں عیسائیت قبول نہیں کرتا۔ میں نے ان کو ایک وقت دیا تھا، جو گزر گیا۔اب میں ہندوازم قبول نہیں کرتا۔ میں نے پانچویں سے مذہب شروع کیا ہے۔ایک ایک قانون دیتا چلا آیا ہوں۔ میں نے پیغمبر بھیجے۔سارے پیغمبر میرے ہیں، سارے رسول میرے ہیں۔انہوں نے انسان کو اس کے ابتدائی دور سے آگے لے جا کر مزید اور بہتر سے بہتر education دی ہے......عیسیٰؑ ہو، یا موسیٰؑ ہو، کتابِ داؤد ہو، یا صحائفِ ابراہیمؑ ہوں، ہم نے یہ تمام interpretations تمہیں regularly دی ہیں۔مگر یہ incomplete تھیں۔تمہارا ذہن ابھی مکمل نہیں تھا۔ابھی تم پوری طرح ذہانتوں کے مالک نہ ہوئے تھے۔تم جزوی عقل ومعرفت کے مالک تھے اس لئے ہم نے کتاب روک رکھی تھی۔ہم نے ایک قانون دے دیا تھا، ہم نے ادریسؑ کو قصاص کا قانون دے دیا تھا، ہم نے بنی آدم کو یہ پہلا قانون دے دیا تھا کہ ایک انسان کا قتل تمام بنی نوع انسان کا قتل ہے اور ایک انسان کو بچانا پوری نسلِ انسان کو بچانے کے برابر ہے۔ہم نے قانون دے دیئے تھے لیکن تم ہی اس قابل نہیں ہوئے تھے کہ معیشت اور معاشرت کے پورے قوانین سمیٹ سکتے۔ہم تمہاری بلوغتِ فکر کا اسی

طرح انتظار کرتے رہے جیسے ہاں باپ بچے کے جوان ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔ ایم ایس سی کی کتاب کسی نوزائیدہ بچے کے سر میں نہیں ٹھونسی جاسکتی۔ انسان کو بلوغت چاہیئے ، فکری ذہانت چاہیئے، اس کو پانچویں سے بڑھایا، دسویں تک لایا، یونیورسٹیوں تک لایا۔ پھر تم اعلیٰ ترین علم و معرفت کے حصول کے قابل ہوئے جس طرح میٹرک کا طالب علم ایم۔ ایس سی کی کتاب نہیں پڑھ سکتا، اسی طرح ابتدائی کم فکرو کم علم انسان قرآن کو نہیں جان سکتا، جب تک کہ وہ ایک مطالعاتی limit تک نہ جائے اور فہم و فراست کی اس بڑی حد کو کراس نہ کرے۔ آپ کے علماء بھی اس کو کراس نہ کرسکے، اس لئے قرآن کی تعلیمات نیچے آن پڑیں۔

آپ کہتے ہو کہ آج غیر آپ کا مذاق اڑاتا ہے، آپ کہتے ہو کہ کوئی پادری، کوئی لاٹ پادری، کوئی نقاد اٹھتا ہے اور قرآن سے تشدد نکال لیتا ہے۔ خواتین و حضرات! یہ قرآن کا مطالعہ نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔

جب crusades ہو رہی تھیں تو فرانس کے ایک پادری لامنس نے اسلام کے بارے میں ایک کتاب لکھی، اُس کتابِ تحقیق کا خلاصہ موصوف نے ایک جملے پر آ کر کیا اور اپنی تحقیق کا net result یہ نکالا کہ مسلمان ایک دیوتا کی پرستش کرتے ہیں، جس کا نام ''مہیت'' ہے یعنی ''محمد رسول اللہ ﷺ'' کا پہلے نام بگاڑا اور پھر ان کے message کو corrupt کیا...... یہ وہ research ہے۔ خواتین و حضرات! جو آپ اسلام کے بارے میں یورپ کے دانش وروں میں دیکھتے ہیں۔ ان کی یہ ہرزہ سرائیاں انہیں کے محاورے میں Many dogs keep on barking at the moon. چاند پر تو بہت بھونکتے ہیں کتے...... پھر چاند پر کیا اثر ہوتا ہے......؟ کیا اس عزت مآب کی عزت میں کوئی کمی کرسکتا ہے جس کو خدا، صاحبِ کائنات کہتا ہے، جس کو خدا مقصدِ حیات کہتا ہے، وہ رسولِ علم و معرفت کہ جس کی تعلیم کا ایک ایک حصہ ہمارے ہاں ایک وجودِ زندگی تخلیق کر رہا ہے۔ وہ'' محمد رسول اللہ ﷺ '' کہ اگر وہ نہ ہوتے، تو انسان کبھی درسِ انسانیت کا کوئی شرف حاصل نہ کرسکتا، اس پیغمبر کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ تشدد کا پرچار کر کے گیا ہے، وہ کتنی غلط اصطلاح اور تاریخ استعمال کرتے ہیں......! آج تک مسلمان فاتحین جہاں جہاں بھی گئے ہیں...... یہ ایک حیران کن بات میں آپ کو بتا رہا ہوں، جس کی مثال آج تک پوری History of Islam میں نہیں ملتی: مسلمان فاتحین مشرق و مغرب تک گئے ہیں، فرانس کو فتح کیا......! ٹولون تک گئے...... سسلی پر تین سو برس تک حکومت کی

ہے...... Heart of the Europe میں چھ مہینے اٹلی کا محاصرہ کر کے اس پر حکومت کی ہے...... سلطنت عثمانیہ کے شہہ سواروں نے Bulgharian States پر مکمل قبضہ رکھا لیکن ایک مثال بھی آپ کو نہیں ملتی، جہاں کسی کی Forceable conversion ہوئی ہو۔ باقی ساری باتیں چھوڑ دو...... تشدد سے پھیلایا ہوا یہ اسلام جو اس لاٹ پادری کو نظر آ رہا ہے، کیا اُس نے کبھی History نہیں پڑھی؟ کیا اُس کو دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک انڈونیشیا کبھی نظر نہیں آیا؟ جس میں کبھی کوئی مسلمان سپاہی نہیں اترا، وہاں کبھی کوئی conquest نہیں کی گئی، کبھی کوئی فوجی یلغار نہیں ہوئی لیکن انڈونیشیا سارے کا سارا مسلمان ہے...... اُن سے پوچھو کہ کہاں تشدد سے اسلام پھیل رہا ہے؟...... یہ مسلمان آپس میں لڑتے ہیں مگر کبھی کسی غیر کو تو جبراً مسلمان نہیں بنایا...... سوال یہ ہے کہ کیوں نہیں بنایا......؟ قرآن کی وجہ سے...... manaul کی وجہ سے...... دیکھئے قرآن کا خدا کیا کہتا ہے......؟ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّین

"وَقَاتِلُوفِیْ سَبِیْلِ اللہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْ نَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ" (البقرۃ 190:2)
(قتل کرو، میرے لئے اُن سے جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرنا، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

ہاں قتل کرو میرے لئے ...... اگر کوئی تمہیں میرے احکام پر چلنے نہیں دیتا، اگر کوئی تمہیں میرے معاملات کو طے نہیں کرنے دیتا اور تمہیں لڑنا پڑتا ہے تو ضرور لڑو مگر ایک بات یاد رکھنا کہ اگر تمہیں میرے لئے بھی قتل کرنا پڑے تو یہ یاد رکھنا:" وَلَا تَعْتَدُوْ " (کبھی زیادتی نہ کرنا)

" اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْن " اور یاد رکھنا کہ تمہارا خدا کسی قسم کی زیادتی، intolerance، بے جا قتل برداشت نہیں کرتا، تمہارا خدا برداشت نہیں کرتا کہ تم کسی بچے کو مارو، تمہارا خدا برداشت نہیں کرتا کہ تم کسی بے بس عورت کو مارو، تمہارا خدا برداشت نہیں کرتا کہ تم کسی بوڑھے کو مارو، تمہارا خدا یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ تم کسی پھلدار درخت کو ضائع کرو، تمہارا خدا یہ برداشت نہیں کرتا کہ تم اپنے مخالفین کی سرسبز فصلیں اجاڑ دو، ہاں! صرف اتنی اجازت دیتا ہے کہ جو تمہیں مارنے آئیں، بس ان کو مارو...... تحفظِ جان کی خاطر تم ہتھیار اٹھا سکتے ہو، اسکے علاوہ تمہیں قتل کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے۔

خواتین و حضرات! مجھے ان سے افسوس نہیں ہے۔ Honestly, I am not sorry. How can we be sorry for those stupid remarks which have come out of the block heads یا تو وہ کوئی علم و معرفت

کے سمندر ہوں یا وہ کہیں کہ میں اسلام کا ماہر ہوں، میں دانش وری کے کسی کمال پر ہوں تو ہمیں ان کے remarks پر افسوس ہو۔

قرآن خلا میں نہیں اترا، یہ بھی نہیں ہوا کہ زمین پر کوئی انسان نہیں تھا اور قرآن اتر آیا تھا۔ قرآن وسطِ انسان میں اترا۔ قرآن عہدِ قدیم کے تمام علوم کا آخری chapter ہے اور قرآن عصرِ جدید کے تمام علوم کا پہلا chapter ہے، یعنی یہ وسط میں ہے۔ جہاں روما، یونان اور الیگزینڈریہ کے علوم آ کر ختم ہوئے، وہاں سے قرآن نے اپنی شناخت شروع کی اور آج جب تمام علوم اپنی غرض و غائت کی انتہا اور sophistication تک پہنچ گئے ہیں، ان کی ابتداء قرآن سے ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کسی کتاب کے مطالعے کے وقت اگر آپ اسکا پس منظر نہیں جانتے تو آپ اس کے اصل معنی تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر آپ کو قرآن test کرنا ہے تو آپ کو جاننا پڑے گا کہ کیا قرآن ماضی کی باتیں repeat کر رہا ہے یا قرآن خلا میں اتر آیا ہے یا قرآن کا کوئی پس منظر ہے۔ کیا اہل یونان کی باتیں repeat کر رہا ہے یا یہ اہلِ روما کی باتیں repeat کر رہا ہے یا یہ کچھ اپنی بات کر رہا ہے......؟

آیئے خواتین و حضرات! ذرا چیک کریں کہ کیا ہو رہا ہے۔ تین ہزار سال قبل از مسیح Ptolemy نے پہلا جدولِ شمسی دیا، اس نے جو پہلا order of the universe بنایا، اس میں main بات یہ کہی کہ زمین ساکت ہے۔ Earth is stationary and all the stars revolve around the earth. یہ تین ہزار سال قبل از مسیح Greek کے سب سے بڑے علم ہیئت کے ماہر کا قول تھا، اسی طرح وقت گزرتا گیا، لوگ اسی پر یقین کرتے رہے، اسی کو علم اور دانش سمجھتے رہے۔ 1542ء میں Copernicus نے بغاوت کی۔ بغاوت کر کے اس نے کہا کہ Ptolemy was wrong but he still thanked him۔ عالم، عالم کو برا نہیں کہتا۔ اس نے Ptolemy کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے ہمیں ایک جہتِ علم دکھائی، اگرچہ غلط دکھائی۔ اس نے کہا کہ زمین نہیں بلکہ سورج ساکت کھڑا ہے اور تمام سیارے سورج کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔

خواتین و حضرات! ان کے بیچ میں قرآن آ گیا۔ اللہ آ گیا۔ Ptolemy سے اُرے آ گیا، Coperincus سے پہلے آ گیا، اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قرآن نے ان دو سائنس دانوں کو کاپی کیا؟ کیا قرآن نے Ptolemy کو copy کیا؟ کیا قرآن نے

Copernicus کوcopy کیا؟ قرآن اپنی سنا رہا تھا:

" وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرٰتٍ م بِاَمْرِہٖ " (الاعراف 54:7)

(ہم نے چاند سورج اور تمام ستاروں کو اپنے حکم سے مسخر کیا۔) آپ ایک طالبِ علم کی حیثیت سے اللہ سے پوچھو کہ اگر آپ نے بنائے تھے توRule of conduct کیا ہے؟ کیا زمین کھڑی ہے؟ کیا سورج کھڑا ہے؟ کیا کوئی اور ستارہ کھڑا ہے؟ اصول یہ ہے کہ کائنات میں ہر چیز ایک وقتِ مقررہ تک چل رہی ہے۔

اٹھارہویں صدی تک، 1920ء تک آپ یہ کہتے تھے کہ There are some stationary stars but some are moving. بیسویں صدی تک آپ کا علم درست نہیں تھا۔ مگر قرآن مسلسل ایک ہی بات کہہ رہا تھا کہ نہیں، ہم نے چاند سورج اور ستارے مسخر ضرور کئے ہیں مگر یہ تمام چل رہے ہیں۔ خواتین وحضرات! یہ پرانی باتیں نہیں ہیں۔ قرآن بہت آگے تک جاتا ہے۔ قرآن آپ کو ابتدائے کائنات بتا رہا ہے اور انجامِ کائنات بھی بتا رہا ہے۔ اگر آغازِ کائنات یہ بتا رہا ہے کہ:

" اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا " (الانبیاء 30:21)

ذرا انداز دیکھو......! ذرا رعب دیکھو اس سائنس دان کا...... یہ سائنس دان وہ نہیں جو چیزوں پر تحقیق کر رہا ہے۔ یہ سائنس دان وہ ہے جو چیزوں کی تخلیق کر رہا ہے۔

جس مذہب کو وہ وحشی، decadentاور تشدد آمیز سمجھ رہے ہیں، اس کے پیغمبر کے علم کا یہ عالم ہے کہ آج بڑے سے بڑا علمِ ہیئت کا دانش ور بھی دنگ رہ جائے گا اس کی Prophecies پر۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کائنات، اور زمین وآسمان کے بنانے سے پہلے خدا کہاں تھا، فرمایا:

" کَانَ فِیْ عِمَاءٍ کَمَا تَحتَهٗ هَوَاء وفَوْقَهٗ هَوَاءٌ "

(وہ دھند میں تھا۔ بادلوں میں تھا، اور اس کے اوپر بھی ہوا تھی اور اس کے نیچے بھی ہوا تھی)

خدا گویا زمین وآسمان کے بنانے سے پہلے بادلوں کے بے پناہ سمندر میں تھا۔ اس نے بادل تخلیق کئے تھے۔ پھر بادلوں کوsolidify کیا۔ پھر کائنات کوbuild کرنا شروع کیا۔ یہ وہ قرآن ہے جو past کی خبریں تو ضرور دے رہا ہے مگر کچھ advance خبریں بھی دے رہا ہے اور وہ advance خبریں ابھی سائنس کے ادراک میں نہیں آئیں۔ جب قرآن زندگی کی تباہی کا

بیان کرتا ہے:" وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ " (التکویر 1) سورج بجھ جائے گا، یہ توانائی ختم ہو جائے گی۔" وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ " (التکویر 2) ستارے گدلے پڑ جائیں گے، یہ کائنات اندھیری ہو جائے گی، اس میں توانائی کی رمق نہیں ہوگی۔ زندگی freeze ہو جائے گی اور تم سب مر جاؤ گے...... اصل میں یہ ہوگا کہ قیامت کے دن ایک بڑے بھونچال اور زلزلے سے یہ balances ٹوٹ جائیں گے، چیزیں ثقل سے نکل جائیں گی اور پوری کی پوری constellations برباد ہو جائیں گی اور اللہ کہتا ہے کہ ہم اس زمین کو دوسری زمین سے بدل دیں گے، آسمان کو دوسرے آسمان سے بدل دیں گے اور یہ انجام ہے۔ پھر ہم تم سب کو انصاف کیلئے اکٹھا کریں گے۔

تم کہتے ہو نا کہ یہاں بہت سے لوگوں کو انصاف نہیں ملتا۔ خواتین وحضرات! یہ جگہ انصاف کی نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم کے قول کے مطابق امتحان کی جگہ انصاف کی جگہ نہیں ہوتی۔ یہ رزلٹ یہاں نہیں سنائے جاتے۔ جن لوگوں کو خدا سے گلہ ہے اور جو اللہ کے انصاف پر اعتراض کرتے ہیں، ان کو یہ پتہ ہونا چاہیئے کہ زمین معاملات کی آزمائش کی جگہ ہے، یہ انصاف کی جگہ نہیں ہے۔ انصاف تو قیامت کے دن ملے گا، زندگی کے بعد ملے گا، یہاں تو مظلوم اپنی مظلومیت میں آزمایا جا رہا ہے، یہاں ظالم اپنے ظلم میں آزمایا جا رہا ہے، یہاں رشتے آزمائے جا رہے ہیں، یہاں committments آزمائی جا رہی ہیں، یہاں زمین پر بھیج کر اللہ میاں ایک شخص کو کہتا ہے کہ کیا تجھے میں نے پہلا سانس نہیں دیا؟ کیا تجھے میں نے آخری سانس نہیں دیا؟ کیا تجھے میں نے زندگی گزارنے کیلئے ماں باپ نہیں دیئے؟ کیا ماں باپ تُو نے چنے تھے؟ کیا کوئی انسان اپنے ماں باپ کو خود چنتا ہے؟ کیا زندگی کی قدریں کوئی انسان چنتا ہے؟ کوئی بھی نہیں چنتا۔ کس کو کس کے گھر پیدا کرنا ہے۔ کیا کوئی اپنی مرضی سے اپنے ماں باپ کے گھر پیدا ہو سکتا ہے؟ ایسا کوئی اختیار ہمارے پاس نہیں ہے۔ جبر وقدر کے یہ سلسلے انسان کی آسانی کیلئے ہیں اور صرف ایک سوال کی آزمائش کیلئے ہیں۔ سہولتیں اس لئے ہیں کہ زندگی کے دوران سے گذرتے ہوئے جب تم قبر کے سرہانے پہنچو تو خدا پوچھے گا کہ کھا آئے، پی آئے، زندگی گذار آئے، ماں باپ سے سرور حاصل کیا، رشتے ناطے جوڑے، بڑی بڑی قدروں کی افزائش کی، بڑے بڑے دانش وروں سے ملاقات کی۔ یہ تو بتاؤ: "مَنْ رَبُّكَ "......؟ یہ جو اتنا عرصہ مجھ سے آسائشیں مفت لیتے رہے ہو، فلمیں دیکھتے رہے ہو، ہوٹلنگ کی ہے تم نے، بہت کچھ انجوائے کیا ہے، Romances کئے

ہیں ماشاءاللہ سے...... محبتیں فرمائی ہیں، بچے پیدا کیے ہیں، فیملیاں کھڑی کی ہیں، میں نے تمہیں اس لئے تو نہیں بھیجا تھا، یہ تو basic priorities نہیں تھیں، یہ تو میں نے تمہیں دینے تھے۔ تم نے غلط جگہ claim کر لیا۔ تم نے یہ کہا کہ یہ میرے بچے ہیں، تم نے یہ کہا کہ یہ میرے career ہیں، تم نے یہ کہا کہ یہ میری زندگی ہے، تم نے یہ کہا کہ میں نے یہ انتخاب اور عزت حاصل کی ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ تم سب جھوٹ بولتے ہو۔ یہ تو میرا کام تھا۔ میں نے تو تمہیں کسی اور کام بھیجا تھا۔ میں نے تمہیں ساری سہولتیں دے کر، سارا پروٹوکول دے کر، صرف ایک کام سونپا تھا کہ basic priorities میں نقص نہ کرنا۔

رمضان اس لئے ہے کہ شاید بھوکا رہ کر priority یاد آ جائے۔ رمضان اس بے محابا کنٹرول کیلئے ہے، تمہاری آسان فطرت کو چیک کرنے کے لئے ہے، اس غور وفکر کیلئے ہے۔ بعض اوقات بھوکے کو فکر بڑی لاحق ہوتی ہے۔ بہت سارے بھوکے سر درد کی وجہ سے رمضان چھوڑ جاتے ہیں، مگر یاد رکھنا کہ اگر روزہ چھوڑنا ہو تو ایک غریب کو کھانا ضرور کھلا دینا: " فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْن " تب جان بچے گی، ورنہ روزے سے جان نہ چھوٹے گی اور یہ وقت اس لئے ہے، یہ سارا غور وفکر کا مقام اس لئے ہے۔ خدا نے کہا کہ روزہ میرے لئے ہے، اجتناب میرے لئے ہے، مجھے کبھی تو یہ حسرت ہوا ے حضرتِ انسان! آپ کو پتہ ہے کہ اللہ حسرت کرتا ہے، آپ کہو گے کہ ہمیں ہی حسرتیں نصیب ہیں مگر خدا بھی حسرت کرتا ہے، فرماتا ہے:

" يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَاد " (یٰسین 36:30)

اے لوگو! مجھے تم پر حسرت ہے، تم کو میں نے اتنا پیارا سمجھا، اتنا محبوب سمجھا، میں نے تمہیں چاہا اور بہت چاہا، میں نے تمہیں عزت دی اور بہت دی۔ میں نے تمہیں غلبہء کائنات بخشا اور میں نے صرف یہ خواہش کی کہ جس پر میں اتنا احسان کروں، جس سے میں اتنی محبت کروں، جس انسان سے میں اتنا انس کروں، اس کے جواب میں میں نے کیا چاہا؟ ایک چھوٹا سا کلمہ: خلوصِ قلب سے، دل کی گہرائیوں سے، ایک بار کہہ دینا: " لا اِلٰهَ الا الله محمد رسول الله "، تم اس کلمے سے بھی گریزاں ہو۔ تمہاری عقل و معرفت اس کو ایک خرافات سمجھتی ہے۔ تم نے مجھے "اساطیر الاوّلین" میں ڈال دیا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ دورِ حاضر کے فلاسفر اور دانش ور تو بس یہی کہتے ہیں ناں کہ یہ بے جا باتیں ہیں۔ ہمیں وقت زندہ رکھتا ہے اور وقت ہی ہمیں مارتا ہے، بھلا بوسیدہ ہڈیوں میں بھی کبھی جان پڑے گی، مگر آپ کو پتہ ہے کہ خدا کیا کہتا ہے؟ نطشے اور فشتے کو خدا کیا کہتا ہے؟ خدا

یہ نہیں کہتا کہ یہ ظالم اور متکبر ہیں، خدا کہتا ہے کہ ان لوگوں کا علم ہی مختصر ہے۔ یہ اس سے آگے بڑھتے تو انہیں پتہ چلتا کہ خدا کون ہے؟ کہاں ہوتا ہے؟ کیسے مل سکتا ہے؟

خواتین و حضرات! خدا کو پانا بڑا آسان ہے۔ career کی تلاش مشکل ہے۔ ایف ایس سی، بی ایس سی پاس کرنا مشکل ہے۔ مقامِ زندگی میں آپ کسی نہ کسی چیز کے مرہونِ منت ہو مگر خدا کو پانا بڑا آسان ہے۔ خدا کو پانا اخلاص سے ہے...... آپ کی sincerity سے ہے، ایک ہلکی پھلکی feeling سے ہے، جو آپ اللہ کیلئے رکھتے ہو...... ایک آنسو سے ہے...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا نے نارِ دوزخ اس نوجوان پر حرام کردی جس کی آنکھ سے خدا کے لئے ایک آنسو نکلا۔ How cheap! How difficult! you can cry all there. ذرا سی چوٹ سے آپ روتے ہو، ذرا سی محرومی پر آپ روتے ہو، اور اتنی آسانی پر ایک آنسو آپ اللہ کیلئے نہیں نکال سکتے ہو! How poor we are, How cheap it is ایک آنسو...... ! ایک ذرا سا اخلاص...... ! اور اگر آپ نے وہ اخلاص رکھا، تو خدا آپ کو توفیقِ عمل دیتا ہے، خدا آپ کے ذہن کو صفائی دیتا ہے، خدا آپ کے قلب میں تعلق کا بیج ڈال دیتا ہے، زندگی بھی سنوار دیتا ہے، آخرت بھی سنوار دیتا ہے اور پروردگار نے فرمایا کہ یہ صرف ایک وجہ سے ہوگا کہ مجھے خوف و وحشت سے یاد نہ کرو۔ قرآن طریقہ بتا رہا ہے خدا کی یاد کا کہ ڈرو نہیں، میں تمہیں ڈرانے والا نہیں ہوں۔ I am too powerful for you... میں تمہیں طاقت سے نہیں ڈراؤں گا، اس لئے نہیں ڈراؤں گا کہ اگر میں ناراض ہو جاؤں، اگر میں بگڑ جاؤں، اگر میں دنیا کو تباہ کرنا چاہوں تو ایک ہلکے سے asteroids سے میں یہ تمام دنیا تباہ کرسکتا ہوں۔ قرآن میں وہ کہتا ہے کہ اگر میں ایک پتھر ماردوں تو تمام دنیا تباہ ہو جائے...... جس چھ چھ میل لمبے اور بیس بیس میل قطر والے پتھر کو آپ asteroid کہتے ہو، خدا اسے ایک چھوٹا سا پتھر کہتا ہے کہ اگر میں اسے فضاؤں سے تمہاری زمین پر لڑھکا دوں تو تم سب ختم ہو جاؤ، مگر میں یہ نہیں چاہتا، میں ڈرانا نہیں چاہتا۔ خدا کہتا ہے کہ اے میرے بندو! اگر تمہیں میں نے عقل و شعور دیا ہے تو مجھے اسی طرح پیار کرو جیسے اپنے ماں باپ سے کرتے ہو۔ خدا کہتا ہے کہ جب پڑھائی لکھائی ختم کرلو، مصروفیات ختم کرلو، جب حج کے مناسک پورے کرلو، فرائض پورے کرلو:

فَاِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُم فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُم اٰبَآءَكُم اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرۃ 2:200)

مجھے ایسے یاد کرو جیسے اپنے پیاروں کو کرتے ہو، جیسے اپنے ماں باپ کو کرتے ہو، توقع، امید اور محبت

سے مجھے یاد کرو، اس لئے کہ تمہیں ماں میں نے دی ہے، باپ میں نے دیا ہے، علم میں نے دیا ہے، رزق میں نے دیا ہے۔ کیا عجیب priority ہے کہ ہم created چیزوں سے زیادہ انس رکھیں اور جس نے create کی ہیں، اس کا خیال ہی نہ کریں۔ خدا کو یہ گلہ ہے، یہ شکوہ ہے کہ لوگ اپنی ترجیحات منسوخ کر دیتے ہیں۔ The only top priority of the intellectual curiosity is only God. اگر آپ کی یہ priority درست ہو جائے تو آپ کی ساری زندگی امن سے گزرتی ہے اور اگر آپ کی یہ پہلی ترجیح خراب ہوگئی تو ساری زندگی depression, anxiety, neurosis, sychosis میں گزرے گی۔ یہ بات آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ آلام و مصائب خدا سے گریز میں ہیں اور امن وسکون خدا کی محبت میں ہے۔ خدا نے قرآن میں یہ اصول دیا ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ قرآن کیا کہتا ہے:" مَا یَفْعَلَ اللّٰہُ بِعَذَ ابِکُمْ "(ہمیں کیا پڑی ہے کہ تمہیں عذاب کریں)

کیا تم نہیں چاہتے کہ تمہیں عذاب سے نجات ہو؟ کیا زندگی میں کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔ تو قرآن اسکا اصول دیتا ہے کہ ارے ہمیں کیا پڑی ہے کہ تمہیں عذاب کریں! تمہیں جہنم کی سزائیں سناتے رہیں۔ ہم نہیں ایسا کرتے...... اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُم(النساء 147:4) اگر تم ہمیں یاد کرتے رہو اور شکر ادا کرتے رہو۔ وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِراً عَلِیْماً (بلاشبہ تمہارا رب۔ ہر آدمی کا شکر قبول کرتا ہے۔) وہ علم والا ہے۔ یہ لاعلم خدا جسکو West اسلام میں project کر رہا ہے، یہ کوئی بھی نہیں ہے، یہ انکا اپنا خدا ہے جس کو وہ اسلام کے سر منڈھ رہے ہیں۔ اسلام کا خدا ایسا نہیں ہے۔ قرآن کا رب بڑی different بات کرتا ہے۔ خدا کہتا ہے:

" لِیَھْلِکَ مَنْ ھلَکَ عَنْ م بَیِّنَۃٍ وَّیَحْیٰ مَنْ حَیَّ عَنْ م بَیِّنَۃٍ " (الانفال 42:8)

(جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا۔)

اور یہ یاد رکھنا کہ: " اِنَّ اللّٰہَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ " (بے شک اللہ ضرور سنتا جانتا ہے۔)

وہ عقلِ کل ہے، دانشِ مکمل ہے۔ وہ اس طرح کی جہالتیں قبول نہیں کرتا، وہ تمہاری دانش وری قبول کرے گا، تحصیلِ علم قبول کرے گا۔ خدا آپ کو بحثیت طالب علم اور خدا ہم سب کو بحثیت thinkers غور وفکر کرنے والے لوگوں کی طرح یہ توقع، یہ توفیق بخشے۔

" وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِا للّٰہِ ط عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْب " (ھود 88:11)

سوال: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم "

اس پر روشنی ڈالیں کہ اللہ کہتا ہے کہ میں تمہارے تمام گناہ معاف کر دوں گا اس لئے کہ میں غفور الرحیم ہوں.....

جواب: اگر پوری آیت پڑھی جاتی تو اس قولِ مبارک کو qualify کر دیتی: "قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ.(زمر 53:39) پوری آیت بہت واضح ہے اور یہ بتاتی ہے کہ عذاب کس کو ہے اور ثواب کس کو ہے؟ جزا کس کو ہے اور سزا کس کو ہے؟ خدا technically بات کرتا ہے۔ گناہ و ثواب کے اس لہجے میں بات نہیں کرتا جس میں ہم کرتے ہیں۔ اس آیت میں خدا کہتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے اپنے نفس پر اسراف کیا......

ہمیں اللہ تعالیٰ نے کچھ صلاحیتیں ودیعت کی ہیں، ان میں جبلتیں ہیں، power ہے، sex ہے، greed ہے، love ہے، اس کے علاوہ یہ تمام صفات مختلف کاموں کیلئے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قافلہء انسان جو یہاں تک پہنچا ہے وہ ان جبلتوں کے محتاط استعمال سے پہنچا ہے۔ میں آپ کو ایک بڑی واضح مثال دیتا ہوں جو کہ current ہے اور علم کو اس سے گریز نہیں ہونا چاہیے کہ Suppose if we believe in the Western freedom and we believe in what Bush and Blair say and we believe that the modern civilizations give us freedom of thinking and acting and by that means: جب کوئی شخص bi-sexual ہو جائے یا وہ homo-sexuality کو allow کرتا ہے یا اس قسم کی کوئی چیز allow کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ساتھ ساتھ وہ اس کیلئے allowance اور پسندیدگی بھی issue کرتا ہے۔ جب کوئی حکومت اور کوئی معاشرہ اس قسم کے مکروہ جرائم کو جائز قرار دیتا ہے اور اسے creative کہتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ یہ allowance بھی create کرتا ہے کہ اگر سارے لوگ بھی ایسے ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ مگر جب امریکن یا یورپی معاشرہ اس قسم کی غلطی کیلئے اجازت دے گا کہ Man can marry man and woman can marry woman تو یہ دو طرف اشارہ ہے۔ ایک تو اس گروہ کو اجازت مل گئی جو یہ کام کر رہا ہے اور ایک یہ بھی ہوا کہ معاشرہ اس کو برا فعل تصور نہیں کرتا اور یہ کہ further اس کی اجازت کے اشارے مل گئے۔ خواتین و حضرات! اسراف اللہ نے اس کو کہا

ہے...... ویسے بھی All of them have come in one or the other category تو پھر کیا انسان نے اپنے حال کو اور اپنے آپ کو ختم نہیں کر لیا۔ Do you think, production and further generations are possible. اگر تمام انسان اس نعمتِ غیر مترقبہ کا شکار ہو جائیں، west کے بقول اس اعلیٰ ترین صفت کے عادی ہو جائیں جو انہوں نے اپنی تہذیب کا اعلیٰ ترین نمونہ رکھا ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ آپ ان کیلئے عذاب کی بددعا مانگیں۔ They would not multiply, they would not continue. یہ جو generations کا heterogeneous attitude پیدا ہو رہا ہے جس میں عورتیں اور مرد involve ہو جائیں گے If they come again for the production then this is not a normal activity. دنیا اور نسلِ انسانی کو بڑھانے کیلئے دوبارہ اس طریقے پر آنا پڑے جسے اللہ نے رکھا ہوا ہے۔ تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ اُن civilizations میں یہ activity مکروہ، ناجائز اور غلط ہے اور اگر اس activity کو سارے معاشرے کی activity بنا دیا جائے تو It is the end of the world. پھر آپ کو انہیں قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو کسی کو مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ They will not produce anything. پچیس، تیس سال کے بعد سارے خود بخود مر جائیں گے اور زمین اس گندگی سے خود بخود پاک ہو جائے گی۔ یہ اسرافِ جبلت ہے۔ قل یعبادی الذین ...... تم لوگوں کو جو چیز جائز اور مناسب مقاصد کیلئے دی جاتی ہے، اس کو تم ناجائز مقاصد کیلئے صرف کرتے ہو۔

اب ایک اور چیز پر غور کریں، مشرق و مغرب میں عورت اور مرد کی engagement ایک constructive اور تخلیقی مقصد ہے۔ عورت اور مرد کا اکٹھا ہونا کائناتی تخلیقی مقصد ہے، اس کی وجہ آنے والی نسلوں کی حفاظت ہے۔ ہم Billion years پہلے پیدا ہوئے انسان کو آج یہاں تک لائے ہیں۔ ہمارے پیچھے ایک بہت طویل posterity ہے اگر وہ ہمارا خیال نہ کرتے اور اپنے پیچھے گزری ہوئی نسلوں کا خیال نہ کرتے تو آج ہم یہاں موجود نہ ہوتے۔ آج اگر ہم خیال نہ کریں گے تو اگلی نسلیں موجود نہ رہیں گی۔ خداوندِ کریم نے جبلت ہمیں اس لئے دی ہے کہ ہم حفاظت سے استعمال کرتے ہوئے اس زمین کے اُس آخری انسان تک پہنچائیں۔ یہ امانت جو ہمیں دی گئی ہے، اس کیلئے ہے جس نے آگے آنا ہے۔ If we

use it or misuse it میاں بیوی میں اتحاد اور اتصال نہ ہو تو غور فرمائیے کہ معاشرہ کس طرح ناقص ہو جاتا ہے۔ یورپ جو allowance دیتا ہے، تمام physical liberties دیتا ہے اور مرد اور عورت کو پورے مواقع مہیا کرتا ہے اور اس پر کسی قسم کا barrier نہیں رکھتا۔ وہ دوستی، محبت اور اخوت آگے بڑھ کر تمام جنسی تقاضے پورے کرتی ہے۔ اُس معاشرے میں شادی کا لفظ ختم ہو چکا ہے۔ .They are not ready to make families اس میں لفظ شادی کے بجائے partnership آ گیا ہے۔ اس میں نسلیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئی ہیں۔ پورے کے پورے ایسے معاشرے میں کوئی ذمہ داری نہیں اٹھا رہا۔ نہ بچوں کی، نہ زمانے کی۔ ان کی سیر و سیاحت اور ذاتی اغراض اس قدر طاقتور ہو گئی ہیں کہ آئندہ آنے والی ان کی نسلیں non-descript ہیں۔ جس کی نسل کا علم نہ ہو، جس کے آگے پیچھے کچھ نہ ہو، یعنی وہ نسلوں کو اس حال میں چھوڑ رہے ہیں۔ ایک لڑکا، ایک بچہ جس کو ماں proper وقت میں نہیں ملتی، جس کو باپ proper وقت میں نہیں ملتا، جس کو family proper وقت میں نہیں ملتی تو کیا آگے چل کر وہ ایک سفاک اور selfish generation میں سے نہ ہو گا؟ کیا وہ ایک ایسا ظالم اور سرکش بچہ نہ ہو گا کہ ساری زندگی اپنی محبت کی کمی کسی کے خون سے پوری نہ کرے گا۔ ہم انسان ہر جگہ روایت سے اللہ کے حکم سے انحراف کر کے اپنی جبلتوں کو ایسی جگہ خرچ کرتے ہیں کہ وہ جائز استعمال کیلئے باقی نہیں رہتیں۔ یہ قرآن کی اس آیت کا مطلب ہے: قُل یٰعِبَادِیَ ..... مگر اس کے باوجود کہ ہم بہت آگے نکل جائیں، اس کے باوجود کہ ہم اپنی بری سرشتوں کے حوالے ہو جائیں، خدا واپسی کا ایک راستہ چھوڑتا ہے: "لا تقنطو من رحمة الله" اگر ایسا ہو ہی جائے، اگر تم بالکل بے چارگی کے شکار ہو جاؤ، اگر تمہیں شیطان اچک کر لے جائے، فتنہ و ہوس تمہیں مار بھی دیں، اگر تمہیں اپنی ذاتی اغراض بہکا بھی دیں تو یہ ایک بات نہ کرنا، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا...... کیوں؟ جب خدا یہ کہتا ہے کہ "اِنَّ الله"، تو وہ ایک قانون ہوتا ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اُس کے ہوتے ہوئے آپ کہہ سکتے ہو کہ خدا نے ایک قانون بنایا ہے کہ میں تمام گناہ معاف کرتا ہوں۔ انّ الله یغفر الذنوب جمیعا. "جمیعا" ہے۔ forgive all sins in totality سوائے ایک کے اور وہ ہے: "لا تقنتوا" یعنی یہ قانون اس شخص کو نہیں پہنچے گا، جو خدا کی رحمت سے مایوس ہوتا ہے۔ یہ قانون ہر اس شخص کو پہنچے گا جو خدا کو مانتا ہے، خدا کو رحیم و کریم سمجھتا ہے، اس کی محبت پر یقین رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ضرور

معاف کرے گا مگر یہ قانون ایک exception رکھتا ہے اور وہ ہے لاتقنطو من رحمة اللہ کیونکہ خدا کی رحمت سے مایوسی کفرِ خالص ہے اور یہ بھی نہیں کہ آپ لوگوں کو شریک مانو یعنی آپ رحمت کرشنا سے مانگو، محبت درگا سے مانگو، قہر وشنو سے مانگو اور یہ بھی نہیں کہ آپ شریک پالنے لگو۔ اس وقت بڑی مصیبت پڑے گی جب قبر تک پہنچو گے، جب خدا پوچھے گا تو ساڑھے تین سو خدا at a time یاد آئیں گے۔ کبھی کہو گے کالی...... کبھی کہو گے درگا......

جب کفر بُرا ہے تو اس لئے بُرا ہے کہ بخشنے والے کی sensitivity کو متاثر کرتا ہے۔ اللہ تخلیق کرنے والا ہے۔ اللہ اپنی تخلیق کی حفاظت کرنے والا ہے۔ and above everything Allah forgives all but not for those who do not recognize Allah.

سوال Which elements are fixed in one's faith and destiny? Some people say that everything is determined and other say that everything is free...

جواب: کوئی لمحہءِ حیات بھی آزاد نہیں سوائے فکرِ انسان کے، سوائے اُس سوچ کے جو خداوندِ کریم نے ہمیں عطا کی ہے اور ایسا کیوں ہے؟ آیئے اس پر غور کریں، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جو major choices کا وقت ہوتا ہے اس وقت ہمیں کوئی choice حاصل نہیں ہوتی یعنی جب ہمیں زندگی میں بھیجا جاتا ہے، جب ہم زندہ ہو رہے ہوتے ہیں تو کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے لئے کسی غریب گھرانے کو چنے، lack of sources کو چنے یا ہم کبھی بھی پسند نہیں کریں گے کہ ہمارے بہن بھائی رشتے ناطے ایسے ہوں...... ہم اپنی ذات کو پسند نہیں کریں گے، ہم اپنی caste systems کو جو بعد میں ہماری inferiorities کا باعث بنتی ہیں، انکو پسند نہیں کریں گے۔ سب سے بڑا جبر یہی ہے کہ ہم سے پوچھے بغیر ہماری، اطلاع کے بغیر ہمارے parents کا چناؤ ہوتا ہے، ہماری families کا چناؤ ہوتا ہے اور یہ ایک سسٹم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کوئی غربت، کوئی امارت، کوئی post موجود نہیں ہے...... حالات و واقعات تمام determined ہیں اور ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ہمارے بس میں ہو۔ کچھ انسان، کچھ لوگ شعور پا کر اپنے آپ کو اتنا معتبر جانتے ہیں کہ اپنی زندگی کا خالق و مالک اپنے آپ کو سمجھتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی خود بناتے ہیں مگر خواتین و حضرات! آپ اٹھارہ ہزار

genera میں سے ایک genus ہیں۔ زمین پر مخلوقات کی بے انداز قسمیں ہیں اور determinism پر غور کرتے وقت ہمیں صرف اپنا آپ سامنے نہیں رکھنا بلکہ ہم ہر اس مخلوق کو مدنظر رکھیں گے جو ہمارے ساتھ اس زمین پر، اس کرہ ارض پر بستی ہے۔ ہم یہ غور کرنے کی کوشش کریں گے کہ Do birds live on their own choices. Do buffalloes live on their own choices۔ کیا یہ بے شمار مخلوقات، یہ چرند و پرند جو ہمارے ساتھ زندہ ہیں کیا ان کے پاس ان کی زندگی کے choices موجود ہیں یا نہیں ہیں؟ یا اگر موجود ہیں تو ان مخلوقات میں سے کیا کوئی مخلوق اپنی choice سے divert کر سکتی ہے یا نہیں کر سکتی؟ اگر آپ دیکھو گے تو سوائے چند انسانوں کے جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اپنی زندگی خود گزارتے ہیں یا وہ اپنی زندگی کے خود مالک ہیں، اس کے علاوہ زمین پر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو پہلے سے determined نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ کیوں؟

خواتین و حضرات! آسمانوں پر ایک بہت بڑی جنگ و جدل ہوئی...... ایک intellectual battle ہوئی، شیطان اور انسان کے درمیان درجات کا فیصلہ ہوا، انسان کو مسجودِ ملائک ٹھہرایا گیا، پھر انسان سے خطا ہوئی، انسان جس کو benefit کیلئے زمین پر بھیجا جانا تھا اسکا فیصلہ ہو گیا۔ ''مُستقرٌ وَّ مَتَاعٌ اِلیٰ حِیْنٍ'' ''اے حضرتِ انسان! نیچے جا...... اس میں تمہارا تھوڑا فائدہ ہے، اب تُو جنت میں تو نہیں رہ سکتا لیکن صفائے حال کے بعد، ذہنی ارتقاء کے بعد دوبارہ ہماری اس کائناتِ بالا کو پلٹ سکتا ہے۔ آپ مجھے خود بتایئے کہ اگر اللہ نے انسان کو پیدا کرنا تھا اور پیدا کیا...... تو کیا انسان صرف آدم تھا؟ آدم سے لے کر زمانہ آخر تک trillions of human beings اگر پہلے سے assess نہ ہوتے، ان کی آبادیاں assess نہ ہوتیں، ان کے assess' professions نہ ہوتے تو زندگی کتنی مشکل ہو جاتی۔ آپ غور کریں کہ آج کروڑوں انسان جن professions سے کما رہے ہیں، آج سے پچاس برس پہلے وہ وجود بھی نہ رکھتے تھے کیونکہ جوں جوں انسان بڑھتے گئے، ان کی سہولت، اور زندگی میں قیام کی خاطر professions بڑھتے گئے اور اگر چند ایک professions ہی ہوتے اور چند ایک تاجرانہ کارروائیاں ہی ہوتیں تو تمام انسان مل کر انہی چند ایک departments میں گھسے ہوتے جس کا نتیجہ صرف بھوک، پیاس، ننگ اور افلاس ہوتا۔ اس مالک الملک، ذوالجلال والاکرام نے، اس سے بہت پہلے کہ انسان کو پیدا کیا، ایک ماسٹر پلان draw کیا...... اسی طرح

انسان اپنے ماسٹر پلان draw کرتے ہیں تا کہ اپنے اپنے لوگوں کیلئے زندگی کا بچاؤ ممکن ہو، مستقبل میں کتنے لوگوں کیلئے کن professions میں وسعت چاہیے؟ کتنا پانی چاہیے؟ اس کے مطابق پانی کے sources اکٹھے کیئے جاتے ہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان کو زمین پر بھیجا گیا تو کیا زمین پر اس کیلئے کوئی source موجود نہیں تھا؟

جب انسان زمین پر آیا تو اس کے پاس اتنی عقل موجود نہیں تھی، خدا قسم کھاتا ہے:

" وَ التِّیۡنِ وَ الزَّیۡتُوۡنِ ☆ وَ طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ☆ وَ ہٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ (التین 95:1-3)

انسان کو پیدا کرنے کے بعد میں نے دو دن لگائے زمین کو سورج سے الگ کرنے میں اور دو دن لگائے، اس میں ضروریاتِ انسان پیدا کرنے میں......

" ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىہُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ (البقرة 29:2)

(پھر ہم بلند ہوئے آسمانوں کو اور ٹھیک سات آسمان بنائے۔)

وَ ہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡم

(وہ سب کچھ جانتا ہے۔)

ہم علم والے تھے۔ ہمیں پتہ تھا کہ determined ends کے علاوہ یہ مجبور انسان جس کا زندگی میں کوئی آسرا نہیں ہے، کیسے زمین پر زندگی گزارے گا؟ سو ہم نے یہ کیا کہ جب زمین پر کوئی ذرائع خوراک نہ تھے، اس کو کھیتی باڑی بھی نہ آتی تھی تو انسان کیلئے سب سے پہلے ہم نے پانی کا بندوبست کیا، پھر انجیر اور زیتون کے پودے تخلیق کیئے، کھجور پیدا کی تا کہ جب تک اس کے ذرائع ابلاغ درست نہیں ہوتے، ذرائع زندگی درست نہیں ہوتے، یہ انسان جسکے پاس کوئی ذریعہء خوراک نہیں ہے، کچھ نہ کچھ توانائی سے زندہ رہے۔ آج کا خودسر انسان جس تمرد کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو زندگی کا خالق کہتا ہے، اس کو ان ابتدائی ادوار میں جانا پڑے گا، جب انسان کی عقل بالغ نہ تھی، اس کے شعور و حکمت میں کوئی طریقہء روزگارِ زندگی موجود نہ تھا، اس وقت اس کو کس نے support کیا؟ اگر وہ چیزیں جو اس کی زندگی کا باعث بنیں اگر پہلے سے زمین پر پیدا نہ کردی جاتیں، تو وہ انسان کس طرح زمین پر survive کرتا؟

اللہ نے مختلف زندگیوں کے مختلف پیمانے بنائے، اسی طرح پچاس ہزار سال کا ایک دن مقرر کیا، کسی کا ایک ہزار برس کا دن مقرر کیا اور تخلیقِ زندگی اور constellations کے تخلیق کرنے کے پیمانے میں ایک دن برابر ہے ایک ارب سال کے...... دو ارب سال لگائے

زمین علیحدہ کرنے میں اور دو ارب اور کچھ سال لگائے اس میں ضروریاتِ انسان پیدا کرنے میں...... پھر بلند ہوا آسمانوں کو اور ہماری constellations کو ہمارے قابل کیا......
اگر determinism نہ ہوتے اور اگر ایک دو لاکھ میل سورج اِدھر آجائے تو زندگی جل کر خاک ہوجائے، اگر ایک دو لاکھ میل پرے چلا جائے، تو زندگی یخ بستہ ہو جائے اسلئے life belt create کرنے کیلئے اللہ نے زمین کو ایک مناسب فاصلے پر رکھنے کیلئے ایک determined end کیا اور تمام determined end انسان کے فائدے کیلئے ہے، تمام جمالیات انسان کے فائدے کے لئے ہے۔

خواتین وحضرات! سب سے important question وہ ہے جو آج تک حل نہیں ہوا۔ بڑے سے بڑے دانش وراس میں معلق ہیں۔ یہ بڑا آسان سوال ہے مگر آج تک حل نہیں ہوا، کیا انسان سوچتا ہے؟ یا انسان عطا کی ہوئی سوچوں میں سے ایک سوچ کو چنتا ہے؟ یہ مسئلہ بہت important ہے۔ زمین پر آج تک کسی intellectual نے یہ مسئلہ حل نہیں کیا کہ کیا انسان خود سوچتا ہے یا خدا کی دی ہوئی سوچوں میں سے ایک سوچ کو چنتا ہے۔ جس طرح آپ کے دل میں سے دورویں گذرتی ہیں، اسی طرح آپ کے دماغ میں سے بھی دو currents گذرتی ہیں۔ ایک پر خیالِ خیر الہام ہوتا ہے اور دوسری پر خیالِ شر الہام ہوتا ہے۔ خیال نسل رکھتے ہیں، خیال خاندان رکھتے ہیں، خیال کے ماں باپ ہیں، جیسے جانوروں کے ہیں۔

" وَ مَامِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَا حَیْہِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَا لُکُمْ "(الانعام 38:6)

(زمین پر کوئی ایسا ذی حیات نہیں ہے اور آسمانوں میں کوئی ایسا پرندہ نہیں اڑتا جو خاندان نہیں رکھتا جو تمہاری طرح نسلیں نہیں رکھتا۔)

یہ بات زندگی میں انسانی حیات پر لاگو ہے مگر دراصل یہ بات ہمارے خیالات پر بھی لاگو ہے کہ ہمارے خیالات origin رکھتے ہیں، نسل رکھتے ہیں، اولاد رکھتے ہیں، ٹائم رکھتے ہیں، عمریں رکھتے ہیں اور جب یہ دو قسم کے خیالات ہمارے ذہن سے گزر رہے ہوتے ہیں...... پروردگار فرماتے ہیں،

" فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا " (الشمس 8:91)

(پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی۔)

بہت سے مسائل ایسے ہیں جہاں تک انسانی سائنس کی نظر نہیں پہنچی ہے اور ان میں سے ایک یہ

مسئلہ ہے کہ کیا انسان سوچتا ہے یا عطا کردہ سوچوں میں سے انتخاب کرتا ہے اور یہ انتخاب ہی ایک واحد ایسی چیز ہے جس میں انسان آزاد ہے۔

خواتین و حضرات! دانش وروہ نہیں ہے جو زندگی بغیر سوچے سمجھے گزار دے اور عمر آخر میں جب سکرات شروع ہو جائے، جب موت قریب ہو جائے تو وہ خدا کے بارے میں غور وفکر شروع کر دے۔ خداوندِ کریم فرماتے ہیں کہ میں سکرات تک توبہ قبول کرتا ہوں، یہ توبہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟ یہ رجوع ہے، رجعت ہے، خیال سے رجعت ہے، عمل سے رجعت ہے۔ کسی نے شیخ جنیدؒ سے پوچھا کہ توبہ کیا ہے؟ وہاں تصوف کے ایک اور بڑے استاد بیٹھے تھے: ''ابوحارث المحاسبیؒ''۔ محاسبہ کا ایک سکول ہے، There are some mystics who believe in self-accountability ان کو ہم محاسبہ کا سکول کہتے ہیں اور حضرت ابوالحارثؒ ان کے امام تھے۔ ابوالحارث محاسبیؒ نے کہا کہ توبہ یہ ہے کہ تجھے گناہ ہمیشہ یاد رہے اور کہا کہ جنیدؒ! کیا تم بھی اس سے اتفاق کرتے ہو۔ جنیدؒ نے کہا کہ نہیں توبہ یہ ہے کہ تجھے گناہ کبھی یاد نہ آئے۔ جنیدؒ بہت بڑا ذہن تھا۔ اس نے بڑی معقول بات کہی ہے۔ توبہ گناہ کو یاد رکھنے کا نام نہیں ہے کیونکہ اس سے احساسِ guilt ختم ہو جاتا ہے۔ جنیدؒ یہ کہتے ہیں کہ یہ intellectual decisions ہیں، یہ physical decisions نہیں ہیں۔ اگر آپ mentally committed نہیں ہو تو آپ کبھی بھی گناہ نہیں چھوڑ سکتے۔ If you are mentally not convinced that you belong to God, you belong to Islam تو یقین کرو کہ آپ اسلام پر ظلم کر رہے ہو، اور زیادتی کر رہے ہو۔ آپ جیسے مسلمان اسلام کو نہیں چاہیئں۔ اقبال بڑی معقول بات کر گیا تھا کہ مسلمانوں نے ہمیشہ اسلام کو گرایا ہے اور اسلام نے ہمیشہ مسلمانوں کی مدد کی ہے۔ What is that level of understanding which has developed about your religion? کہاں گئی وہ مسلمانیت......؟ کہاں گئے وہ لوگ......؟ کیوں یاد کرتے ہیں لوگ پرانی داستانوں کو؟ کہیں عمر فاروقؓ کو، کہیں صدیق اکبرؓ کو، کہیں عثمانؓ و علیؓ کو یاد کرتے ہیں They were human beings, like you... کیوں آپ ان کو دیوتا بنا لیتے ہو؟ وہ بھی کبھی جاہلیت میں تھے، پھر وہ اسلام کی طرف آئے۔ کیسی committment سے وہ لوگ آئے......! کیا کمال تھا ان کی committment کا......! Alcoholic بھی کبھی شراب چھوڑتا ہے؟ کتنی جلدی چھوڑ دیتا

ہے...... This is a matter of committment. یہ committment
آپ لوگوں میں نہیں ہے۔ اگر ہو تو ربِّ کعبہ کی قسم ہے کہ خدا آپ کیلئے فتح و نصرت تیار لئے بیٹھا
ہے۔ یہ اللہ نے لکھ دیا ہے کتاب میں کہ میں، میرے رسول اور میرے مومنین غالب رہیں گے۔
آپ غالب نہیں ہو نا اس لئے کہ آپ مومن نہیں ہو۔ Why are you crying
emotionally in the streets? Where is Islam? and where
is Muslim? ولا تهنوا ولا تحزنوا خدا نے کہا کہ بڑا رنج آیا ہے تم پر، تمہیں توقع نہیں،
امید نہیں، تم اپنے غموں میں ڈوب گئے، تم اپنی ذلتوں پر شرمسار ہو، تمہارے حکمران تمہاری ہی طرح
ہیں۔ اداسی اور قہر ہر طرف چھایا ہوا ہے، غیر قوموں کے سامنے تم پسماندگی کے شکار ہو گئے۔ بھلا ان
کی ترقی میں کیا راز تھا۔ یورپ بھی کبھی دورِ جہالت میں تھا...... کیا علم کا exchange پسماندگی
ہے؟ کیا اس میں inferiority آ جاتی ہے؟ یہ کل کی بات ہے کہ جب یورپ کی مائیں اپنے
بچوں کو مسلمانوں سے ڈراتی تھیں، چوہے بلی سے نہیں ڈراتی تھیں، Hush! the Turks
are coming کیا ہوا آپ کو......؟ کیا دورانِ وقت بدلتا نہیں ہے:

"وَ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ" (اٰلِ عمرٰن 3:140)

(ہم لوگوں پر ایک جیسے دن نہیں رہنے دیتے۔)

رسول اللہ ﷺ نے معراج کی شب اللہ سے درخواست فرمائی کہ اے پروردگارِ عالم! میری امت
کو کبھی غلام نہ کرنا۔ کہا: "تیری امت کبھی غلام نہ ہو گی"۔ جستہ جستہ میرے جیسے، آپ جیسے، ایک
ملک...... دو ملک...... پوری امت آج تک کبھی غلام نہ ہوئی۔ مگر ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اپنی
زندگیوں میں accountability کا کوئی درجہ خدا کو دینے کو تیار نہیں ہیں۔ Indian
influenced guilt consciousness ہم سب میں موجود ہے۔ ذرا سا دکھ لگا نہیں
کہ احساسِ جرم لے کر خدا کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ اللہ کو آپ کے guilt conscious
سے کیا غرض ہے؟ اگر اسے صحت مند انسان نہیں ملتے تو اسے بیمار انسانوں سے کیا غرض ہو سکتی
ہے۔ یہ سوچنے سمجھنے والے لوگ کہاں جائیں گے؟ یہ متفکر لوگ کیا صرف یورپ کی میراث
ہیں؟ کیا یہ secularism کو ملیں گے؟ کیا ذہن اتنے چھوٹے ہو گئے ہیں کہ جدید فلسفیاتی
نظریات سے متصادم نہیں ہو سکتے۔ اتنے کمزور پڑ گئے ہو کہ ایک انگریزی میں لکھی ہوئی
statement آپ کو پورے مذہب سے فارغ کر دیتی ہے۔ اتنے کمزور ہو گئے ہو کہ حدود اللہ

کی وضاحت کے لئے Bushاور Blair کے پاس جا رہے ہو۔

کیا اس طرح بھی آلِ مسلمان کبھی خوار ہوئی ہے کہ ہمارے مذہب کی وضاحتیں غیر کر رہا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ مسلمان ہم ضرور ہیں مگر ایمان سے ہم بالکل فارغ ہیں۔ خدا کہتا ہے کہ میرے بارے میں سستی نہ کرنا، اگر تم میرے بارے میں سستی کرو گے تو قرآن کا ایک rule ہے۔ ایک اصول ہے کہ تم پلٹ آؤ گے تو میں پلٹ آؤں گا، تم لوٹ آؤ گے تو میں لوٹ آؤں گا۔ اے امتِ مسلمہ! آپ کو لوٹنا ہے، اگر آپ نہیں لوٹو گے تو ربِ کعبہ کی قسم ہے، وہ اس معاملے میں بڑا کھرا ہے۔ ہندوؤں کو تمہارے سر پر مسلط کرے گا۔ یہ دولتِ عظیم چھین لے گا۔ اس سے پہلے بنی اسرائیل اس کے بڑے محبوب بنتے تھے۔ ان کو اس نے بڑی سخت سزائیں دیں۔ ان پر ایسی جابر قومیں چڑھائیں جنہوں نے ان کے وجود کو ملیامیٹ کر دیا۔ ان کی انا اور عزتِ نفس کو ختم کر دیا، ایسا نہ ہو کہ آپ بھی ان میں شامل ہو جائیں اس لیے ربِ کریم کہتے ہیں کہ میرے بارے میں اور میرے احکام کے بارے میں سستی نہ کرنا، غم بھی نہ کرنا۔ معمولی سی کوفت ہے، چھوٹی سی تکلیف ہے، ذرا سا بحران ہے۔ تم تیرہ سو برس حکمران رہے ہو۔ چلو پچاس سال کی گردش دیکھ لو......سو سال کی دیکھ لو......قوموں کی زندگی میں پچاس سو سال زیادہ نہیں ہوتے۔ افراد بھی سو سو سال جی لیتے ہیں۔

"وَلَا تَحزَنُو وَاَنتُمُ الاَعلَونَ اِن کُنتُم مُئومِنِین "(ال عمرٰن 139:3)

(مجھے قسم ہے اپنے عزت وجلال کی کہ تم ہی غالب ہو اگر ایمان والے ہو۔)

اور وہ یہ بات لکھ چکا ہے۔ ہمیں خبر ہے کہ آگے کیا ہے؟ ہمیں پتہ ہے کہ زمانہ کس نہج پر جائے گا؟ ہمیں معلوم ہے کہ تکبرات کی اس صدی میں متکبر نے کہاں مرنا ہے؟ ہمیں سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ اگر ہمیں اپنے خدا پر یقین ہو، اگر ہمیں اپنے رسول ﷺ پر یقین ہو، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے میری امت! اے لوگو! اے مسلمانو! تین باتیں تم میں ہوں گی۔" اور یاد رکھئے اس وقت حضور ﷺ زندہ نہ تھے جب یہ واقعات پیش آئے اور یہ حدیث حضور ﷺ کی زندگی کی ہے۔ فرمایا: "کیا حال ہو گا تمہارا جب تم اہلِ کسریٰ پر غالب آ گئے۔" پھر وہ فوت ہو گئے۔ پھر اللہ کے بندوں نے مدائن کو فتح کیا اور ایران کی سلطنت کو مسلمان کیا۔ پھر فرمایا کہ وہ کیا وقت ہو گا جب تم اہلِ روم سے جنگ کرو گے اور ان پر غالب آؤ گے۔ پھر ہم نے اہلِ روم سے جنگ کی۔ ہمارے آباؤ اجداد نے جنگ کی، ہم ان پر غالب آئے اور اللہ کے رسول کی دوسری پیش گوئی بھی پوری ہوئی۔ پھر

آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ آخر میں تم دجال سے جنگ کرو گے اور اس پر بھی غالب آؤ گے۔

خواتین و حضرات! یہ دجال کا عصر ہے۔ اسی زمانے کو خدا کے رسول ﷺ نے دجال کا عصر کہا ہے اور ہمارے پاس مصدقہ اور سچی خبر ہے کہ ہم اس پر غالب آئیں گے۔ افغانستان مت دیکھو، مارنے والا پتہ نہیں کہاں سے آئے گا؟ اللہ کے حضور میں یہ فتح لکھ دی گئی ہے مگر اس کا باعث صرف ایک ہوگا کہ آپ کا اعتبار لفظی نہیں ہونا چاہئے۔ آپ اپنے مذہب کو سمجھو، کائنات کے سب سے بڑے فلسفے کو سمجھو، خدا کے قرب اور ملاقات کی اس کنجی کو دیکھو۔ قرآن وہ کتاب ہے جو فلسفہ میں، دانش میں، حکمت میں، علم میں، آپ کی ضرورت ہے۔ خدا وہ ہے جس کی باتیں ابھی پوری نہیں ہوئیں:

" اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ "(الطلاق 12:65)

(اللہ تو وہ ہے جس نے سات کائناتیں تخلیق کی ہیں اور ان سات کائناتوں میں سات زمینیں تخلیق کی ہیں اور ان سات زمینوں میں ہمارا حکم اترتا ہے۔)

بھلا بتاؤ تو سہی کس انسان کو کسی دوسری زمین کا علم ہے؟ کس کو پتہ ہے کہ دوسری زمین کہاں ہے؟ مگر multiverses کے concepts آ گئے ہیں ...... اللہ سچا ہوا کہ نہیں...... ابھی تک دوسری زمین تو کسی نے نہیں دیکھی مگر options کھل گئے ہیں۔ یہ بہت آگے کی بات ہے۔ جب تک ہم قرآن کو تو جہات سے نہیں پڑھیں گے، علم سے نہیں پڑھیں گے، اگر جزدان میں چومنے چاٹنے کے بعد اسے رکھنا ہے، یہی کام تو ہندو اپنے بت کے ساتھ کرتا ہے۔ اس سے زیادہ مذاق کتابِ علم کے ساتھ اور کیا ہوگا؟ علم و دانش اور تفکر کی متاع کے ساتھ اس سے زیادہ مذاق اور کیا ہوسکتا ہے کہ آپ کتاب علم کو پڑھنا سوچنا اور غور کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ بس تلاوت کر لی۔ یہ تو اَن پڑھوں کا کام ہے، اگرچہ اللہ نے ان کے لیئے بھی ثواب رکھا ہے۔ جو لوگ ایم ایس سی، بی ایس سی کر رہے ہیں یہ ان کا کام نہیں ہے۔ جو ایم بی اے کر رہے ہیں اور جدید ترین فلسفہ ہائے نظامِ معیشت سمجھ رہے ہیں، یہ انکا کام نہیں ہے۔ اُن کا کام ہے غور و فکر کرنا، تھوڑی سی استطاعت کے ساتھ، تھوڑی سی ذہنی جدوجہد کے ساتھ، دیکھو تو سہی، یہ ربِ کائنات کیا کہتا ہے......؟ اس کے پاس کیا ہے دینے کے لیے......؟ اس کے پاس امن ہے، سکون ہے، ہر چیز دے دیتا ہے مگر دلوں کا اطمینان نہیں دیتا...... کسی قیمت پر نہیں دے گا۔ کوئی ایسا انسان زمین پر مجھے دکھا دو جو خدا کے بغیر بھی اطمینان قلب رکھتا ہو، جو خدا کی شناخت رکھتا ہو۔ فرمایا:

" لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ "

ہم اپنے دوستوں پر fearsاور frustrations نہیں رہنے دیتے۔ Ladies and gentlemen! tell me who is not frustrated, who is not obsessed, who does not suffer psychotic everyday, who is not neurotic. If I could explain it in one term, I could say that it is an age of fears and frustrations. It is an age of anxiety. It is an age that nobody is satisfied with matter. This is a curative. we are sceptic in the dress of hopelessness.

اللہ نے ہمیں ایک chance دیا ہے کہ میں اپنے دوستوں پر fears اور frustrations نہیں رہنے دیتا۔ مگر کیسے......؟ طریقہ کیا ہے......؟ فرمایا: جو مرضی دُنیا میں کرلو: دولت دے دوں گا، پانی دے دوں گا، روٹی دے دوں گا، محلات دے دوں گا، تمہارے پارچے سونے چاندی کے کردوں گا، تمہیں کمخواب اور زربفت کے لباس دے دوں گا مگر ایک چیز نہیں دوں گا:

" اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ " (الرعد 28:13)

اپنی یاد کے بغیر اطمینان نہیں دوں گا۔ یہ بات سن رکھو کہ سب کچھ مل جائے گا تمہیں دنیا میں...... اصحابِ کبار نے گلہ کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ دشمنوں کے کاروبار کھلے ہیں، بازار سجے ہوئے ہیں...... Skyscrappers دولتیں ہی دولتیں...... پیرس اور لندن ہماری جنت ہے، ہم خواب دیکھتے ہیں...... مسلمانوں کے پاس کیا ہے؟ "پھر وہی وعدہ، حور و قصور، پھر وہی فرسودہ سی جنت"، مریں گے تو پائیں گے۔ زندگی میں تو کچھ نہیں ہے ناں...... یہ کیسے believeable ہے...... ایک sentient being حواس سے چیزیں چھو لیتا ہے، پیسے چھو لیتا ہے، بدن چھو لیتا ہے، ہر چیز چھو لیتا ہے اور اللہ ہمیں کیا دیتا ہے کہ حواس سے آگے جا کے سوچیں یعنی physical self کو دُنیا freeze کر رہی ہے اور خدا ہمیں صرف metaphysics دے رہا ہے، مابعد الطبیعات دے رہا ہے، parapsychic institutions دے رہا ہے...... ایسا کیوں ہے؟ تو وہ گلہ گزار ہوئے کہ اے اللہ دشمن اتنا خوشحال کیوں ہے؟ آپ کو پتہ ہے کہ خدا نے کیا کہا؟ خدا نے کہا کہ "اگر ایک مصلحت مانع نہ ہوتی تو میں اہلِ کفر اور اہلِ شرک کے درو دیوار چاندی کے کر دیتا، ان کے دروازے سونے کے کر دیتا۔ ان کی سیڑھیاں سونے

چاندی کی کر دیتا، آپ کو پتہ ہے کہ اگر مصلحت مانع نہ ہوتی تو مسلمان ان سے سڑسڑ کر کافر ہو جاتا، مسلمان کبھی اپنے اعتقاد اور یقین پر قائم نہ رہتے، خداوندِ کریم نے تھوڑی سی بھلائی کر دی۔

اللہ کے ہاں معیشت کے قانون جدا ہیں۔ یہ بات یاد رکھنا کہ غربت میں خدا کسی قوم کو تباہ نہیں کرتا۔ غریب کو تباہ نہیں کرے گا۔ اگر آپ بھوکے ننگے ہیں تو آپ کو مارنے میں اس کا کوئی interest نہیں ہے۔ وہ قوموں کو اس وقت پکڑتا ہے جب وہ اپنی معیشت پر تکبر کر رہی ہوتی ہیں، جب وہ اپنی richness کے فسانے سنا رہی ہوتی ہیں، جب وہ World Bank بنا رہی ہوتی ہیں......

" کَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ م بَطِرَتْ مَعِيشَتِهَا " (القصص 58:28)

(کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں جب وہ اپنی معیشت پر اترا رہے تھے۔)

ہم غریب اور فقیر بستیوں کو تباہ نہیں کرتے ہیں، مانگنے والی بستیوں کو تباہ نہیں کرتے۔ ہم اس وقت بستیوں کو تباہ کرتے ہیں جب معیشت میں تکبر اٹھ رہا ہو، جب وہ اپنی کمائیوں پر ناز کر رہے ہوتے ہیں۔ قرآن نے دو بھائیوں کی مثال دی: بڑے بھائی کا باغ بڑا شاندار تھا۔ کیلے لگے ہوئے...... پھلوں سے بھرا ہوا...... اور چھوٹے بھائی کا بہت چھوٹا...... مگر سائے میں تھا۔ بڑے کا باغ اوپر، پانی سے بھرا ہوا، چھوٹا اس سے مانگ کر پانی لیتا تھا۔ تھوڑے سے پھل اس میں اُگتے تھے۔ ایک دن بڑے بھائی نے چھوٹے سے کہا: او چھوٹے نالائق! دیکھا! میرے پاس کتنی عظمت' کتنا مال' کتنا شاندار باغ ہے......! چھوٹے بھائی نے انکسار سے عرض کی: بھائی! تھوڑی سی مروت کر جا...... خدا کا شکر ادا کر...... او بھائی! میں نے اپنی محنت کی ہے، میں intellectual تھا، طریقے سوچے ہیں، میں نے اپنی services لگائی ہیں اور تم یہ کہتے ہو کہ God یہ کرتا ہے۔ گاڈ واڈ کچھ نہیں ہے...... It is my job رات ایک ایسی آندھی آئی کہ اوپر کا باغ اجاڑ گئی، چھوٹے والے کا پناہ میں تھا، بچ گیا۔ صبح، افسردہ، خاسر و خائب، پژمردہ، اداس...... بولا: ہائے میں نے ناشکری کی ......۔ اس لیے اللہ نے کہا کہ جب کسی چیز کے زوال کا اندیشہ ہو، کسی بچے کے ضائع ہونے کا ڈر ہو، کسی بڑے کی جان جانے کا ڈر ہو، کوئی دولت ہاتھ سے جانے کا ڈر ہو، کوئی باغ تباہ ہونے کا ڈر ہو، کسی مکان کی چھت گرنے کا ڈر ہو تو ایک جملہ ضرور پڑھ لیا کرو کہ جو چیز اچھی تمہیں ملی ہے، جو اللہ نے تمہیں عطا کی ہے، وہ قائم رہے گی اگر تم اسے دیکھ کر یہ کہہ دو:

مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یہ سب اللہ کی عطا ہے، اس کے بغیر کوئی بھی اور کہیں بھی یہ عطا نہیں کر سکتا۔

سوال: Quran repeatedly says we are the one who do not differentiate between prophets ہم وہ ہیں جو پہلے اور بعد میں آنے والوں کے درمیان فرق نہیں کرتے، اس کے مقابلے میں ایک اور جگہ refer کیا جاتا ہے کہ انبیاء کے مابین درجات ہیں۔ اس کو explain کریں۔

جواب: قرآن نے رسالت میں تفریق نہیں کی۔ Ranks of the teachers میں فرق نہیں ہے۔ جو ranks پیغمبروں میں آئے، اُن میں ان کی تعلیمات کے لحاظ سے difference نہیں ہے بلکہ اُنکے اثرات کے لحاظ سے difference ہے کہ جب یونس بن متیٰؑ کا ذکر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے انکسار فرمایا، کہا: کہ مجھے یونس بن متیٰؑ پر ترجیح مت دو اور جب حضرتِ ابراہیمؑ کا ذکر آیا کہ انہوں نے غلطی سے نمرود کے سامنے اپنی بیوی کو بہن کہہ دیا تھا تو حضور ﷺ نے کہا: اس صورتِ حال میں شاید ہم سے بھی یہ خطا ہو جائے۔

حضورِ گرامی مرتبت کی سب سے بڑی personal صفت پر اگر آپ غور کرو گے تو آپ کو اپنا پیغمبر بڑا عجیب نظر آئے گا کہ ایک لاکھ تئیس ہزار احادیث میں سے ایک حدیث میں رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی ذاتی تعریف نہیں فرمائی اور عجیب سی بات یہ ہے کہ اتنا selfless teacher زمین و آسمان میں نہیں گزرا۔ اب دیکھئے کہ انکا title ''رحمۃ اللعالمین'' ہے اور یہ title میں نے اور آپ نے نہیں دیا بلکہ خداوندِ کریم نے دیا ہے:

" وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ " (الانبیاء 107:21)

یعنی وہ شخص ہے جو عالمین کیلئے رحمت ہے، جب اس سے پوچھا گیا: ''یارسول اللہ ﷺ اللہ لوگوں کو جنت میں کیسے داخل کرے گا''؟ تو فرمایا: ''اپنی رحمت کے ساتھ''۔ پوچھا گیا: ''یارسول اللہ ﷺ اور آپ'' ؟ تو کہا: ''میں بھی ان کی رحمت کے ساتھ داخل کیا جاؤں گا''۔ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ جس کی رحمت کی وجہ سے عالمین قائم و دائم ہیں، اتنا selfless teacher زمین و آسمان میں کہیں نہیں گزرا کہ پوری زندگی کی تعلیمات میں حضورِ گرامی مرتبت نے کسی تعلیم کا رخ اپنی عزت و توقیر کی طرف نہیں موڑا مگر جو کچھ بھی درجات اللہ نے عطا کیے وہ لفظِ فضیلت ہیں:

" تِلۡکَ الرُّسُلُ فَوۡقَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ "(البقرۃ 253:2)

(یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔)

ان میں فرق نہ کرنا، اُن کے تعلیمی رتبات کی وجہ سے ہے اور فضیلت دینا انکے وہ درجات ہیں جو اللہ کے نزدیک ہیں اور اس کا بھی ایک عنصر ہے جو اللہ نے بتایا ہے کہ فضیلت کے درجات علم پر ہیں۔

" نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْم " (یوسف 76:12)

(جسکے چاہتا ہوں درجے بلند کرتا ہوں، اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔)

اور چونکہ تمام پیغمبر جزوی کتاب لائے ہیں، تھوڑی تھوڑی کتاب کے ٹیچر ہیں، اُن کی فضیلتیں ان تک محدود ہیں اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ

" اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی " (المائدة 3:5)

کہ آج نہ صرف میں نے کتاب ختم کی بلکہ اپنی نعمت تمام کر دی، پیغمبری ختم کر دی، میں نے رسول اللہ ﷺ تمہیں عطا کر دیئے۔ اِس لئے رسول اللہ ﷺ کی فضیلت میں قرآن اور حدیث کی رو سے قطعاً کوئی فرق نہیں ہے اور ہمارے نزدیک اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہے مگر خود رسول اللہ ﷺ کا ظرفِ عالی مقام یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو کسی پر ترجیح نہیں دی۔

سوال: How can I recognise myself, please give the road map.

جواب: آپ نے سنا ہوگا کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا۔ Now there is something in it which is contradictory کہ اگر ہم اپنے self کو پہچانیں گے تو ہم اپنے خدا کو کیسے پہچان لیں گے؟ حضرت عیسیٰؑ سے پوچھا گیا کہ خدا کو کیسے جانتے ہیں، تو انہوں نے فرمایا Know thyself and you shall know thy God. مندرجہ بالا حدیث کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کمزور ہے مگر اسکے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث جو کہ مضبوط اور مدلل ہے، اس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "خدا جس کو اپنا علم دینا چاہتا ہے اسکی آنکھ اس کے اوپر کھول دیتا ہے۔" اس کی وجہ یہ ہے خواتین و حضرات! کہ میں اپنی جبلتوں کے حجاب میں ہوتا ہوں۔ میری جبلتیں، میری sympathetic considerations خدا کی شناخت میں حائل ہیں۔ جب تک میں یہ نہیں دیکھوں گا کہ میری کون سی جبلتیں ایسی ہیں جو خدا کے رستے میں حائل ہیں، میرا رستہ نہیں کھلے گا اور میں خدا کے رستے کی شناخت نہیں پاؤں گا۔

نفسیات کا موضوع خدا نہیں ہے۔ نفسیات آپ کو اللہ تک نہیں لے جائے گی۔

Psychology does not need to lead to God but

psychology secondly leads you to the understanding of the self. یہ علم کافی حد تک مرتب ہونے کے باوجود بھی ابھی اُس مقام پر نہیں پہنچا کہ Psychology should lead you to God. بلکہ یہ آپکو اپنے اندر اور دوسروں کے اندر ایسے احساسات کی تعلیم دیتا ہے، ایسی کمی آپ کو بتاتا ہے کہ جس کی وجہ سے آپ کی progress آپ کی قوتِ عمل، آپ کا جذبہء زندگی رکا رہتا ہے۔ It will tell you, why are you depressed. It will tell you, why do you feel inferior. It will tell you to wash off your things. It will tell you to experiment on your self. In laws of psychology you create a workability in yourself. مگر psychology آپ کو خدا تک نہیں لے جاتی۔ جن کو خدا تک جانا ہوتا ہے وہ psychology سے ذرا آگے بڑھتے ہیں۔ اس لئے کہ جہاں نفسیات کے اصول ختم ہوتے ہیں وہاں خدا کی شناخت کا اصول شروع ہو جاتا ہے:

" وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ " (الرحمن 46:55)

(اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا۔)

یعنی اس نے اپنی خواہش اور اپنے نفس کی مخالفت کی۔

خواتین و حضرات! سائیکالوجی کی منزل یہ ہے کہ It studies the self for the self... اور اس سے آگے بڑھتا ہوا مسلمان اللہ کی رضا کو سامنے رکھ کر اپنی self کو خدا کیلئے surrender کرتا ہے۔ یہ مقامِ تصوف ہے اور خدا کی شناخت کا علم ہے۔

سوال: کیا اللہ سے شکوہ کرنا درست ہے؟ اگر انسان خدا سے شکوہ نہ کرے تو کس سے شکوہ کرے؟ اگر کوئی انسان دنیا سے نفرت کرتا ہے اور اس دنیا میں نہ رہنا چاہے اور کہے کہ مجھے اپنے پاس بلا لے تو کیا یہ درست ہے؟

جواب: اللہ سے شکوہ کرنا غلط نہیں ہے، شرط یہ ہے کہ کسی اور سے شکوہ نہ کیا جائے۔ اگر اللہ ہی آپ کے پیش نظر ہے، خدا ہی آپکی زندگی کا خالق ہے، آپ ضروریات بھی اُسی سے مانگتے ہو، توجہات بھی اُسی سے مانگتے ہو، تسکین بھی اُسی سے مانگتے ہو۔ تو پھر شکوہ بھی اس سے کر سکتے ہو۔ اگر آپ حضرتِ ایوبؑ کے گیت سنیں جو انھوں نے بیماری میں کہے تو لوگ اُن کے پاس اس لئے آتے تھے کہ آپ ہم سے بات کریں اور خدا کا گلہ کریں مگر وہ نہیں کرتے تھے۔ مگر جب تنہا ہوتے

تھے تو اللہ ہی سے کرتے تھے، اللہ کو ضرور کہتے تھے کہ اے میرے پروردگار! میں لوگوں سے تیرا شکوہ نہیں کرتا اور لوگوں سے تیرا گلہ نہیں کرتا۔ لوگ مجھے ناشکر گزار کرنے آتے ہیں مگر میں نہیں کرتا۔ مجھے پتہ ہے کہ تو جو کچھ کر رہا ہے، میرے لئے مناسب کر رہا ہے، لیکن اے پروردگار! میں بڑی مصیبت میں ہوں اور یہ جملہ حضرت ایوبؑ کا قرآن میں موجود ہے کہ:

" اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ "(الانبیا 83:21)

اے اللہ مجھے ضرر نے چھولیا ہے، تو کیوں میری بے چارگی پر رحم نہیں کرتا......؟ کیوں مجھ پر کرم نہیں فرماتا......؟ کونسی خطا میں نے کی تھی کہ تو نے مجھے شیطان کے قبضے میں دے دیا؟ کونسی عزت وعظمت کے عوض تو نے شیطان کو مجھ پر حکم لاگو کرنے کی اجازت دے دی؟

خدا سے گلہ شکوہ اس لیے جائز ہے کہ خداؔ ہی سے گلہ ہو سکتا ہے۔ دینے والا وہی ہے، عطا کرنے والا بھی وہی ہے مگر ان یہودیوں کی طرح گلہ نہیں کرنا چاہیے جو کہتے تھے کہ خدا کا ہاتھ تنگ ہے، ہمیں مال ہی نہیں دیتا۔ گلہ کرنا ہو تو فراخ ہاتھوں سے کرو۔ ایسے جملے نہیں بولنے چاہییں کہ جس میں خدا کی تقسیم ہو یا اس کی عزت وجاہ و مرتبت میں کمی ہو۔ لوگ بہت کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں، لوگ بہت کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کو مانتے ہیں اور اسی سے مانگتے ہیں مگر وہ غلط کہتے ہیں۔ خدا ان کو آخر میں یاد آتا ہے، سب سے آخر میں جب سارے ذرائع ختم ہو جائیں، تب وہ انہیں یاد آتا ہے۔ ربّ تعالیٰ کی قسم ہے جس نے اللہ پر توکل کیا، خدا کے سوا کسی سے آرزو نہیں رکھی تو اس کا شکوہ بھی اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے، اس کی ہر دعا کو قبول کرتا ہے، اُس کی ہر آرزو کو مطلب تک پہنچاتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے کسی نے پوچھا کہ اسمِ اعظم کیا ہے؟ فرمایا کہ جب تو ایسے اللہ کا نام لے کہ تیرے دل میں کوئی اور نام نہ ہو، ایسے اللہ کا نام لے کہ تیرا دل خالی ہو اور اُس میں کوئی اسمِ نہ ہو تو یہ اسمِ اعظم ہے۔ حضور گرامی مرتبتؐ کی حدیث ہے:

جب بندہ اللہ کو اتنا یاد کرتا ہے، اتنا یاد کرتا ہے کہ اُس کا دل ءایک صحرا اور ویرانے کی طرح ہو جائے اور اس میں ایک چراغ جلتا ہو......اللہ کی یاد کا چراغ......تو پھر اللہ اُس کا ہاتھ بن جاتا ہے، اُس کا اشارہ بن جاتا ہے، اُس کا کلام بن جاتا ہے۔ اسکے ابروئے چشم سے بادل جھک آتے ہیں۔ اس کے ایک اشارہ انگشت سے روشنیاں پھیل جاتی ہیں۔ اُس کے جملہء صادقہ سے کائنات کی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ یہ حدیثِ مبارکہ موجود ہے۔

سوال: Quran strictly denounces taking and giving of interest. In this context what is the status of banking, insurance and all such business. Is the job in such business allowed?

جواب: یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام بینک ایسا کرتے ہیں۔ آج تک یہ تصور کیا جاتا رہا ہے کہ بینکوں کے اصول سود پر ہیں مگر بینک بلاسود بھی ہو سکتے ہیں۔اس میں بینکوں بیچاروں کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ بینک مضاربہ طرز کے بھی ہو سکتے ہیں، بینک اسلامی طرز کی بینکاری بھی کر سکتے ہیں۔ بینک ایک institution ہے جس کا تصور زمانہء قدیم میں یہودیوں سے لیا گیا ہے۔ بینک کا لفظ اس وقت وجود میں آیا جب سپین میں مسلمانوں کی حکومت تھی اور اس وقت یہودی بنچوں پر بیٹھ کر ساہوکاری کیا کرتے تھے اور پیسے کا لین دین کیا کرتے تھے۔ وہ bench ہی بگڑتے بگڑتے bank ہو گیا۔ دراصل bank میں inherent سود نہیں ہے۔ بینک کا اصول بلاسود بینکاری بھی ہو سکتا ہے۔ بینک advantage میں بھی بینکاری کر سکتا ہے۔ یہ اس طرز عمل کا نام ہے جو کوئی organization یا کوئی بینک کسی چیز کے لئے کھولتی ہے مثلاً جیسے mark up کا ایک institution نکلا تھا تو اس میں repititive سود کو ختم کر دیا گیا تھا اور mark up کا اصول اپنا لیا گیا تھا۔ اس کا درجہ اس قسم کی مذمت پر نہیں پہنچتا، جیسے repititive سود کا یا بڑھنے والے سود کا پہنچتا ہے۔

ہمارا مسئلہ ذرا مختلف ہے۔ میں پاکستان میں ہونے والی بینکاری کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ آپ کی ہر چیز بال، بال سود میں بندھی ہوئی ہے۔ وہ مقدس لوگ جو سود نہیں دیتے، نہیں کھاتے، وہ بھی سود کے قبضے میں ہیں۔ جب غیر اقوام آپ کا سود گنتی ہیں تو وہ per-capita سود گنتی ہیں۔ وہ پندرہ کروڑ پر سود گنتی ہیں اور وہ ہر پاکستانی پر سود گنتی ہیں، سو حضور ﷺ کی حدیث مبارکہ یوں پوری ہوتی ہے کہ زمانہء آخر میں اگر کوئی سود نہیں بھی کھائے گا تو اس تک سود کا دھواں ضرور پہنچے گا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس کو change کرنا چاہتے ہیں۔ An individual cannot change the entire aspect of a country. ایک قوم کی حکومت، اس کے اربابِ اختیار اور دنیا کے ساتھ اس کے لین دین کے ڈھنگ بدلنے ہوں گے۔ اگر ہم مسلمان حکومت ہوتے، اگر ہم اسلام چاہتے تو ہم اس نظامِ سود کو بدل سکتے تھے مگر کیسے......؟

دیکھئے! سود کے بارے میں قرآنِ حکیم میں تین حکم ہیں۔ایک اس کی nature پر ہے،ایک اس کو دور کرنے پر ہے،ایک حکم یہ کہتا ہے کہ:

" اَحَلَّ اللّٰہُ البَیعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرة 2:275)

(اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔)

دوسرا حکم سخت ہے، کڑا ہے اور یہ آخری صورت ہے۔ آخری تین صورتوں میں سے ایک صورت خطبۃ الوداع سے پہلے سامنے آئی۔ وہ یہ ہے:

" یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُو اتَّقُو اللّٰہَ وَذَرُوامَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِن کُنتُم مُؤمِنِینَ ہ فَاِن لَّم تَفعَلُوْ فَاذَنُوا بِحَربٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُولِہٖ " (البقرة 2:278,279)

(اگر تم سود لو گے، دو گے، تو پھر خدا اور اس کے رسول سے لڑنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔)

لوگ ان کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں مگر اس rule کو نہیں دیکھتے جو سود ختم کر سکتا ہے۔ اللہ نے بڑا سادہ سا قانون دیا ہے۔ لیکن اگر وہ institution نہیں ہوگا تو سود کبھی زمانے میں ختم نہیں ہو سکتا۔ نہ سعودی عرب میں ختم ہو سکتا ہے، نہ پاکستان میں، نہ شام میں، نہ مصر میں...... جب تک اللہ کا وہ قانون اور institution قائم نہ ہوگا۔ خدا نے چھوٹی سی آیت میں وہ دو institutions آمنے سامنے کر دیے ہیں اور کہا ہے کہ اس institution کو بڑھاؤ تو یہ institution ختم ہو جائے گا۔

" یَمحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُربِی الصَّدَقٰت " (البقرة 2:276)

(اللہ سود کو گھٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔)

جب آپ کے صدقات کے institutions قائم ہو جائیں گے، تو سود automatically ختم ہو جائے گا۔ یہی مثال رسول اللہ ﷺ نے دی۔ خطبۃ الوداع کے دن حضور ﷺ نے فرمایا کہ آج کے دن میں تمام سود باطل قرار دیتا ہوں۔

میں ایک سوال Islamic history کے طالب علموں، تمام دانش وروں اور علماء و فضلاء سے ہمیشہ کرتا ہوں اور اب بھی کروں گا کہ یہ بتاؤ کہ آیات تو اتر چکی تھیں، سود پہلے کیوں نہیں بند ہوا۔ Why Prophet had to announce it on the day of Khutba? Why...? کیوں رسول اللہ ﷺ نے خطبۃ الوداع کے دن فرمایا کہ آج کے دن میں تمام سود باطل قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود معاف

کرتا ہوں؟ خواتین وحضرات! غور طلب بات ہے کہ سود کے قوانین آ جانے کے باوجود خطبۃ الوداع والے دن تک عباسؓ بن عبدالمطلب سود دیتے تھے اور لیتے تھے، جس کو رسول اللہؐ نے منع کیا۔ Why? No contradiction in Islam. No contradiction in the deeds and the sayings of Prophet... یہ غور طلب بات ہے۔

اسلام اس وقت تک کسی قانون کو change نہیں کرتا جب تک متبادل قانون نہیں دے دیتا۔ چونکہ اسلام نیا تھا، معیشت ابھی establish نہ ہوئی تھی، معاشرت قائم نہ ہوئی تھی، ابھی مدینہ centre نہ بنا تھا یا بن رہا تھا، نبوت قائم تھی، احکام اتر رہے تھے، مسلمان بدل رہے تھے، زکوٰۃ اور صدقات کے نظام جاری ہو رہے تھے، مگر پوری طرح جاری نہ ہوئے تھے۔ جب دونوں نظام پوری طرح جاری ہو گئے اور اللہ کے رسول ﷺ کو یقین ہو گیا کہ اب سود کی کوئی ضرورت نہیں رہی تو آپ نے forceably اس کو خطبۃ الوداع والے دن بند کیا۔

اگر آپ نے سودی نظام کو بدلنا ہے تو صدقات کا نظام لے آؤ۔ چھ ارب کے فنڈ سے ایک بینک قائم کرلو، جس کا نام صدقات بینک ہو۔ اس میں آپ لاکھوں لوگ ملازم کرلو۔ صدقات سے ان کو pay دو۔ اس کے بعد قرض والوں کو اس میں سے قرض دو، صرف ایک شرط لگا دو کہ اگر نفع ہو تو ہمیں اصل تھوڑے سے نفع کے ساتھ واپس کر دینا، اگر نفع نہ ہو تو اصل واپس کر دینا۔ نقصان ہو جائے تو اللہ کیلئے دیئے ہوئے صدقات واپس لینے کیلئے نہیں ہوتے۔

آپ سوچ سکتے ہو کہ پاکستان میں ہر سال ستّر ارب کے صدقات بنتے ہیں۔ اگر پاکستان میں صدقات کا نظام قائم ہو جائے تو تین سالوں کے اندر اندر سود کا نام ونشان تک نہ رہے کیونکہ صدقات واپس لینے کیلئے نہیں ہوتے۔ آپ کہو گے کہ لوگ پیسے لیں گے، کھا جائیں گے، لوگ قرض لے کر واپس نہیں دیں گے، نہ دیں...... کیونکہ صدقات کا نظام پیچھے سے باقی رہتا ہے۔ صدقات والوں نے آپ سے پیسے لے کر نظام نہیں چلانا۔ صدقات وہ نظام ہے جہاں flow of money natural ہے، رضا کارانہ ہے اور یہ قیامت تک نہیں رک سکتا۔ اگر تم مسلمان ہو تو یہ آتے جائیں گے...... رکیں گے نہیں...... ایک وقت آئے گا کہ امت responsible ہو جائے گی۔ ایک وقت آئے گا کہ لینے والا آ کر آپ کو کہے گا کہ دس ہزار قرض لیا تھا، یہ اپنا صدقہ واپس لے لو، کسی اور بھائی کے کام آ جائے گا۔ ایک وقت آئے گا کہ مدینے کی فضا قائم ہو گی، تم زکوٰۃ لے کر نکلو گے مگر لوگ کہیں گے، ہم خوشحال ہیں، اللہ کا فضل ہے، ہم اپنا کام کاج کر رہے

ہیں۔ بزنس پراگریس کرے گی، jobs ملیں گی، ہر چیز ہوگی مگر ابھی تو secular نظام کو اپنی کچھ خواہشات پوری کر لینے دو۔ ابھی تو یورپی تجربات ہی ختم نہیں ہوئے۔ جب یہ احمقانہ یورپی تجربات ختم ہوں گے تو اسلام کی باری آئے گی...... ہمیں اپنی کسی چیز پر اعتماد ہوگا تو ہمیں یقین آئے گا۔

آپ کو پتہ ہے کہ یورپ میں دو بڑے انقلاب آئے ہیں۔ انقلاب فرانس اور انقلاب روس...... دونوں بھوک اور افلاس کی وجہ سے آئے ہیں۔ انیسویں صدی میں فرانس اور روس میں Proletariat اور Bourgeoisie امراء کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسلام میں کیوں نہیں mass revolution آیا؟ آج تک نہیں آیا کہ سارے مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے ہوں۔ اس کی وجہ زکوٰۃ اور صدقات کے نظام تھے۔ Individual incidents کو چھوڑ دیجئے مگر مسلم امت، مسلم نظام اتنا پائیدار نظامِ صدقات ہے کہ آج بھی کوئی بدترین مسلمان بھی اپنے ہمسائے سے غافل نہیں رہتا اور اگر میرا ہمسایہ اور میرے ہمسائے کا ہمسایہ...... اور یہ ہاتھوں میں ہاتھوں کی زنجیر...... اور یہ ہمسائیگی کا تسلسل جاری رہا تو مسلم معاشرے میں کوئی survival کی limit کو کراس نہیں کرتا، کوئی بھوک سے نہیں مرتا۔ اگر مرے گا تو secular زمانے میں مرے گا۔ اسلام کے زمانے میں نہیں مرے گا۔

آخر میں میری یہاں درخواست ہے کہ جب بھی اللہ کو مانو، مذہب کو مانو، تو اس کو مفروضے کی طرح نہ مانو۔ Islam doesn't need us. We need Islam. اس مضبوط ترین constructive philosophy کے سامنے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹھہرتی۔ اب بھی نہیں ٹھہرے گی۔ اے کاش! کہ ہم بھاگنے والوں میں سے نہ ہوں اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب سے خوبصورت دعا وہ ہے جو انجام سے متعلق ہو:

" اَللّٰھُمَّ ثَبِّت قَلبِی عَلٰی دِینِنَا "(حدیث نبوی)

اے اللہ ہمیں لحہء آخر تک اپنی committment پر قائم رکھ، دین کے ساتھ، اپنے ساتھ......

بلاعنوان

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰناً نَّصِیْراً

خواتین وحضرات! آفتابِ حیات کو گہن لگ چکا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث جو ہم تک پہنچی، یہ حدیث نہیں معجزہ ہے۔ اس حدیث کے تین حصے پورے ہو چکے اور چوتھے کا زمانہ ہمارے نصیب میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تم شاہانِ کسریٰ سے جنگ کرو گے اور ان پر غالب آؤ گے۔ پھر فرمایا: اے سراقہ! تیرا کیا حال ہوگا۔ جب تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے زمانے میں جب مدائن فتح ہوا، کسریٰ کے کنگن آئے، اصحابِ رسول ﷺ برسات کی طرح روئے، سراقہ کو بلایا گیا، حضرت عمر بن خطابؓ نے وہ کنگن ان کے ہاتھ میں پہنائے اور فرمایا کہ ربِ کریم کے رسول ﷺ کا فرمان آج پورا ہو گیا۔ پھر فرمایا: ''اے میری امت کے لوگو! تم قیاصرہء روم سے جنگ کرو گے اور ان پر غالب آؤ گے''۔ یرموک کی فیصلہ کن جنگ ہوئی اور مسلمانوں نے Eastern Church اور روما کی Eastern Empire کو مڈل ایسٹ تک وسعت دے دی۔ پھر فرمایا: اے میری امت کے لوگو! تم ان لوگوں سے لڑو گے جن کے چہرے چپٹی ڈھال جیسے ہوں گے اور جن کے جوتے چمڑے کے تسموں سے بندھے ہوں گے اور تم ان پر بھی غالب آؤ گے۔ منگولوں کے حملے، بغداد کی تباہی، دمشق کے محاصرے، انکا رخصت ہونا، پھر معرکہء عینِ جالوت میں سلطان رکن الدین بیبرس، امام ابنِ تیمیہ اور، سلطان علاؤالدین کا اسلامی مملکت میں اتحاد اور پھر ایک فیصلہ کن جنگ میں جسے معرکہء عینِ جالوت کہتے ہیں، اس میں منگول ہمیشہ کے لئے فنا ہو گئے، نہ صرف فنا ہوئے بلکہ پھر اس غلبہء اسلام سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اس یورش نے مغلوں اور تاتاریوں کو مسلمان بنا دیا اور مدتوں اقبال کا یہ شعر اسی کے مصداق ہے:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

خواتین وحضرات! پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ زمانہء آخر میں تم لوگ دجال سے

جنگ کرو گے اور اس پر غالب آؤ گے۔ بڑے نصیب کی بات ہے کہ کرب و بلا کے اس دور میں جبکہ ہم احساس کمتری میں، ذلت وعسرت کے احساس میں پس رہے ہیں، جب ہم اپنے مقدرات کو اتنا مغلوب پاتے ہیں کہ ہمارے دل میں ایک بنیادی خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ عصرِ مغرب، کیا یہ بلند و بالا عمارات کے مالک، کیا یہ ٹیکنالوجی اور specification of sciences کے masters کبھی امت مسلمہ کو دوبارہ سر اُٹھانے دیں گے کہ نہیں؟

خواتین وحضرات! اسلام زمانے میں کبھی مغلوب نہیں ہوا، آج بھی نہیں ہے، لیکن مسلمان مغلوب ہیں۔ اقبال کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں نے کبھی بھی اسلام کی مدد نہیں کی۔ یہ اسلام ہی ہے جو ہمیشہ مسلمانوں کی مدد کرتا ہے۔ اللہ بھی سچا ہے اسکا رسُول ﷺ بھی سچا ہے اور ہم نے یہ کتاب میں لکھ دیا ہے کہ میں، میرا رسُول ﷺ اور مومنین ہمیشہ غالب رہیں گے مگر ہم غالب نہیں ہیں، اگر ہم غالب نہیں ہیں تو ہمیں کتاب اللہ میں خدا کے دیئے ہوئے اس وعدے کو یا شک سے دیکھنا ہوگا یا یقین سے۔ اگر اللہ سچا ہے تو ہم اس بات کو جاننے کے حقدار ہیں کہ ہم صاحبِ ایمان نہیں ہیں۔ ”وَلَا تَهِنُو وَلَا تَحزَنُوا“ ہماری یاد میں سستی نہ کرنا، ہمارے احکامات کو ٹالتے نہ رہنا، ہمیں اس مجبور کی طرح مت استعمال کرنا جو تمام دنیوی اسباب کو استعمال کرنے کے بعد جب کوئی راہ فرار نہیں پاتا، کوئی راہ گزر نہیں دیکھتا، تو مجبوراً تصوّرِ خدا کو اپناتا ہے اور اگر اس کی آرزو پوری ہو جائے تو کہتا ہے کہ ٹھیک ہے بھئی! کوئی خدا ہے اور اگر پوری نہ ہو تو اسکا ارشاد ہوتا ہے کہ دیکھ لیا ہے کہ کوئی خدا بھی ہے۔

خواتین وحضرات! یہ ایمان نہیں ہے۔ اللہ قرآن میں اہل کفر کو طعنہ دیتا ہے کہ اگر تم عقل وشعور رکھتے، اگر تمہارے اندر کوئی ذہانت کا بیج ہوتا، تم اپنے آپ کو دانا سمجھتے، سیانا سمجھتے، اے اہل کفر! اگر تم شعور رکھتے اور خدا کی دی ہوئی اس نعمت کو بجا استعمال کرتے تو پھر یقیناً تم اپنے آباؤ اجداد کے کفر کو ترک کر کے مجھے قبول کر لیتے۔ پورے قرآن حکیم میں اللہ blind faith کا مخالف نظر آتا ہے۔ اندھا دھند اعتقاد کا مخالف نظر آتا ہے۔ رسم ورواج میں لپٹے ہوئے مذہب کے کفن سے وہ بہت بیزار ہے، جس کو کوئی شخص اپنا ذاتی شعور نہیں دیتا۔ وہ نعمتِ خداوند، وہ احساس ترجیح، وہ عقل جو اللہ نے اپنے لئے دی تھی ...... اور جب اللہ نے عقل کو تخلیق کیا تو کہا کہ مجھے میرے سامنے چل کر دکھا۔ وہ چلی، تو خدا نے ناز کیا اپنی تخلیق پر کہ میں نے کیا خوبصورت شے تخلیق کی ہے......! پھر اسے امانت کے طور پر سنبھال کر رکھ لیا۔ پھر اس نعمتِ عظمیٰ کو، اس دولتِ

عقل وشعور کو زمین اور زمین کی مخلوقات کو پیش کیا۔ آسمانوں اور آسمانوں کی مخلوقات کو پیش کیا۔ ہر پرند و چرند کو پیش کیا۔

"اِنَّا عَرَضنَا الاَ مَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَالجِبَالِ"

(بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر۔)

مگر ایک احساس زیاں، ایک خوف تھا جو کہتا تھا کہ اگر اس دولتِ عظیم کا صحیح استعمال نہ کیا تو جو ایک عذاب ہے اللہ کا وہ ہم پر نازل ہوگا:

"فَاَبَینَ اَن یَّحمِلنَھَا وَاَشفَقنَ مِنھَا"

مگر وائے حسرتِ انسان......! کہ تکبرِ ذات کی خواہش، جنونِ حکمرانی کی خواہش، دولت و عزت اور سرکردگی مخلوق کی خواہش، مرجع کائنات بننے کی خواہش نے آگے بڑھ کر اس دولتِ عظیم کو اٹھا لیا۔ سوچا کہ عقل ہے تو خدا کا پہچاننا کیا مشکل ہے؟ بزعم خود اس نے یہ سمجھا کہ اگر یہ دولت میرے پاس ہوگی تو کیا میں اپنے اللہ کو بھی نہ جان سکوں گا؟ یہ تو بڑی معمولی سی بات ہے مگر خداوندِ کریم نے فتویٰ عالمانہ صادر فرمایا:

"اِنَّہٗ کَانَ ظَلُومًا جَھُولاً"

(بے شک وہ ظالم تھا، جاہل تھا۔)

یہ وہ انسان ہے کہ جس کی پہلی خطا یہ ہے کہ اپنے آپ کو over-estimate کر گیا اور job کو under-estimate کر گیا۔ یہ ظلم اور یہ جہالت انسان میں پہلے دن سے تھی۔ آج بھی اگر خدا کے اس reference کو دیکھیں تو سات ارب انسانوں میں سے کتنے لوگ ہیں جو خدا کو مانتے ہیں؟ کتنے لوگ ہیں جو خدا کو ماننے کے باوجود اسے اپنا symbol of accountability سمجھتے ہیں؟ پروردگارِ عالم نے عقل کی صرف ایک ترجیح مقرر کی ہے: نہ دولتِ دنیا، نہ اسبابِ دنیا، نہ طریقِ حکمرانی، نہ سیادتِ کلی، نہ جن وانس پر اسکا غلبہ......صرف ایک priority پوری عقل کی متعین کی:

"ھَل اَتٰی عَلَی الاِنسَانِ حِینٌ مِّنَ الدَّھرِ لَم یَکُن شَیئاً مَّذکُوراً"

اے کم بخت انسان! اے بد بخت! اے کمزور! تُو تو اس قابل بھی نہ تھا کہ کوئی قابلِ ذکر مخلوق ہوتا۔۔۔ اے انسان زمانے میں مدتوں تُو ایسے رہا کہ کوئی قابلِ ذکر شے نہ تھا، تُو کائی تھا، تُو algae تھا، تُو کسی درخت سے چمٹی ہوئی جڑ تھا یا کسی سمندر کے کنارے جمی ہوئی کائی تھا، تیرا کوئی

وجود نہ تھا تو ایک single cell تھا جس کی پہچان تک ممکن نہ تھی، ایک amoeba کی طرح تھا، ایک singular cell، ایک تنہا واحد حقیقت جسکے ارد گرد اس کی پہچان موجود نہ تھی۔ پھر خداوند کریم نے فرمایا کہ ہم نے چاہا کہ اسے آگے بڑھائیں، اسے عزت و برکت سے آشنا کریں۔ ہم نے چاہا کہ اس کے واحد سیل کا تسلسل توڑ دیں:

" اِنَّا خَلَقْنَا الِانْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ " ہم نے اس کا نطفہ مخلوط کر دیا، ہم نے اب اسے double cellular کر دیا، ہم نے اسے female اور male میں ڈھال دیا۔ اب اسکی single cell کی stage چلی گئی مگر کیا اب وہ اس قابل تھا؟ ابھی نہیں...... نَبْتَلِیْهِ میں نے چاہا کہ اس مخلوق کو اور آگے بڑھاؤں، اس کو اقتدارِ زندگی بخشوں وَ جَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا م بَصِيْراً . ہم نے اسے سماعت کے نظام بخشے، ہم نے اسے بصارت کے نظام بخشے، ہم نے دوسروں سے اسے complicated کر دیا۔

یہ وہ انسان نہیں تھا جسے biology تقسیم کرتی ہے۔ آج کے سب سے بڑے حیاتیات کے مفکر کا بھی یہ اعلان ہے کہ میں مرتے وقت یہ اقرار کر رہا ہوں کہ چیزوں میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ genetics کے سب سے بڑے سائنس دان...... کا یہ اعتراف ہے کہ روزِ ازل سے جو gene جیسا چلا آ رہا ہے، آج بھی ویسے ہی ہے۔ ان میں کوئی mutational effect نہیں ہوا۔ کوئی بھی چمپینزی چھ ارب سال میں انسان نہیں بنا۔ کوئی تغیر واقع نہیں ہوا اور یہ حضرتِ انسان آپ biologically تقسیم کر کے vertebrates میں رکھتے ہو، sub-phylums اور phylums میں رکھتے ہو، Homo-saapiens میں رکھتے ہو، یہی انسان اس وقت بھی تھا جب یہ کائی کی شکل میں تھا اور وہ انسان آج بھی وہی ہے اور اس عرصۂ دہر میں، اتنے طویل عرصہء حیات میں، اس کے gene میں کوئی فرق نہیں پڑا مگر ایک چیز میں فرق پڑ گیا ہے۔ ایک بہت بڑی چیز میں فرق پڑ گیا ہے کہ اس کے احساسِ ترجیحات میں فرق پڑ گیا ہے۔ اس کی priorities بدل گئیں۔ جس کام کے لیئے خدا نے اسے معزز کیا، جس کام کے لیئے اس کے ذہن کو وسعت دی، جسکی وجہ سے یہ مسجودِ ملائک ٹھہرا، وہ وجہ یہ بھول گیا:

" اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِراً وَّ اِمَّا كَفُوْراً "

جب یہ مرحلہء زندگی سے گزرا، Homo-sapiens کی stage تک پہنچا اور Homo-erectus کی stage سے گزرا، Homo-habilus کی stage پر

آیا، یہ چالاک انسان، یہ جنگلی اور وحشی انسان جب عقل پا گیا، جب خدا کے حضور سے اسے آدمیت عطا ہوئی اور جب کائنات بالا میں ایک نیا ڈرامہ چل رہا تھا۔ جب آدم کی روح تخلیق ہو رہی تھی، اس کی جنسیت ابھی بیدار نہیں ہوئی تھی۔ اس میں ابھی کوئی ایسا instrument نہیں تھا کہ وہ زمین پر آ کر ٹھہرتا۔ پھر شیطان رجیم اور ملائکہ محترم دونوں نے اسکا شکوہ شکائت کی، جب اللہ نے اس مخلوق کے بارے میں کہا کہ میں اس انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض بناؤں گا، تو اس وقت ان کے پاس کوئی prototype نہیں تھا۔ ان کے پاس نیچے دو بلین سالوں سے جنگ و جدل اور کشت و خون میں مصروف انسان کا image تھا۔ اس انسان کے image کو دیکھ کر ملائکہ نے کہا کہ اے مالک و کریم! ہم عبادت گزار، صبح و شام تیرا نام کہنے والے، ہر وقت تیری اطاعت میں ایستادہ ہیں، ہمیں چھوڑ کر تُو اس جنگلی، وحشی اور غیر مہذب انسان کو آدم بنائے گا؟ اشرف المخلوقات بنائے گا؟ اسے اتنا بڑا رتبہ دے گا؟

" قَالَ اِنِّی اَعْلَمُ مَالَا تَعلَمُونَ " (البقرة 30:2)

(کہا مجھے معلوم ہے وہ، جو تم نہیں جانتے۔)

بہت بڑا استاد ہے پروردگارِ عالم...... اس کائناتِ علم کا سب سے پہلا استاد اللہ ہے۔ جبراً کوئی چیز نہیں سکھاتا۔ جبراً کسی چیز کو پرفارم کرنے کے لیئے نہیں کہتا۔ اُس عالمِ کائنات کا یہ اصول ہے کہ ملائکہ کو جھاڑا نہیں، شیطان کو بھی نہیں جھاڑا۔ ان کو point of difference بتایا۔ سب کو بلایا اور کہا:

دیکھو تم جس انسان کے بارے میں شبہ کر رہے ہو اُس کو میں چند اسماء کی تختی دیتا ہوں، تم بھی لے لو۔ تم کو اس کے make up کا پتہ نہیں ہے۔ تمہیں اس کی تخلیق کے زائد عناصر کا نہیں پتہ۔ تمہارا شبہ جائز ہو سکتا ہے مگر امتحان لے لو۔ اپنا بھی لے لو، اس کا بھی لے لو۔

"ثُمَّ عَرَضَهُم عَلَى الْمَلَٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنبِئُونِی بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُم صٰدِقِیْنَ (البقرة 31:2)

جو تختی انسان کو پڑھائی، وہی تختی ملائکہ کو بھی پڑھائی۔ مدتیں گزر گئیں، اشارے سے زبان تک آتے ہوئے تین میلینیم لگے، بیس ہزار سال لگے۔ اشارہ زبان میں convert ہوتا ہے، دس بیس ہزار سال کے اس وقفے کے بعد ملائکہ کو اپنے علم کی استعداد کا اندازہ ہوا۔ وہ artificial intelligence کے مالک تھے۔ فرمایا: "پروردگار ہمیں علم نہیں۔"

" قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا "

(بولے پاک ہے تُو ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تُو نے ہمیں سکھایا۔)

ہمیں اس سے زیادہ کوئی علم نہیں کہ جتنا تُو عطا کرے۔ ہم تو computers ہیں، جتنا تُو feed کر دے۔ ہم میں کوئی ایسی assimilation ہے ہی نہیں۔ ہم میں progeny نہیں ہے، ماضی نہیں ہے، مستقبل نہیں ہے۔ ہمیں تو کوئی چیز gather کرنی نہیں آتی، ہم تو اپنی اولاد کو کچھ convey نہیں کر سکتے۔ مگر انسان کی ایک memory ہے، ایک تخلیق ہے، ایک معیارِ تنفس ہے۔ اس میں ایک prototype of matter موجود تھا، retention موجود تھی، generations کو carry کرنے والا علم موجود تھا، اس کے اندر ایک اندازِ تخلیق موجود تھا۔ کہا کہ اے پروردگار! ہم اس دعویٰ سے باز آئے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہم سیدھے سادے سے کمپیوٹر ہیں۔ ہمیں تو اس سے زیادہ کچھ پتہ نہیں جتنا تو ہمیں بتا دے اور ہم معافی چاہتے ہیں اس گستاخی پر جو ہم نے تیری تخلیق کے بارے میں کی اور اللہ نے کہا: ''اے آدم! تو بتا، تُو نے ان حروف کا کیا کیا''؟

" قَالَ یٰاٰدَمُ اَنْبِئْهُم بِاَ سمَآ ئِهِم فَلَمَّا اَنْبَاَ هُم بِاَسْمَآ ئِهِم فَلَمَّا اَنبَاَ هُم بِاَسْمَآ ئِهِم"

(فرمایا: اے آدم بتا دے انہیں سب کے نام......)

اُس نے فَر فَر سنائے، ہر چیز کے نام رکھے، ہر چیز کی تشخیص بتائی، ہر چیز کے مقاصد ڈھونڈ لیے۔ ایک تختی سے اس نے جہانِ معانی تخلیق کر لیا تھا۔ پروردگار نے فرمایا:

" قَالَ اَلَم اَقُل لَّكُم ......"

میں نہ کہتا تھا، میں نہ جانتا تھا کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے:

" اِنِّی اَعلَمُ غَیبَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَاَعلَمُ مَا تُبدُونَ وَمَا کُنتُم تَکتُمُونَ "(البقرۃ 2:33)

میں نہ کہتا تھا، میں نہ جانتا تھا کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے؟ کیا مجھے نہیں پتہ تھا؟ مجھے پتہ تھا کہ میں نے انسانوں کو کیا وصف بخشا ہے؟ " اِنَّا هَدَ ینهُ السَّبِیلَ ". مگر وہ بہت بڑا استاد ہے۔ کوئی جبر نہیں کرتا۔

شیخ ہجویریؒ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ نے انسانوں کو کیوں اتنی بڑی مصیبت میں ڈال دیا۔ رخِ زیبا کو کیوں نہ آشکار کر دیا۔ قیامت کے دن جو اس کے نور سے زمین چمکے گی تو اس نے پہلے ہی کیوں نہ ایسا کر دیا؟ وَاَشرَقَتِ الاَرضُ بِنُورِ رَبِّهَا (الزمر 39:69)

فرمایا: ''اگر اللہ ظاہر ہو جاتا تو ایمان جبر ہو جاتا، اس کی تسلیم جبر ہو جاتی، اور انسان ایسا ہے، شیطان ایسا ہے۔ خدا کے سامنے بھی خطا کر سکتا تھا اور آدم نے یہ خطا کی۔ حضرتِ شیخ نے فرمایا کہ اگر خدا روپوش نہ ہوتا تو پھر دین ایک ایسی حجت ہوتا کہ جس کے بعد کسی انسان کا اپنے مؤقف پر قائم رہنا

اور اس کی تصدیق سے پیچھے ہٹنا اس کے لیئے مکمل جہنم کا باعث بنتا اور نجات کی کوئی صورت اس کے پاس نہ ہوتی۔" خدا کا غیاب میں جانا اس کی رحمت کا ایک نشان ہے۔ خدا کا اپنے آپ کو چھپا لینا آپ کے اس دعوے کو حوصلہ دیتا ہے کہ خدا کو کسی نے دیکھا ہے؟ کیسے مانیں؟ کیسے جان لیں؟

پانچ اعتراض ہیں اللہ کی ذات پر...... خدا اسباب سے کم پہچانا جاتا ہے، اعتراض سے زیادہ پہچانا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حوصلہ افزائی فرمائی شک کی اور کہا کہ اعتبار کرنے سے پہلے، ایمان لانے سے پہلے اپنے شکوک ضرور بتاؤ اور یہ کتابِ حکیم کو جاتے ہیں۔ اگر تمہیں شبہ ہے کہ خدا غلطی کر سکتا ہے تو یہ جو کتاب ہے اس کی پہلی آیت کو ضرور توجہ سے پڑھو:

" ذٰلِکَ الکِتٰبُ لَا رَیبَ فِیہِ " (البقرة 2:2)

(اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے۔)

اگر ہے تو نکالو......!! اگر خدا کو کہیں غلط ثابت کر سکتے ہو تو ضرور کرو، کیونکہ خواتین وحضرات ایک اصول غیر متغیر ہے۔ انسان ہزار غلطی کر کے بھی انسان رہتا ہے اور اللہ اگر ایک غلطی بھی کرے تو اللہ نہیں رہتا۔ اگر تمہارے پاس جراَتِ خیال ہے، اگر تمہارے پاس ذہانتیں ہیں، چاہے وہ ہیگل اور کانٹ اور برگساں کی ذہانتیں ہوں، چاہے وائٹ ہیڈ اور رسل کی ذہانتیں ہوں، مگر اے دانش ورانِ عصر! اگر خدا پر اعتراض کرنا ہے تو کرو، مگر صرف ایک کام کرنا کہ جو اللہ کا data ہے، یہ جو قرآن دعویٰ کر رہا ہے کہ میں "کتاب اللہ" ہوں...... اس کی کسی آیت کو غلط ثابت کرنا...... کتنا مشکل ہے خدا پر یقین کرنا اور کتنا آسان ہے اس سے آزاد ہو جانا۔ ایک غلطی قرآن میں سے اللہ کی نکال لو، آپ آزاد ہو جاؤ گے کیونکہ غلطی کرنے والا آپ کا خدا نہیں ہو سکتا۔ ایک بھی غلطی کرنے والا...... semantics آئے، sceptics آئے، logical positivists آئے، communists socialists آئے مگر خواتین وحضرات! ان کے علم کی استعداد کی ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ بڑا فرق ہے زمین و آسمان میں...... جو شخص اپنے پیغمبر کے علم کو حقیر جانتا ہے یا اس پر سوال کرے کہ پیغمبر کو کیا آتا ہے؟ اور آپ نے تمام حقیقتِ زندگی اسی کے قولِ مبارک سے سیکھی ہو، اسکا ایمان کیسے سلامت رہ سکتا ہے۔ دیکھیئے کہ برٹرینڈ رسل کیا کہتا ہے؟ We only know the relationships of things. We do not know the nature of things ہمیں صرف اشیاء کے آپس میں تعلق کا علم ہے ہمیں اشیاء کی حقیقت کا علم نہیں ہے۔ پھر وہ کہتا ہے: When we hit a wall there

is no wall there is no fist. It is a mad dance of electrons and protons یہ تو الیکٹران اور پروٹان کا ایک دیوانہ پن ہے، اُچھل کود ہے۔ اگر واقعی مُکّا دیوار کو جا لگے تو chain reaction سے ساری کائنات تباہ ہو جائے اور یہ صرف زمینی حقائق کیلیے ہیں۔

خواتین و حضرات! بظاہر pure scientific knowledge آپ کو یہ message دے رہے ہیں کہ Whatever we see and understand is wrong. We don't know the nature of things اور محمد رسول اللہ ﷺ آپ کو کیا دعا بتا رہے ہیں؟

"اَللّٰھُمَّ نَبِّئنِی بِحَقِیقَتِ الاَشیَآءِ"

(اے میرے مالک و کریم! مجھے اشیاء کی حقیقت و فطرت کا علم عطا فرما۔)

یہ approaches کا فرق ہے، سائنس دان کتابِ تحقیق کے مالک ہیں، قرآن کتابِ تخلیق ہے۔ ان دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ سائنس دان بہت آگے بڑھ کر بھی صرف ان حقائق کو ثابت کر سکتے ہیں جو اللہ نے زمین و آسمان میں قائم کیے ہیں۔

خواتین و حضرات! انصاف کی کہیے کہ جو اللہ آپ کو زمانے کی ابتدا کی خبر دیتا ہے:

"اَوَلَم یَرَالَّذِینَ کَفَرُوا" How dare you deny اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ کَانَتَا رَتقاً فَفَتَقنٰھُمَا. All mass was one, then I tore them apart. ہم نے ان کو پھاڑ کر الگ الگ کر دیا "وَجَعَلنَا مِنَ المَآءِ کُلَّ شَیءٍ حَیٍّ" اور ہم نے تمام زندگی کو پانی سے پیدا کیا۔ یہ تو ہے اللہ، جس نے ابتدائے حیات mention کی...... کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ زمین و آسمان بنانے سے پہلے ربّ کائنات کہاں تھا؟ جب زمین نہ تھی، کائناتیں نہ تھیں، کچھ بھی نہ تھا تو خدا کیا کر رہا تھا؟ وہ کہاں تھا؟ فرمایا: وَکَانَ فِی عَمَاءٍ وہ دھند میں تھا، وہ بادلوں میں تھا، ایسے بادل، ایسا دھواں، جس میں پانی ملا ہوا تھا۔ اس کے اوپر بھی ہوا تھی، اس کے نیچے بھی ہوا تھی۔ وہ بادلوں میں گھرا ہوا تھا۔

"ثُمَّ استَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ" (حٰم السجدہ 11:41)

(پھر آسمان کو بلند ہوا اور وہ دھواں تھا۔)

خواتین و حضرات! cosmology کے سارے کے سارے thesis اٹھا کر دیکھ

لیں۔ایک سوسینتیس thesis میں سے واحد اتفاق اگر کسی thesis پر ہے تو وہ Big Bang ہے کہ "In the beginning heavens and earths were one mass and somebody tore them apart." Allah tore them apart پھر آپ سائنس دانوں سے پوچھو گے کہ اے صاحبانِ تحقیق! کبھی تم نے غور کیا کہ کائنات بننے سے پہلے ہمارے اردگرد کیا تھا؟ تو کہیں گے: ''صدیم'' moisturised gases, بادل تھے، بڑے بڑے بادل جو جمنے شروع ہوئے اور کائناتیں بننا شروع ہو گئیں۔وہ بادلوں کو تخلیق کر رہا تھا، بادلوں سے زمینیں تخلیق کر رہا تھا، کائناتیں تخلیق کر رہا تھا، سیارچے تخلیق کر رہا تھا۔اس نے انجام کی بھی خبر دے دی:

''اَلْقَارِعَةُ ہ مَاالْقَارِعَةُ ہ وَمَآاَدراکَ مَا الْقَارِعَةُ ہ یَومَ یَکُونُ النَّاسُ کَالفَرَاشِ المَبثُوثِ ہ'' (القارعه 101:1-4)

روئی کے گالوں کی طرح پہاڑ اڑ جائیں گے، بکھر جائیں گے، کائنات ریزہ ریزہ ہو جائے گی، پھر زمین پر حساب کتاب کرنے کیلئے پروردگارِ عالم آسمانوں سے نیچے اتریں گے اور اپنے بندوں میں بڑے بڑے جابرانِ وقت سے کلام کریں گے۔فرعون، شداد، نمرود اور ہامان کی طرح کے لوگ اکٹھے کیے جائیں گے اور خدا ان سے ایک بات کہے گا:

''لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَومَ '' (المومن 16:40)

(کس کا ہے یہ ملک......؟)

اے جھوٹے اور ناپائیدار دعویٰ کرنے والو! اے قرض کی تجارت کرنے والو! اپنی زندگی ادھار اور مستعار لے کر اس پر ناز کرنے والو! تم مجھے بتاؤ کہ کس کا ہے یہ ملک......؟ کس کی ہے یہ کائنات......؟ پھر تم جواب دینے کے قابل نہ ہو گے اور وہ خود ہی کہے گا:

''لِلّٰہِ الْوَاحِدِالْقَھَّار '' (المومن 16:40)

(اسی واحد و قہار کا ہے۔)

خواتین و حضرات! جو آغاز کی خبر دیتا ہے، جو انجام کی خبر دیتا ہے۔کیا عجیب بات ہے کہ یورپ کا intellectual کہتا ہے کہ اسے درمیان کی خبر نہیں ہے، اُسے بیسویں اور اکیسویں صدی کی خبر نہیں ہے۔وہ چودھویں صدی کا خدا ہے، اکیسویں کا نہیں ۔ ہمارے بہت شاندار اور بڑے بڑے عالم آج کل ٹی وی پر آ رہے ہیں:

جہلِ خرد نے یہ دن دکھائے
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

ایک موصوف نے ارشاد فرمایا کہ قرآن حکیم local بھی ہوسکتا ہے یعنی کچھ آیات local ہیں، گویا یہ کتنا عذرِ صحیح ہے ہمارے لئے کہ آج کے دن ہم ''پونے'' قرآن سے فارغ ہوسکتے ہیں۔ کچھ ہے ہی نہیں...... فارغ ہی فارغ...... ان عالم صاحب نے ایک بڑی خوبصورت بات ارشاد فرمائی کہ یہ جو یہود و ہنود سے نفرت اور محبت کی بات اللہ نے ارشاد فرمائی کہ وہ تمہارے دوست نہیں ہوسکتے، تو یہ دراصل صرف مدینے کیلئے وقف تھی......

اللہ تعالیٰ بہت مہذب ہے۔ کسی بہت بڑے orientalist کا قول ہے کہ قرآن کی اگر کوئی صفتِ مبارک ہو، نہ ہو، قرآن دنیا کے ہر موضوع پر گفتگو کرتا ہے، مگر اتنا decent ہے کہ کوئی گمان نہیں کرسکتا۔ اتنا decent صرف خدا ہی ہوسکتا ہے۔ آداب و اشراف کا مالک اللہ ہے۔ تلقینِ رشد و ہدایت کا مالک خدا ہے۔ عقل و معرفت کا مالک خدا ہے۔ اس نے اس کی مثال قرآن میں دی ہے۔ اتنا خوبصورت......! جامع کلام، اتنا حسین! نازک ترین موضوعات کی بات کرتا ہے...... بچے کا ذکر کرتا ہے، جسے لہروں...... نے اٹھایا ہوا ہے...... فرمایا: اُسے ڈھانپ لیا جس چیز نے ڈھانپ لیا...... کیا ستار العیوب ہے!...... کیا ادائے ادائیگی ہے......! کیا حسن ہے کلام کا......! فصاحت و بلاغت کا امتزاج ہے:

''وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ'' (بقرة 179:2)

(اے اہلِ عقل غور کرو تو ہم نے قصاص میں زندگی رکھ دی۔)

یہ خدا ہی کہہ سکتا ہے، کوئی orientalist نہیں کہہ سکتا۔ یہ خدا ہی ہوسکتا ہے، جس نے فطرتِ انسان کو مرتب کیا ہے، جس نے انسان کو بنایا ہے، جو mechanic ہے اس کی nature کا...... اتنی خوبصورت اور جامع بات صرف اور صرف اللہ ہی کہہ سکتا ہے۔ اگر ساری انسانیت بھی آج کے دن اکٹھی ہوجائے تو اللہ کی طرف سے اس ایک جملے کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو مارا:

''اَنَّهٗ مَن قَتَلَ نَفسًا بِغَيرِ نَفسٍ اَوْفَسَادٍ فِي الاَرضِ فَكَاَ نَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ط وَمَن اَحيَا هَا فَكَاَنَّمَا اَحيَاالنَّاسَ جَمِيعًا ''(المائدة 32:5)

(جس نے کسی ایک انسان کو قتل کردیا بغیر قصاص کے تو اس نے گویا تمام انسانیت کو قتل کردیا اور

جس نے ایک انسان کو زندہ کیا اُس نے گویا تمام انسانیت کو زندہ کر دیا۔)
آج بھی دنیا کی ہر بڑی سے بڑی میڈیکل یونیورسٹی کے باہر وہی جملہ لکھا ہے جو اللہ نے کہا......
اس جیسا کوئی دوسرا جملہ آج تک کسی انسان سے تخلیق نہ ہو سکا۔

میں آپ سے عرض کر رہا تھا کہ ٹی وی کے ایک معتبر سکالر فرماتے ہیں کہ یہ آیات صرف مدینہ کے لیے ہیں۔ خواتین و حضرات! قرآن situations کو تخلیق نہیں کرتا بلکہ situations قرآن کو واضح کرتی ہیں۔ قرآن فطرتِ انسان پر اترا ہے۔ قرآن واحد کسی شخص یا situation پر نہیں اترا۔ قرآن کے لیے situations create کی گئی ہیں تا کہ اللہ کا کلام آپ پر واضح ہو جائے۔ احد تخلیق کیا گیا، بدر تخلیق کیا گیا، حنین تخلیق کیا گیا تا کہ قرآن کی یہ آیت پوری ہو کہ کبھی تم تھوڑے تھے اور ہم پر ناز کر کے چلتے تھے اور ہم تمہیں فتح یاب کرتے تھے اور آج تم ہمارے بجائے اپنی کثرت پر ناز کر رہے ہو۔ اے اصحابِ رسول ﷺ! تم سے تو یہ غلطی مناسب نہ تھی کہ آج تم اپنی دس ہزار کی طاقت پر ناز کر رہے ہو۔ ہم نے حنین اس لیے تخلیق کی کہ تمہیں بتائیں کہ تم غلط ہو سکتے ہو۔

قرآن کی ہر آیت اپنے باہر کی situation کو explain نہیں کرتی بلکہ باہر کی ہر آیت قرآن کے اندر کی آیات کو explain کرتی ہے اور ابھی تو بے شمار آیاتِ قرآن ہیں جن کے مطابق ابھی تک زمینوں میں وہ situtaions پیدا نہیں ہوئیں جو قرآن کی آیات کو explain کریں مگر خواتین و حضرات! موصوف فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ والی آیات صرف مدینے کے یہودیوں کے لیے مخصوص ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اصل تکلیف کیا ہو سکتی ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہود کا قبلہ کون سا ہے؟ یہود کا قبلہ یروشلم نہیں ہے۔ یروشلم ایک مقررہ مدت تک ان کا قبلہ رہا، پھر ان کو مقدسوں نے خبر دی، ان کے بزرگوں اور ان کے انبیاء نے خبر دی کہ اگر تمہیں دنیا پر غالب آنا ہے تو تمہیں یہاں سے نکل کر یثرب کی بستی میں جانا ہوگا۔ تم یثرب جاؤ گے تو پھر وہاں نبی آخر الزماں کا ظہور ہوگا، پھر اس کی مدد سے تم ساری دنیا پر غالب آؤ گے۔

یہ ایک بنیادی وجہ تھی کہ بنو قریظہ اور خیبر کے یہودی یروشلم کو چھوڑ کر یثرب میں آ کر آباد ہوئے اور اُس نبی آخر الزماں کے ظہور کا انتظار کرنے لگے کہ جس کو لے کر وہ پوری دنیا پر Zionist حکومت کو قائم کریں گے۔ خدا اسکی مثال پھر قرآنِ حکیم میں دیتا ہے اور دو مسئلے اکٹھے ایک آیت میں حل کرتا ہے: یہود کو طعنہ دیتا ہے کہ اے بدبختو! تم وہی ہو ناں، جو میرے بندے،

میرے رسول اور میرے نبی کے آنے سے پہلے اس کے وسیلے سے مجھ سے دعائیں مانگا کرتے تھے، ابھی میرا رسول آیا بھی نہ تھا کہ تم اس کا وسیلہ ڈھونڈتے تھے اور دعائیں مانگا کرتے تھے اور میں قبول کرتا تھا اب جبکہ یہ آ گیا ہے تو تم اس کے مخالف ہو گئے ہو، صرف ایک ہی وجہ سے کہ یہ نبی بنو اسحاق میں سے کیوں نہیں ہے؟ بنو اسرائیل میں کیوں نہیں ہے، اس لیے تم اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے ہو۔ یہ وہ ایک وجہ ہے خواتین وحضرات! کہ قومِ یہود کو یثرب کی آج بھی فکر ہے۔ وہ آپ پر trust نہیں کرتے، وہ ڈرتے ہیں، وہ نبی آخرالزماں کو نبی نہیں مانتے۔ آج بھی انکا خواب مدینہ پر حکومت کرنا ہے اور اسے واپس حاصل کرنا ہے۔ بھلا اُس مذہبی سکالر سے پوچھو کہ جو تمہارے مدینہ کی اتنی فکر کر رہا ہے، وہ کب اپنے تعصّبات کو ترک کر دے گا، وہ کب اپنے خفیہ خیالات کے اظہار کو ترک کر دے گا۔

خواتین وحضرات! ایک مثال یہ ہے کہ تمام چیزیں ایک ہی طرف کو بڑھ رہی ہیں اور وہ آخری حدیث کے اُس آخری حصے کو بڑھ رہی ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمانہء آخر میں میری امت دجال کے خلاف جنگ کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔ اب آپ حیران تو ہوں گے کہ اسرائیل کو کیسے دجال کہا جا سکتا ہے؟ تھوڑا پیچھے جانا پڑے گا۔

مکاشفہء دانیالؑ میں حضرت دانیالؑ اور جبرئیل کی آپس میں گفتگو ہو رہی تھی تو دانیالؑ پوچھتے ہیں کہ یہ جو تم مجھے بار بار دجال سے ڈراتے ہو تو یہ تو بتاؤ کہ یہ ہے کون......؟ اور کیا یہ میری زندگی میں ہے......؟ حضرت جبرئیل نے کہا: اے دانیالؑ! مملکتِ رُس، بحیرہء بالٹک اور پانیوں کے گرد آباد قومیں دجال ہیں۔ یہ پہلی نشانی بتائی۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ یہ وقت آئے گا کب؟ فرمایا: کہ اے دانیال! جب انسان اجرامِ فلکی میں دراندازی کرے گا اور دائمی قربانی منقطع کر دی جائے گی تو دجال کا خروج لازم ہے۔ اس میں بھی پہلا حصہ پورا ہو گیا ہے اور انسان مسلسل اجرامِ فلکی میں دراندازی کر رہا ہے۔ Mars پر پہنچ گیا ہے، چاند کی منزل بھی سر کر لی ہیں۔ آخر میں دانیالؑ نے پوچھا کہ کیا میں اس وقت زندہ ہوں گا؟ فرمایا: نہیں دانیالؑ تُو اس سے بہت پہلے نیکوں میں سوئے گا اور نیکوں میں اٹھایا جائے گا۔ ایک دور......اور ایک دور......اور پھر نصف دور......اس کے بعد اسکا زمانہ ہے۔

خواتین وحضرات! بنظرِ غائر اگر زمانے کی طرف دیکھیں تو آج سے exactly پچیس سو سال پہلے حضرت دانیالؑ کا زمانہ تھا کیونکہ مذہب میں ایک دن ایک ہزار سال

کا ہوتا ہے۔حضرت دانیالؑ کو پچیس سو برس گزر گئے ہیں۔اجرامِ فلکی میں مسلسل دراندازی ہو رہی ہے۔دجال پورے عروج وخروش پر ہے اور حضور ﷺ کی حدیث بھی پوری ہوئی۔فرمایا: زمانۂ آخر میں میری امت کے حکمران دجال کا ساتھ دیں گے۔الحمدللہ ہمیں اُن کی کوئی پرواہ نہیں ہے، ہمیں فخر ہے کہ ہمارے رسول ﷺ کی ایک ایک بات پوری ہو رہی ہے، مجھے فخر یہ ہے کہ میں اس پیغمبر پر یقین رکھتا ہوں کہ جس کا کلام راست بازی کے سوا کبھی کسی چیز سے آشنا نہیں ہوا اور خدا کے فضل وکرم سے وہ بات یقیناً پوری ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمانۂ آخر میں میری امت دجال کے خلاف جہاد کرے گی اور اس پر غالب آئے گی۔

ابونعیم بن حمادؓ نے حمادی میں یہ حدیث نقل فرمائی۔اصل میں زمینی حقائق ایسے دلخراش ہیں، ایسے مایوس اور گمراہ کن ہیں کہ لگتا یہ ہے کہ سینۂ مسلمان خدا سے بالکل ناامید ہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نو میدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

یعنی اللہ سے امید کا ترک کرنا اور غیر اللہ سے امیدیں لگانا، یہ زمینی حقائق ہیں اور بہت سے لوگ جو scientific facts کو بڑی عزت دیتے ہیں، انکا خیال یہ ہے کہ جو قومیں عروج پر ہیں، ان سے ذرا ڈرنا چاہئے، ان کی متابعت کرنی چاہیے مگر خدا کا تو اصول ہی بڑا different ہے۔اُس سے ذرا پہلے کچھ زمینی حقائق دیکھیے کہ جہاد کے لیے چند لوگ نکلے......حضرت ابوموسیٰ اشعری کی یہ حدیث ہے کہ ہم جہاد کے لیے نکلے، ہم سات لوگ تھے، ایک اونٹ تھا۔ہمارے پاس دو نیزے تھے اور باقی لوگوں کے پاس صرف لکڑیاں تھیں اور ہم نے کوشش کر کے انہیں نوکیلا بنایا ہوا تھا۔یہ وقت کی جابر ترین قوتوں کے خلاف، زمینی حقائق کے خلاف، یہ چند ایک آسمانی حقائق کے لوگ نکل رہے تھے۔جب ''شاہنامہ فردوسی'' لکھا گیا اور سلطنتِ فارس کا زوال ہوا تو فردوسی نے بڑے غم سے کہا کہ ٹوٹی تلواروں والے، گوہ اور سوسمار کھانے والے؟......ان بدتمیز عربوں نے فارس کے وارث ساسانیوں کی اتنی بلند مرتبہ سلطنت کو پاؤں تلے روند ڈالا۔پھر وہ کبھی اپنے آبائی شہر نہ گیا۔

چناں خوار شد آلِ ساسانیاں
تف بر تو اے گردشِ آسماں
(کہ تجھ پر افسوس ہے اے آسمان اور لعنت ہے۔)

آپ کبھی آسمان پر لعنت نہ کیجیے گا: لَا تَسُبُّهُ الدَّهرَ " (زمانے کو برا نہ کہنا، زمانہ خدا

ہے۔) جو زمانے کو برا کہتا ہے، وقت کو برا کہتا ہے، وہ خدا کو برا کہتا ہے۔ زمانہ تقدیر ہے، زمانہ اوقاتِ کارِ زندگی ہے، زمانہ نسلِ انسان کی استعداد ہے، اس کے فرائض ہیں اور یہ سارا کام پچاس ہزار سال پہلے نسلِ انسان کو اور زمین کو تخلیق کرنے سے پہلے اللہ نے لکھ دیا تھا، جسے لوحِ محفوظ کہتے ہیں اور لکھنے کے بعد جو زمانے کو برا کہے گا، وہ لوحِ محفوظ کو برا کہے گا اور جو لوحِ محفوظ کو برا کہے گا وہ لوح محفوظ کے خالق کو برا کہے گا۔ یہ غلطی کبھی نہ کیجئے گا کہ زمانہ خراب ہے۔ زمانہ خود اللہ کی تخلیق ہے، اس میں کوئی خطا نہیں۔

خواتین و حضرات! صورتحال یہ ہوئی کہ ابھی تک تو زمینی حقائق کی کوئی مثال ایسی نہیں ہے۔ ابھی تک تو پاکستان کی کبھی کوئی ٹانگ کھینچ رہا ہے، کبھی کوئی کھینچ رہا ہے، کبھی کوئی فوجی کھینچ رہا ہے، کبھی کوئی سیاستدان کھینچ رہا ہے۔ پاکستان جب سے بنا ہے، تب سے لے کر آج تک جو چیز پاکستان کے لوگوں کے سامنے آئی ہے، ہر سال سامنے آئی ہے، ہر مہینے آئی ہے، ہر روز آئی ہے، وہ اس کی sense of insecurity ہے۔ لگتا یہ ہے کہ پورا ملک ذہنی طور پر ایک خوف کا شکار ہے کہ کل ہم ہوں گے یا نہ ہوں گے مگر اس بات کو بہت اچھی طرح سمجھ رکھئے کہ پاکستان کا مقدر بہت پہلے رسول اللہ ؐ کی حدیث میں لکھا گیا ہے۔ حضرت ابونعیم بن حمادؒ نے فرمایا کہ اہلِ ہند کے مسلمان زمانہء آخر میں پہلے اہلِ کفر ہند سے جنگ کریں گے اور ان کے روساء اور امراء کو پابندِ سلاسل کریں گے اور اس کے بعد شام میں مریمؑ کے بیٹے کا ساتھ دیں گے۔ اگر ظاہری حقائق پر جائیں تو بڑی دور کی بات لگتی ہے۔ اب تو ہند تقسیم ہو گیا ہے۔ اب آپ مسلمان ہو اور بنگلہ دیش مسلمان ہے۔ یہ زمانہء آخر میں آپ کا مقدر ہے، جو لکھا گیا ہے۔

آپ حیران تو ہوں گے کہ ہم کتنی دور تک کسی کا غم کر سکتے ہیں۔ میں اپنے باپ کا غم کر سکتا ہوں، دادا کا غم کر سکتا ہوں، بچے کا کر سکتا ہوں، پوتے کا کر سکتا ہوں۔ چلو اگر میری زندگی میں پڑپوتا ہوا تو اسکا غم کر لوں گا مگر میں اپنی ساتویں نسل کا کیسے غم کر سکتا ہوں؟ دسویں کا کیسے کر سکتا ہوں؟ ایک آپ کا پیغمبر ہے کہ آپ کے خیر اور عافیت کا اتنا شائق ہے، اتنا شائق ہے کہ قرآن اسے حریص کہتا ہے۔ اللہ کو کوئی positive لفظ ہی نہیں ملا۔ کسی مثبت لفظ میں اتنی طاقت ہی نہ تھی کہ امت کیلئے جذبہء محبتِ رسول کو بیان کر سکتا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا اپنی امت کیلئے محبت کا وہ جذبہ تھا کہ اس کو کوئی positive لفظ سمیٹ ہی نہ سکتا تھا اس لئے خدا کو "حریص" کا لفظ استعمال کرنا پڑا کہ وہ اتنا چاہتے ہیں اپنی امت کو......

ذرا غور کیجئے اور فرق محسوس کیجئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ معراج کو جا رہے تھے..... نماز فرض ہوگئی۔ کچھ محبتِ یار کے بوکھلائے ہوئے..... اپنی محبتِ ذات سے بھی کچھ پریشان حال..... کچھ حضورِ یزداں..... پہلی پہلی ملاقات..... پلٹتے ہیں..... کچھ حواس ایسے ہیں کہ کچھ یاد نہیں رہتا کہ کیا کہا ہے، تو موسیٰؑ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ! آپ کی امت پانچ سو نمازیں کیسے پڑھے گی؟ تب خیال آیا کہ میری امت تو واقعی بڑی کمزور ہے۔ پھر پلٹتے ہیں اور پچاس لے کر آتے ہیں حتیٰ کہ پانچ لے کر آتے ہیں۔ جب پانچ لیکر آتے ہیں تو موسیٰؑ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بڑا تجربہ ہے اپنی قوم کا..... آپ لوگ تو یہود کو بڑے عقل مند کہتے ہو ناں، بڑے دانش ور کہتے ہو، آئن سٹائن کے reference دیتے ہو کہ اس سے بڑا دانش ور اس صدی میں اور کوئی نہیں مگر یہود کا پیغمبر کیا کہتا ہے۔؟ موسیٰؑ جو ان کو جاننے والے ہیں، وہ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ''اَعُوذُ بِاللہِ اَن اَکُونَ مِنَ الجٰھِلِین'' اے مالک و کریم! میں ان جاہلوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ یہ اتنے بڑے بڑے جاہل ہیں کہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتے کہ کیا کر رہے ہیں......

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندی کردہ یم

بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش (حافظ)

(عین سمندر کے بیچوں بیچ تختے پر تو نے مجھے بٹھا دیا ہے، پھر بھی تو یہ چاہتا ہے کہ میرا لباس تر نہ ہو، میں بھیگوں نہیں۔)

آپ غور کیجئے کہ معمولی سی عقل رکھنے والا بھی جو ہوگا وہ کہے گا کہ میرے اردگرد سیلاب لگا ہوا ہے مسلمانوں کا..... آج نہیں تو کل، کبھی تو یہ طاقت ور ہوں گے، انہوں نے میرا ذرہ ذرہ لے لینا ہے، میری ہستی کو ریزہ ریزہ کر دینا ہے۔ یہ زمینی حقائق ہیں۔۔۔ کہاں تک بچے گا؟ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی؟ یہ دو چار قتل کرنے سے، دو چار بمباریوں سے مسلمان تو نہیں مر جائیں گے۔ یہ کہاں تک بچیں گے؟ یہ دو چار کروڑ یہودی......؟ انکا تو انجام وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا کہ ایک ایک قتل ہوگا سوائے غرقد کے درخت جو اسے پناہ دیں گے۔ یہود نظر نہیں آتا، زمینی حقائق کے تحت بھی نظر نہیں آتا۔ امریکہ کو پہنچنے میں بڑی دیر لگے گی۔ ابھی آپ کے سامنے حقائق ہیں کہ ایک چھوٹے سے گروہ کی مزاحمت نے اسے بے بس کر کے رکھ دیا ہے، ابھی تو بہت بڑے بڑے معرکے سامنے ہیں، ابھی تو زمینی حقائق بڑے انوکھے انداز میں ابھریں گے۔

خواتین و حضرات! اصولاً اللہ کے رسول ﷺ تیسری مرتبہ لوٹ کر ارشاد فرما رہے

ہیں کہ اے موسیٰؑ ! اب نہیں۔ پ۔ اب بار بار تخفیف کراتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ پانچ نمازیں ٹھیک ہیں، مجھے امید ہے میں پڑھ لوں گا۔۔۔ میری امت پڑھ لے گی، لیکن خواتین و حضرات! قیامت کے دن ایسا نہیں ہوگا، شفاعت کے دن ایسا نہیں ہوگا۔ قیامت کے دن پیغمبر کو بلایا جائے گا، کہا جائے گا کہ اے محمد ﷺ! ہم نے آپ سے وعدہ کیا تھا آپ کی امت کی شفاعت کا...... ایک دفعہ...... دو دفعہ...... تین دفعہ...... وہاں نہیں، حجاب کریں گے، بار بار جائیں گے۔ اللہ کہے گا کہ اے میرے رسول ﷺ! یہ حدیثِ قدسی ہے، بخاری اور مسلم میں ہے کہ ہم نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم آپ کو ناراض نہیں رہنے دیں گے۔ ہم آپ کی مکمل امت کی شفاعت قبول فرمائیں گے۔ اے میرے رسولؐ! اب واقعی کوئی جہنم میں ایسا موجود نہیں ہے، جو آپ کی امت میں سے ہو مگر وہ کہ جسے کتاب نے روک رکھا ہو۔ خواتین و حضرات! اللہ میاں بھی بہت سیانے ہیں۔ اِدھر سے اُدھر جاتے ہوئے کوئی دس بیس ہزار سال لگ ہی جائیں گے۔ مسلمان اپنی اپنی سزا کو بھی پہنچ جائیں گے، ایک شفاعت اور دوسری شفاعت کے بیچ کے وقفے میں خدا کا انصاف بھی پورا ہو جائے گا، شفاعت کا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا اور اتنی دیر میں آگ اچھا خاصا جھلسا بھی دے گی۔ اللہ نے اپنا کام بھی پورا کر لینا ہے اور شفاعت بھی عطا کر دینی ہے۔

حضرتِ لقمانؑ نے کہا تھا کہ جو خدا کو مانتا ہے، وہ کبھی خدا سے امید منقطع نہیں کرتا اور سب سے بڑی امید زمین و آسمان میں صرف اور صرف اللہ ہے۔ اگر ہم اپنی دورِ حاضر کی زندگی پر نظر رکھیں، اگر ہم اپنی personal life پر نظر رکھیں تو ایک دیوانگیءِ شعور کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ ایک حماقتِ مسلسل، ایک جانورانہ روٹین...... چاہے وہ امارت سے گزرے یا غربت سے گزرے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس کو پچاس سال عسرت اور ذلت میں گزارنے ہیں، اس پر خودکشی حرام کیوں ہو؟ اگر اس کے سینے میں امید نہ ہو، اگر اس کے دل میں اللہ کی طرف سے کوئی امید باقی نہ رہے تو پھر بے شمار بھوک سے سسکتے ہوئے لوگ، غربت و افلاس کے مارے ہوئے لوگ، اگر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیں تو انکو کیا الزام دیا جائے؟ مگر زمین و آسمان میں سب سے بڑی امید اللہ ہے۔ پھر اگر general routine سے دیکھیں، اگر کائنات کے reference سے دیکھیں، تو billions اور trillions سال کی زندگی کے عرصے میں ان ساٹھ ستر سالوں کی کیا اہمیت ہے؟ اس کو کہاں place کریں گے؟ دنیا کو کہاں place کریں گے اور زندگی کو کہاں place کریں گے؟ کیا یہ احمقانہ روٹین کی بات نہیں ہے کہ جب انسان مال و دولت اور اسباب

کا مالک ہو جائے تو اس کو heart attack ہو جائے اور جب محنت و مشقت کرنے کے بعد گوشت کھانے کے قابل ہو تو گردے فیل ہو جائیں، جب اس کے عیش و آرام کا وقت آیا تو شوگر لے کر بیٹھ گئے اور موصوف جب اتنی سخت محنت کر کے جب دنیا کما کے اس قابل ہوتے ہیں کہ عزت وقدر کے مناصب حاصل کریں، اس وقت جسمانی اذیتیں خوراک کی حس ہی چھین لیتی ہیں۔ جب سب کچھ ختم ہو گیا اور عمر رائیگاں گزار دی، غلط priorities میں گذار دی، ہندوؤں کے مسلک میں گزار دی......

جو آرڈر ہم follow کر رہے ہیں، جو ہمارے اندازِ زندگی ہیں، اس میں صرف ایک چیز ہمارے پاس موجود ہے۔ اگر آپ سچ بات پوچھو تو ایک انگریز مفکر نے Encyclopaedia of Religion میں ایک بڑا دلچسپ جملہ لکھا کہ اسلام جب برصغیر میں داخل ہوا اور برصغیر کی تاریخ ہے کہ جو مذہب اس میں داخل ہوا، ہندو مذہب اس کو کھا گیا، بدھ ازم کو کھا گیا...... جین مت کو کھا گیا...... اور کھا اس طرح گیا کہ اس کو تو کوئی problem ہی نہیں تھا بت بنانے میں، جوں ہی بدھا فوت ہوا، اشوکا نے اس کا بت بنا کر ہندو مت میں رکھ دیا...... جینا مرا تو جینا و ترا کا بت بنا کر ہندو مت میں داخل کر دیا۔ اوپر سے اسلام آ گیا ...... اس نے Encyclopaedia میں ایک جملہ لکھا کہ There was such a geometrical precision about the oneness of God in Islam that no mythology was possible. اسلام میں اتنی سختی سے وحدانیت کی حفاظت کی گئی ہے کہ کوئی دوسرا خدا ممکن ہی نہیں ہے۔ آج بھی چاہے کوئی سچا مسلمان ہو، چاہے کوئی جھوٹا، چاہے کوئی کمزور ہو، چاہے طاقتور...... کسی بھی مسلمان سے پوچھ لو کہ خدا کتنے ہیں؟ کہے گا: ایک...... یہ علیحدہ بات ہے کہ جہالت میں کوئی کسی کو کفر و شرک کے فتوے لگاتا پھرے مگر آج بھی جملہ مسلمانوں کا صرف ایک خدا ہے مگر سچ پوچھو تو خدائے واحد کے سوا باقی تمام چیزیں ہندو مت کھا گیا...... آپ کی تمام عادات کھا گیا...... آپ کی ذہانتیں کھا گیا...... آپ کے شادی بیاہ اور رسوم کھا گیا...... آپ کو اس نے برہمن اور چوہدری بنا دیا:

یوں تو تم سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

اس نے آپ کو حسب نسب میں تقسیم کر دیا، آپ کی general اسلامی رواداری کی اس نے

sense ختم کردی۔ ہاں، ایک خدائے واحد کا اقرار آپ کے پاس رہ گیا اور یہیں سے دوبارہ زندگیوں کا آغاز کرنا ہوگا۔ تمام چیزوں کو چھوڑ کر اللہ سے اپنے ذاتی تعلق اور محبت کو زندہ کرنا ہوگا۔ وہ بے کار مذہب ہے جس کی پرستش کرتے ہوئے آپ قبر تک چلے جاؤ اور آپ کے اندر کوئی اخلاقی اور ذہنی ترقی نہ ہو، کوئی علمی ترقی نہ ہو مگر یونیورسٹی تک پہنچ کر ایک پی ایچ۔ ڈی کا student اتنی ترقی تو کرتا ہے مگر حیرت ہے کہ مسلمان دس برس کی عمر سے نماز پڑھنا شروع کرے اور قبر تک نماز ہی پڑھتا چلا جائے اور اس کے دل و دماغ میں کوئی change نہ آئے، اس لئے خدا کہتا ہے: ''یٰحَسرَتً عَلَی العِبَاد'' (مجھے افسوس ہے کہ تم نے میری قدر نہ پہچانی) اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم مذہب کی غرض و غایت کو سمجھیں اور پروردگار سے محبت وانس کو اپنی زندگی کا شعار بنائیں اور خدا سے یہ آرزو کریں کہ ہم مومن نہیں تو کم از کم ایک اچھے مسلمان کی طرح زندگی ضرور گذاریں۔

سوال: اس کرہ ارض پر صرف دو نظریاتی ریاستیں ہیں: اوّل پاکستان، دوم اسرائیل، دونوں میں کیا فرق ہے؟ پاکستان کا مستقبل کیا ہے اور مسلم امہ کیلئے اسکا کردار کیا ہے؟

جواب: دونوں قوموں میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ اسرائیل اپنی ابتداء سے لے کر آج تک اپنے مؤقف پر قائم ہے، اس نے کبھی اپنے مقصد سے گریز نہیں کیا۔ دو ہی ملک ہیں جو کہ مذہبی اساس پر قائم ہیں مگر اسرائیل اور پاکستان میں بہت بڑا فرق ہے۔ جب سے وہ وجود میں آیا ہے، اس کا مرکزی نقطہ نظر کبھی نہیں بدلا، وہ اپنے مقصد سے آشنا ہے اور پوری قوم بنی اسرئیل اس کے لئے جدوجہد کر رہی ہے، اس کیلئے تیاری کر رہی ہے۔ ان کی تیاری، ان کے آلاتِ جنگ، ان کی پشت پناہی، وہ تمامتر اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے کمربستہ ہیں۔

پاکستان کا حال اس سے بالکل الٹ ہے۔ بڑے بڑے علماء تخلیقِ پاکستان کے وقت موجود تھے، بڑے بڑے القابات اس وقت موجود تھے، قریباً قریباً ہر فرقے کے اکابرین موجود تھے، جید علماء، فاضل، فقیہہ، محدثین سب موجود تھے۔ India was teeming with religious scholars. مگر جب انتخاب کا وقت آیا تو حیران کن بات ہے کہ یہ مذہبی علماء کبھی گاندھی کی خدمت میں حاضر ہوتے، کبھی پنڈت نہرو کے محل کی زینت ہوتے۔ ان تمام religious اشخاص کے عظیم ناموں اور عظیم علماؤں میں کوئی شیخ العرب والعجم تھے، کوئی شیخ الحدیث تھے مگر بدقسمتی یہ دیکھئے کہ باوجود اتنی زیادہ مذہبی تعلیمات اور شناخت کے، اللہ نے انہیں

مناسب اور صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق نہیں دی، نہ ہی مسلمانوں کو lead کرنے کی توفیق دی، بلکہ بقول ان کے ایک گیا گزرا آدمی، مغربی سکولوں میں پڑھا ہوا، جو بظاہر اہلِ اسلام کے اندازِ معاشرت بھی نہیں جانتا تھا، بظاہر ایسے لگتا تھا کہ اسے انگلینڈ اور دوسرے یورپی ممالک کی طرزِ زندگی کے علاوہ اور کچھ نہیں آتا۔ جس کے سوٹ بھی فرانس سے بن کر آتے تھے، اس شخص کو خدا نے اٹھایا اور ملتِ اسلامیہ کے ایک نوزائیدہ ملک کا سربراہ بنایا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ کیا آج ہم خدا سے یہ پوچھنے کا حق نہیں رکھتے کہ کیا وجہ تھی؟ محمد علی جناحؒ ہی کو کیوں تو نے ملت اسلامیہ کا سربراہ بنایا؟ شیخ العرب والعجم کو کیوں نہیں بنایا؟

خواتین وحضرات! اتنے بڑے بڑے عالم جب کہ nationalist ہو گئے تھے، وطن پرست ہو گئے تھے، گاندھی کے ساتھ مل کر ایک متحدہ ہندوستان کی تخلیق کر رہے تھے۔ اس وقت یہ ولایتی انسان بڑے عجیب وغریب انداز کا مالک، اٹھا...... کسی نے پوچھا: ''قائداعظم......! یہ اتنی محنت......؟ یہ کیوں کر رہے ہو''؟ کہا: ''صرف ایک وجہ سے کہ جب میں خدا کے حضور جاؤں اور اسے کہوں کہ تو نے ایک کام میرے سپرد کیا تھا، وہ میں نے پوری دیانت سے نپٹا دیا ہے تو وہ مجھے کہے !...Well done Mr. Jinnah'' دوسری مرتبہ فرمایا کہ میری صرف ایک خواہش ہے کہ جب میں مر جاؤں اور اللہ کے حضور پہنچوں تو اللہ مجھے کہے: ''تُو ایک مسلمان کی طرح جیا...... جو میں نے تجھے کام دیا، وہ تو نے پورا کیا اور تو ایک مسلمان کی موت مر کر میرے پاس پہنچا۔'' خواتین وحضرات! وہ نیات کا دیکھنے والا ہے۔ اگر اس وقت کے کسی مذہبی عالم، کسی مہدیت کے حقدار، کسی علامہ زمان، کسی شیخ العرب والعجم کی اتنی صاف نیت ہوتی، تو قسم لے لیجئے کہ خدا انہیں کو چنتا۔

وَاَعلَمُ مَا تُبدُونَ وَمَا کُنتُم تَکتُمُونَ

(اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔)

جب پاکستان بن گیا تو وہ اجماعِ امت نے بنایا، کسی عالم نے نہیں بنایا اور حدیث رسول ﷺ پوری ہوئی کہ ''میری امت کا اجماع کبھی غلطی نہیں کرے گا''۔ اجماعِ امت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ مجھے یہ کہتے ہیں کہ پاکستان political reasons سے بنا، بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے معاشی reasons تھیں۔ ہاں، تھیں...... سرسید کی رپورٹ موجود ہے، جس میں اس وقت کے مسلمانوں کا حال موجود ہے۔ اس insult کا بھی پتہ ہے جو مسلمان برطانوی

سامراج کے ہاتھوں face کر رہے تھے۔ بڑے بڑے مسلمان شہنشاہوں کے لباس انگریزوں نے اپنے bearers کو پہنا رکھے تھے، لیکن سو برس تک کوئی نعرہ پاکستان کا باعث نہیں بنا۔

خواتین و حضرات! کلچر متوازی لائنوں کی طرح نہیں ہوتے۔ ایک ملک میں اگر بہت سے اندازِ فکر چل رہے ہوں تو سب harmful ہوتے ہیں۔ harmful اگر converge کر کے ایک نقطے پر جمع ہو جائیں تو ہم کہتے ہیں کہ باوجود مذہبی، اخلاقی اور ذہنی اختلافات کے، ایک basic force انہیں ایک نقطے پر جمع کر رہی ہے۔ پاکستان کی تخلیق کا باعث صرف اور صرف مذہب کا converging moment تھا۔ لوگوں کے مزاج مختلف تھے، اندازِ فکر بھی مختلف تھے، understandings مختلف تھیں مگر سارے کے سارے کلچر مل کر ایک نقطہ پر مرکوز ہو رہے تھے اور وہ مذہب تھا، اسلام تھا، اس لئے پاکستان کی تعمیر میں صرف ایک ہی نعرے نے کام کیا کہ:

پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ

اسرائیل ابتداء سے لے کر آج تک اس عہد کی پابندی کر رہا ہے جس کے تحت اس کا وجود بنا ہے لیکن پاکستان نے اپنے وجود کی تخلیق کے ساتھ ہی اپنے عہد کی پابندی چھوڑ دی۔ کبھی یہ secular بنا، کبھی یہ modern democratic بنا، اگر یہ نہیں بنا، اگر اس قوم نے عہد نہیں کیا، تو مسلمان بننے کا کبھی عہد نہیں کیا، اسلام کو طرزِ حیات بنانے کا عہد نہیں کیا۔ اسلام میں ہے کیا......؟ خواتین وحضرات! آپ کیا سمجھتے ہیں کہ صرف نماز اور روزہ اسلام ہے؟ آپ غور کرو کہ پورے کا پورا اسلام ظاہری زندگی میں کتنا ہے؟ صرف پانچ وقت کی نماز اور سال میں تیس روزے......! اس کے علاوہ اسلام کے ظاہر میں کیا ہے؟ کون سی چیز آپ اسلام میں ڈالو گے کہ یہ روشن خیال ہو جائے گا؟ وہ مذہب جس پر دنیا کو اعتراض ہے؟ آپ apologetic کیوں ہو؟ کیوں شرمندہ ہو؟ کس چیز سے شرمندہ ہو؟ جسکو مسلمان ہونے پر شرمندگی ہے، کیا بہتر نہیں ہے کہ وہ اسلام چھوڑ جائے؟ اسلام کو کیوں آپ رسوا کرتے ہو؟ جو اپنے عقیدہ اور خیال پر committ نہیں کر سکتا، جو اپنے دین کے ساتھ committ نہیں کر سکتا، آپ نے اسے حدود کیوں بخش دی ہیں؟ قیود کیوں بخش دی ہیں؟ آپ نے اسلام کو مخصوص لباس کیوں بخش دیا ہے؟ آپ نے اس کو مخصوص انداز کیوں بخش دیا ہے؟

جملہ مسلمان گروہوں کو اللہ کے رسولؐ نے کہا تھا کہ کچھ لوگ علیحدہ ایک انداز اختیار کر

کے میری امت بنیں گے اور کچھ لوگ علیحدہ انداز اختیار کرلیں گے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ امتِ رسول اللہ ﷺ کیا ہے؟ ان کی شناخت کیا ہے؟ حدیث کو غور سے سنیے.....خدا کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب اصحابِ رسول ﷺ بیٹھے تھے اور رسول اللہ ﷺ انکے درمیان بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: زمانہء آخر میں بنو عفراء کو غلبہ ہوگا، نیلی آنکھوں والوں کو غلبہ ہوگا۔ پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا اس وقت مسلمان تعداد میں بہت کم ہوں گے۔ کہا نہیں وہ تو مورو ملخ کی طرح ہوں گے۔ کہا یارسول اللہ ﷺ پھر بھی ان کو غلبہ ہوگا؟ کہا: ہاں، ان پر دنیا کی محبت غالب ہوگی۔ خواتین وحضرات! ذرا درمیان کے جملے پر غور فرمائیے کہ مسلمان مورو ملخ کی طرح ہوں گے..... کیا کوئی بھی مذہبی جماعت مورو ملخ کی طرح ہے؟ کیا پانچ پانچ لاکھ کے مذہبی گروہ امتِ رسول ﷺ ہیں؟ پندرہ کروڑ میں سے سب مذہبی جماعتیں اپنا حصہ نکال لیں۔ کتنے کروڑ لوگ ہوں گے؟ پانچ لاکھ، دس لاکھ، پچاس لاکھ.....مگر یہ باقی کی امت کے بارے میں ارشاد ہے، ایک ارب مسلمان جو دنیا کے چپے چپے پر آباد ہیں، جن کا تشخص کسی دیوبند سے، کسی بریلوی سے، کسی اہلِ حدیث سے نہیں ہے۔ یہ وہ آزاد مسلمان رسول اللہ ﷺ کی امت ہیں، بقول اِس حدیثِ رسول ﷺ کے کہ جنکا کوئی مسلک مختص نہیں ہے مگر یہ اللہ کو مانتے ہیں، رسول اللہ کو مانتے ہیں مگر یہ مذہب کی بجائے دولتِ دنیا کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ بقولِ قرآن:

"لَا تَبدِيلَ لِكَلِمٰتِ اللهِ"(یونس 64:10)

(اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔)

اللہ نے فرمادیا: تم پلٹ آؤ گے، میں پلٹ آؤں گا۔ تم لوٹ جاؤ گے میں لوٹ جاؤں گا۔

آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہیں، آپ اسے کیا خوشی کی بات دے رہے ہو؟ مجھے انگلینڈ میں ایک گروپ آف پروفیسرز سے پانچ گھنٹے بات کرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد ان کے head پروفیسر نے مجھے کہا کہ You want me to convert وہ متاثر ہوئے تو انہوں نے یہ کہا۔ میں نے کہا کہ Why should I want you to convert? اس لئے کہ میں پاکستان جا کر بڑے فخر سے اعلان کروں کہ میں نے فلاں انگریز کو مسلمان کیا ہے۔ میں یہ دعویٰ کرتا پھروں کہ ایک انگریز کو مسلمان کر کے میں نے بڑا کارنامہ کرلیا ہے۔ میں نے کہا کہ جو ایک ارب مسلمان میرے پیچھے ہیں، جو بیس کروڑ مسلمان پاکستان میں ہیں، ان میں سے اگر پانچ لاکھ بھی ٹھیک ہو جائیں تو تم یورپ والوں کی سیادت ٹوٹ جائے گی،

مجھے تمہارے ایمان سے کیا واسطہ ہے؟ اگر تم نے مسلمان ہونا ہے تو اپنے لئے ہونا ہے۔ I have no pride, nothing to do with your religion مگر تمہارے تعصّبات کو دور کرنے کے لیئے میں نے ایک رستہ کشادہ کر دیا ہے۔ جاؤ گھر جا کر سوچو...... مسلمان ہونا تمہارا اور خدا کا ذاتی معاملہ ہے، میرا نہیں۔ It is not my problem, اندازہ لگایئے مسلمان عالموں کا...... آپ کو بڑے محبوب ہوں گے یہ مسلمان عالم...... پورے کے پورے channel کھولے ہوئے اور انتہائی احمقانہ تعلیمات دے رہے ہیں۔ مسلمان عالموں کا یہ حال ہے کہ ایک ٹی وی چینل با قاعدہ استخارے فرما رہا ہے۔ کبھی آپ نے استخارے کی نوعیت دیکھی۔ استخارہ اللہ کے ایک قانون کے سائے میں ہے: " اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ " کون ہے جو اضطراب میں مضطرب کی دعا سنتا ہے۔ " وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ " اور کون ہے جو برائی کی گرہیں کھول دیتا ہے۔ " وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ " اور کون ہے جو تمہیں زمین پر عزت و حکومت عطا کرتا ہے۔ " ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ "(النمل 27:62) کیا اللہ کے ساتھ اور خدا ہے؟ مگر تم اسے بہت کم یاد کرتے ہو۔

خواتین و حضرات! جب ہمیں کوئی مسئلہ پڑتا ہے، ہماری سوچیں الجھ جاتی ہیں، ہمارے مسائل پیچیدہ ہو جاتے ہیں، ہم ایک دوست کے پاس جاتے ہیں، ہمارا کرب بڑھتا ہے، ہمیں جواب نہیں ملتا، بالآخر اُس بے چینی، اُس تکلیف اور اُس اضطراب میں ہمیں اللہ یاد آ جاتا ہے۔

جس نے اللہ سے رجوع کیا ہدایت طلب کی اس کو اللہ مایوس نہیں کرتا۔ ایک بات آپ سب سوچ کر بتانا کہ کیا اُس مولوی کے دل میں وہ کرب ٹرانسفر ہو جاتا ہے، جو میرے دل میں ہے؟ اللہ نے مجھے مجبور سمجھ کر، مضطرب سمجھ کر، مشکل میں پڑا ہوا انسان سمجھ کر میرے اضطراب کا مجھے استخارے میں جواب دینا ہوتا ہے۔ کیا جب آپ کسی سے استخارہ کروانے جاتے ہو تو وہ مجبوری، وہ تکلیف، وہ اضطراب اُس کمپیوٹر میں convert ہو جاتا ہے جو ایک جاہلانہ مسلک کے تحت صبح و شام جادو اور سحر کے کارڈ نکال نکال کر دے رہا ہے۔ اس قسم کی حماقتیں دین میں فروغ پا گئی ہیں۔ یہ تو ایک معمولی سی بات ہے۔ اب academic کی سنیئے......! ایک صاحب مسلسل Christianity کو غلط ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں، Judaism کو غلط ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں......!

آج سے بہت پہلے، پندرہویں صدی میں جب Constantinople کا fall

ہوا۔ سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کیا، Eastern Church کا آخری شہر فتح ہوا، مسلمانوں کی کتابیں یورپ میں آئیں، یورپ اس وقت Dark Ages میں تھا۔ انگلینڈ میں جب کسی کے سر میں درد ہوتا تھا تو وہ پادری کے پاس جاتے تھے جیسے آج کل ہماری خواتین بھوت پریت اور چڑیلوں کا نام لیتی ہیں...... پادری ایک کیل اس کے سر میں ٹھونکتا تھا، مر گیا تو بھی خیر...... بچ گیا تو بھی خیر...... دونوں صورتوں میں سر درد چلا جاتا تھا۔ پادری اس وقت دو طرح کے سرٹیفکیٹ بیچا کرتے تھے، ایک Lower Paradise کا سرٹیفکیٹ ......اور دوسرا Higher Paradise کا سرٹیفکیٹ۔ کمتر درجے کی جنت کا پانچ پونڈ کا تھا اور اعلیٰ درجے کی جنت کا دس پونڈ کا تھا۔ جب مسلمانوں کی تعلیمات Christians تک آئیں تو ان میں دو movements شروع ہوئیں۔ ایک کو تحریکِ احیائے علوم اور دوسری کو تحریک احیائے مذہب کہتے ہیں۔ اصل میں جو بات میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جب یہ دونوں تحریکات شروع ہوئیں تو اسوقت ایک پادری تھا، جس کا نام تھا Holly Hoaks ایک دوسرا پادری تھا جس کا نام تھا Bradlaw یہ دونوں پادری اس وقت چرچ میں تھے۔ لاٹ پادری نے ہولی ہوکس کو کہا کہ یار! یہ جو ہماری بائبل ہے ناں، یہ بڑی غلط سمت میں ہے۔ اس کے ایک سو تیس versions ہیں۔ اگر تو ایسا کرے کہ ان سب کو اکٹھا کر کے ہمیں ایک مشترکہ بائبل بنا دے...... ہولی ہوکس نے ہامی بھرلی۔ جب ہولی ہوکس نے کام شروع کیا تو اس پر انکشاف ہوا کہ Bibles کے versions میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک کچھ اور کہہ رہی ہے، دوسری کچھ اور کہہ رہی ہے۔ ایک بائبل یعنی برناباس سرے سے ہی غائب ہے۔ متی کچھ اور کہہ رہا ہے، مرقس کچھ اور کہہ رہا ہے، لوقا کچھ اور کہہ رہا ہے جب اس نے یہ حال دیکھا تو اس نے اپنے لاٹ پادری کو لکھا کہ آپ ازراہِ کرم اس مشترکہ version کا خیال چھوڑ دیجئے۔ جس نے جو پڑھنا ہوا پڑھ لے گا، اگر ہم نے مشترکہ version اختیار کیا تو بائبل ناگفتہ بہ حد تک مشکوک ہو جائے گی۔ بڑے لاٹ پادری نے اس کے عوض میں اسکو ایک chastise دے دی، اس کے درجات واپس لے لئے، تین مہینے قید کیا اور اس کو چرچ سے نکال دیا۔ یہ پندرہویں صدی کا واقعہ ہے۔ پندرہویں صدی کے بعد سب سے پہلا شخص جس نے لفظ سیکولر استعمال کیا وہ ہولی ہوکس تھا۔ اسکا کہنا تھا کہ "You can't be a good secularist unless you are a good atheist" (تم کبھی اچھے سیکولر نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ایک اچھے atheist نہ بنو) خدا کا، مذہب کا، سیکولرازم

سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ Bradley نے کہا کہ "Religion and secularism are as apart as land from the sea" (سیکولرازم اور مذہب اتنے ہی دور ہیں، جتنا سمندر زمین سے) اگر سمندر زمین پر چڑھ جائے تو زمین نہیں رہتی اور اگر زمین سمندر پر چڑھ جائے تو سمندر نہیں رہتا۔ یہ دونوں اتنے opposite ہیں۔

خواتین وحضرات! آج کیا ضرورت ہے کہ آپ Christianity کو غلط ثابت کریں اور record ہے کہ پانچ سو برس پہلے جن علمائے مذہب نے اپنے دین سے بغاوت کی، انہوں نے Protestant Religion کو اپنایا۔ Protest کا مطلب ہی ہے، object کرنا، اعتراض کرنا، جس مذہب کی دوسری شاخ وجود ہی اس لئے آئی کہ وہ پہلی Testament کو نہیں مانتے تھے تو آپ ثابت کیا کر رہے ہو کہ Christianity غلط ہے......؟ آج ثابت کیوں کر رہے ہو......؟ اس لئے کر رہے ہو کہ جواباً کوئی شخص آپ سے کہے کہ قرآن غلط ہے...... کیا مناسب بات کہی اللہ نے قرآن حکیم میں کہ تم اہلِ کفر کے بتوں کو برا نہ کہو، تم ان کے جھوٹے خداؤں کو برا نہ کہو، ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سچے خدا کو برا بھلا کہیں...... پھر تمہیں تکلیف زیادہ ہوگی ناں سچے کو تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔

خواتین وحضرات! point یہ ہے کہ آپ اسے sub-issues میں الجھا رہے ہو۔ یہ ہمارا issue نہیں ہے۔ Bible is wrong or right, who believes or doesn't believe in Bible is not our issue. ہمارا issue تو یہ ہے کہ ہم اپنے مذہب کے بنیادی مقصد سے کتنا دور آ چکے ہیں......؟ ہمارا اللہ سے کیا واسطہ ہے......؟ رسم ورواج میں، سحریت میں، کہانت میں ہم اس قدر ڈوب گئے ہیں کہ صرف پاکستان پر اگر آپ نظر ڈالو تو آدھے جادو کرنے والے ہیں اور آدھے وہ ہیں جن پر جادو ہو رہا ہے۔ ہر گھر، ہر گلی، ہر محلے میں حساب کتاب والے قریباً قریباً تمام محلوں میں اتنے بے شمار جادوگر پیدا ہو چکے ہیں کہ لگتا ہے ہر آدمی آسیب زدہ ہے، جیسے قبروں سے مردے آسیب زدہ نکل کر اٹھتے ہیں، اسی طرح ہمارے لوگ پاگلوں کی طرح دیوانوں کی طرح پھرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے، مجھ پر تعویذ ہوا ہے، کوئی کہتا ہے مجھے پر جن آتا ہے، کوئی خاتون سر درد کو کوئی دوسری وجہ دینے کو تیار ہی نہیں ہے۔ اب بتاؤ ایک گھر ہے، شریف آدمیوں کا گھر ہے۔ چھ عورتیں ہیں، ایک نئی آ جاتی ہے۔ اب ہر ایک کے possessions کے matters شروع ہو جاتے ہیں۔ یا وہ بیچاری جادو کرتی ہے یا یہ چھ

جادو کرتی ہیں، کوئی اپنے اخلاق کو الزام نہیں دیتا ، کوئی یہ ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں ہے کہ He could be wrong, she could be wrong. جب میں اپنی غلطی نہیں مانوں گا، تو کسی خارجی reason کو ڈھونڈوں گا۔

جب کسی نے رشتے سے انکار کرنا ہوتا ہے...... ایک بات طے ہو گئی ہے، تھوڑی دیر کے بعد نیا رشتہ آ گیا ہے، وہ بدقسمتی سے انگلینڈ کا ہے۔ اب ماں باپ کو مصیبت پڑ گئی ۔۔۔ پہلا رشتہ تو بیچارہ گلی محلے کا تھا، شریف آدمی تھا، بی اے پاس تھا، نوکری لگا ہوا تھا، اب انگلینڈ سے رشتہ آ گیا ہے، کچھ عرصے کے بعد مولوی صاحب تشریف لاتے ہیں یا QTV آ گیا، استخارہ شروع ہو گیا۔ ماں باپ کہتے ہیں کہ ہم تو رشتہ دیتے تھے مگر QTV نے منع کر دیا، استخارہ ٹھیک نہیں آیا۔ لوگ اپنے اخلاقی جرائم کو استخارے سے cover کرتے ہیں، اپنے جھوٹ cover کرتے ہیں، یہ کون سا طریقہ ہے خدا سے پوچھنے کا...... ! آپ کسی مولوی کو سو دو سو دیتے ہو کہ استخارہ کر دو، یہ کون سا طریقہ ہے استخارہ کروانے کا......؟ یہ کون سا مذہب ہے جس کو آپ مان رہے ہو؟ یہ کون سا طریقہ ہے خدا سے ہدایت طلب کرنے کا؟ اور کیا مذہب ہے اور کیا وہ لوگ ہیں جو جان بوجھ کر گمراہی کا سیلاب آپ لوگوں تک پہنچا رہے ہیں؟ اس قسم کی حماقتوں اور جہالتوں میں اس وقت پورے کا پورا علمی اور مذہبی پس منظر ڈوبا ہوا ہے۔ ایک موصوف ہیں، کسی اخبار کے ایڈیٹر بھی ہیں، اُن کا شو ٹی وی پر آیا کہ امریکہ نے کہا کہ ہم نے بیس ملین ڈالر رکھے ہیں مسلمانوں میں روشن خیالی پیدا کرنے کیلئے اور اعتدال پیدا کرنے کیلئے، یعنی مذہبی فکر ختم کرنے کیلئے...... اب موصوف اخبار چھوڑ کر امریکہ جا بیٹھے، کچھ پیسے لئے، کچھ مزید طلب کرنے ہیں۔ واپس آ کر آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ آپ کو اسلام دیں گے؟ GEO والے کیا آپ کو اسلام دیں گے؟ ARY والے آپکو اسلام دیں گے؟ انہوں نے ٹائم divide کیا ہوا ہوتا ہے۔ پچیس فی صد تو گانے سنتے ہیں، دس فی صد Geographic Channel دیکھتے ہیں، دس فی صد لوگ انگریزی فلمیں دیکھتے ہیں، پانچ فیصد منڈے کھنڈے، نٹ کھٹ، چھیل چھبیلے مذہب کی باتیں سنتے ہیں، یہ جو پانچ فیصد مذہب میڈیا دے رہا ہے، اس کے فوراً بعد ایک سب سے زیادہ شیطان قسم کا گانا لگ جائے گا اور آپ کی ساری مذہبی feeling اُس ڈانس میں ہوا ہو جائے گی۔

میڈیا کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، میڈیا مسلمان نہیں ہوتا، میڈیا basically وجاہت طلب ہے۔ basically اس کی صرف ایک ہی طلب ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنی

نمائش پر آمادہ کر سکے۔ اور اسی مقصد کے تحت انہوں نے مذہب بھی رکھا ہوتا ہے، کھیل کود بھی رکھا ہوتا ہے۔ آپ کب سے ان کو اتنا sincere جاننے لگے کہ یہ خدا اور رسول کی محبت میں آپ کو دین دکھا رہے ہیں؟ اور وہ کون سے ایسے عالم ہیں؟ media کا ایک اور کرشمہ دیکھئے...... اُدھر تو ماشاء اللہ بڑی خوبصورت، تیز طرار، بڑے شاندار انگریزی سکولوں کی پڑھی ہوئی خواتین بیٹھی ہوتی ہیں اور اِدھر بیٹھے ہوتے ہیں مولوی گھُمن...... اور سامنے young generation ہے...... مولوی صاحب نے کچھ یہ کہا، کچھ وہ کہا، نہ انکے پاس expressions ہیں، نہ ڈائیلاگز ہیں اور عجیب مسکین قسم کی صورت ہے، پرانے زمانے کے بتوں کی طرح، لات وہبل کی طرح۔۔۔ اُدھر وہ ماشاء اللہ ہارورڈ کی پڑھی ہوئی خاتون ہے، اس کی انگریزی ہی نہیں سنبھالی جاتی۔ Final touch یہ ہوتا ہے کہ secular ٹھیک ہے...... اور مولوی صاحب آپ غلط ہیں۔

یہ ایک technique ہے کہ بدترین religious representatives لاؤ اور fancy قسم کا secular represent کرو اور آخر کار آپ fancy قسم کے representative سے متاثر ہو جاتے ہو۔ بدقسمتی سے عصرِ حاضر میں خدا کے advertisers بہت ہی گھٹیا ہیں۔ بات کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔ بے سروپا دماغ...... very cheap اس لیے اللہ کی بے قدری کا باعث ہیں، اسی لیے تو خدا کہتا ہے کہ اے نادانو! تم نے میری قدر ہی نہیں جانی...... تم نے مجھے پہچانا ہی نہیں، پہچانتے بھی کیسے؟ representation تو دیکھو جو آپ کو مل رہی ہے...... !Five Star ہوٹل میں اللہ کی بات نہیں ہوسکتی، تھری سٹار ہوٹل میں اللہ کی بات نہیں ہوسکتی، اللہ اتنا modern ہی نہیں ہے، کیا کیا جائے......؟ وہاں ہارورڈ اور یورپ کے کلیساؤں کی بات تو ہوسکتی ہے، لیوٹن کے آرٹ کونسل کی بات تو ہوسکتی ہے، اللہ کی نہیں ہوسکتی...... اللہ بہت پرانا ہو چکا ہے۔

آٹھ احادیث ہیں مسلم اور بخاری میں، ارشادِ گرامی رسول ﷺ ہے: اعتدال اختیار کرو۔ کسی شیخ مذہب نے یہ حدیث پڑھی ہو تو بتائے۔۔۔ کسی دانائے حکومت نے یہ حدیث پڑھی ہو تو بتائے، بدقسمتی سے حکومت حکومتی اشراف میں اگر موصوف ایک سپارہ پڑھنے میں عمر گذار دیں تو بہتر ہے بہ نسبت مذہب پر گفتگو کرنے کے......

بخاری اور مسلم کی یہ احادیث علم و حکمت کی معراج ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اعتدال اختیار کرو اور اگر مکمل اعتدال اختیار نہ کر سکو تو اس کے قریب ترین رہو۔ خواتین و حضرات!

دنیا بھر کے فلاسفر یہ point out نہیں کر سکے کہ اعتدال fixity نہیں ہے۔ اعتدال ایک نقطہء مرکوز نہیں ہے۔ اعتدال ایک area ہے، اس area کے باہر اعتدال نہیں رہے گا۔ اعتدال ایک line میں کھڑے ہونے کا نام نہیں ہے۔ آپ اس area میں حماقتیں کرو گے، غلطیاں کرو گے، پھر بھی اعتدال سے نہیں نکلو گے۔ اعتدال سے تب نکلو گے جب حدود اللہ کو کراس کر جاؤ گے۔ اللہ نے فرمایا: تلک حدود اللہ۔ اس اعتدال کے بارڈر لگے ہوئے ہیں اور یہ حدود اللہ ہیں: ومن یتعد حدود اللہ اور جو ان حدود سے آگے بڑھے گا وہ ظالموں میں سے ہے۔ یہ کون سے دانش ورانِ عصر ہیں......؟ کسی کو کیا پتہ قرآن میں کیا لکھا ہے؟ قرآن تو ہر سائنس سے آگے کی سائنس ہے۔ قرآن تو زمانے بھر کے مفکروں کو صرف ایک جملے میں سمیٹتا ہے۔ دو صدیوں بلکہ تین صدیوں سے یورپ کا ہر مفکر اور ہر فلسفی صرف ایک چیز جانتا ہے، ان کا تمام فلسفہ صرف دو پوائنٹس تک پہنچا ہے: برگساں اور نطشے...... نطشے نے ایک فلسفہ دیا کہ تمام زندگی توارد میں ہے، Returnal side کو جارہی ہے۔ زمانہ اپنی صورت، مادہ ختم کر دے گا، جب ختم کر دے گا تو یہی مادی صورتیں دوبارہ پیدا ہو جائیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ according to the Nietschean philosophy دو چار بلین سالوں کے بعد جب زندگی repeat ہوگی، تو میں اور آپ......یہی حال......اور یہی باتیں پھر سے......یعنی توارد ہوگا۔

برگساں نے کہا: ”زمانہ تمام واقعات کو ختم کر چکا ہے، جیسے ایک فلم چلتی ہے، زمانہ اپنے اندر وہ فلم چلا رہا ہے۔“ آپ نے غور کیا کہ دونوں نے زمانے کو مرکزِ خیال رکھا...... ذرا قرآن کی ایک آیت سنیے:

وَ قَالُوامَاهِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنیَا نَمُوتُ وَنَحیَا وَمَا یُهلِکُنَا اِلَّا الدَّهرُ (الجاثیہ 45:24)

(اور وہ کہتے ہیں نہیں کوئی دوسری زندگی سوائے ہماری دنیا کی زندگی کے، ہم نے یہیں مرنا اور جینا ہے اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ۔)

خواتین و حضرات! یہ بہت آگے کی باتیں ہیں۔ یاد رکھیں کہ ہماری عقل کی رسائی ابھی وہاں تک نہیں پہنچی۔ عصرِ حاضر کے بڑے سے بڑے سائنس دان بھی options تلاش کر رہے ہیں، مگر اللہ بڑے یقین سے ان کا ذکر کرتا ہے، اپنے احکامات وہاں اتارنے کی بات کرتا ہے، بڑی دور کی بات ہے، سب سے بڑے فلاسفر کی بات ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹی سی statement دی ہے: ہو سکتا ہے ”کہ خدا زمین کی عمر آدھا دن اور بڑھا دے“۔ پوچھا گیا:

''یا رسول اللہ ﷺ آدھا دن کتنا''؟ فرمایا: ''پانچ سو برس''۔ آج تک کسی سائنس دان نے یہ امکان ظاہر نہیں کیا۔ یہاں تک کسی کی رسائی فکر بھی نہیں گئی۔ یہ تو محمد رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ زمین کی عمر آدھا دن اور بڑھادے۔ غور کریں خواتین و حضرات! کہ اللہ جب چاہے زمین کی عمر پانچ سو برس اور آگے لے جاسکتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے ایک اور بات۔۔۔ یہ کون ہیں جو حدیث پڑھتے ہیں؟ یہ کن کو حدیثوں میں تناقض نظر آتا ہے؟ اپنی عقل کے تناقض سے کیوں نہیں سوچتے؟ فرمایا کہ جب اللہ حساب کتاب لے گا اور لوگ جنت میں داخل کردیئے جائیں گے تو پھر بھی جنت میں جگہ بچ جائے گی، پھر اللہ نئے لوگ پیدا کرے گا، نئے حساب کتاب ہوں گے، نئی دنیائیں ہوں گی، پھر سے آزمائشیں ہوں گی اور حضرتِ انسان کی زندگی کا یہ تواتر چلتا رہے گا۔

خواتین و حضرات! کیوں......؟ کیوں چلتا رہے گا؟ ایسی کیا وجہ ہے؟ یہ زندگی ء انسان......! ہم تو بڑے لاڈلے سے ہیں، ہمیں تو کائنات میں کوئی اور نظر نہیں آتا، ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہم ہی انسان ہیں، ہمارے بغیر تو کچھ ہے ہی نہیں مگر اللہ کچھ اور خبر دیتا ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ جنت کیا چیز ہے؟ بڑے سے بڑا عالم کیا بتاتا ہے......؟ تین باغ ہیں، ایک میں انگور، ایک میں امرود، ایک میں انار، ایک میں حور، ایک میں قصور ایسے ہی چھوٹے چھوٹے باغ ہیں۔ لگتا ایسا ہے کہ پوری کی پوری جنت نیو یارک کے تین بازاروں میں واقع ہے یا لندن کی Piccadilly Circus میں واقع ہے مگر خواتین و حضرات! ایک چھوٹا سا اندازہ یہ ہے کہ آپ کی اس کائنات کی دہلیز سے لے کر، جہاں تک ابھی اندازہ جاتا ہے، سولہ بلین light years تک یہ کائنات جا رہی ہے۔ سولہ بلین light years تک صرف آپ کا آسمان ہے۔ آگے دکھائی نہیں دیتا کیونکہ آلات نہیں ہیں، sophistication نہیں ہے۔ سولہ بلین سال سے موجود اس کائنات میں جو قریب ترین اور دور ترین کا distance ابھی تک ہم نے watch کیا ہے وہ سولہ ارب نوری سالوں پر واقع ہے۔ distances زیادہ ہوجاتے ہیں، پیمانے چھوٹے پڑ جاتے ہیں۔ یہ ہے ایک آسمان اور اللہ نے بنائے ہیں سات آسمان...... یہ ہے ایک کائنات اور اللہ نے بنائی ہیں سات کائناتیں...... اب دیکھئے کہ جنت کیا ہے؟ مومنین کے لیے جو جنت میں نے بنائی ہے:

عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ (اٰلِ عمرٰن 133:3)

اس کی جو چوڑائی ہے وہ ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی لمبائی سے بھی زیادہ ہے۔ یہ جنت بھرے گا کون......؟ ہم میں سے تو چار پانچ ہی جائیں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ آدمی خدا کو بھی اپنی حدودِ نظر

سے دیکھتا ہے۔ اب بتایئے اُس اللہ کو آپ کتنا بڑا سمجھ سکتے ہو جس کا عالم یہ ہے کہ سورج کو چراغ کہتا ہے۔ اٹھارہ ہزار زمینیں اس سورج میں سما جاتی ہیں اور اللہ نے اسے ایک چراغ کہا ہے۔ شناسِ محالہ قرار دیا اور کائنات کو ایک مٹھی...... ایسے صرف دو ارب سورج آپ کی galaxy میں چمکتے ہیں۔ سائنس دان کم فہم تھے، انہوں نے کہا کہ galaxy سے مراد آسمان ہے۔ ایک صاحب اور اٹھے، کہ ایک constellation سے مراد ایک آسمان ہے۔ قرآن تو بڑا واضح تھا۔ خداوندِ کریم فرماتے ہیں:

وَلَقَد زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنيَا بِمَصَابِيحَ (الملک 67:5)

(اور بے شک ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا۔)

جدھر جدھر سورج چمک رہے ہیں، کائنات ہے۔ جو جو آپ کی نظر میں آ رہے ہیں، آسمانِ دنیا ہے اور آسمانِ دنیا میں فی الحال ایک galaxy میں دو ارب شمسی آفتاب چمک رہے ہیں اور ایک ایک سورج ایسا ہے جس میں اٹھارہ اٹھارہ ہزار دنیائیں سما سکتی ہیں۔

خواتین و حضرات! اتنے بڑے پروردگار سے مذاق درست نہیں ہوتا۔ ہمارا پیمانۂ عقل بہت مجبوری کا سودا ہے۔ ہمارا سفر محدود، ہماری عقل و معرفت محدود۔۔۔ ہم انکسار سے کام تو لے سکتے ہیں۔۔۔ جس کا علم بڑھتا ہے اس کو خدا کی عظمت نظر آنا شروع ہو جاتی ہے۔ علم کے بغیر خدا کا، کسی بھی چیز کا احاطہ نہیں ہو سکتا، اس لیے پروردگارِ عالم نے فرمایا:

اِنَّمَا يَخشَى اللّٰهَ مِن عِبَادِهِ العُلَمٰٓؤُا (فاطر 35:28)

اللہ سے ڈرنے والے ہی اس کے عالم ہیں، اللہ کو ماننے والے ہی علم والے ہیں۔ خداوندِ کریم نے جب رتبے بنائے، درجاتِ انسان مقرر کیئے تو اعمال پر نہیں، نماز پر نہیں، روزے پر نہیں، صدقات پر نہیں کیے، خیرات پر نہیں کیے، اس نے بڑی عجیب و غریب بات رکھی:

نَرفَعُ دَرَجٰتٍ مَّن نَّشَآءُ

(جس کے چاہتا ہوں درجے بلند کرتا ہوں۔)

وَفَوقَ كُلِّ ذِى عِلمٍ عَلِيم (یوسف 12:76)

(اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔)

سوال: لبنان پر اسرائیل کے حملے کے تناظر میں آپ کی سوچ کیا ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! اصل میں میرا اپنا خیال یہ ہے کہ جس قسم کی ہمارے پاس اطلاعات ہیں، وہ

جو مصدقہ صاحبِ خبر نے ہمیں دی ہیں، اسکا پس منظر اگر ہم دیکھیں تو اگر اللہ کے رسول نے کہا ہے کہ مسلمان حکمران دجال کے ساتھی ہوں گے تو وہ آپ کے سامنے ہے۔ اگر اللہ کے رسول نے کہا کہ ایک مسلمان گروہ لڑے گا اور شکست کھائے گا، وہ آپ کے سامنے ہے۔ اللہ کے رسول نے کہا کہ دجال ایک ملک میں داخل ہوگا اور ایک ہاتھ سے اس پر روٹیاں پھینکے گا اور ایک ہاتھ سے اس پر آگ برسائے گا، وہ ہو چکا۔ تمام علامات اپنے انجام کو پہنچ رہی ہیں مگر آپ کو ایک لحاظ سے امریکہ کا اور دجال کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ یہ ظلم و ستم، یہ خباثت، مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت کے یہ مظاہرے ہیں۔ ہمیں پتہ ہے، دل بہت رنج کھاتا ہے۔ لبنان کا مسلمان ہو یا افغانستان کا ہو یا پاکستان کا...... مسلمان ایک بدن کی طرح ہے۔ انگوٹھا دُکھے گا تو دماغ بھی دُکھے گا، دل بھی دُکھے گا۔ جب ایک مسلمان کو تکلیف پہنچے گی تو دوسرا مسلمان خوش نہیں رہے گا مگر رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ زمانۂ آخر میں دو خیمے ہیں تیسرا کوئی نہیں ہے۔ ایک ایمان کا دوسرا کفر کا......

بہت سے مسلمان judgement کے سائے میں آئیں گے۔ یہ لوگ نہیں جیتیں گے، ان لوگوں کے مقدر میں elimination ہے۔ ایمان جیتے گا، تیسرا مسلمان جیتے گا۔ یہ حدیث ہے کہ پہلا مسلمان نہیں جیتے گا، وہ دجال کا ساتھ دے گا۔ دوسرا مسلمان لڑے گا، شکست کھائے گا۔ اور وہ انہی جیسا ہوگا۔ تیسرا مسلمان جیتے گا۔ یہ تیسرا مسلمان ابھی تو بڑے مزے سے سویا ہوا ہے۔ اس پر کسی چیز کا اثر ہی نہیں ہوتا۔ تیسرا مسلمان کب جاگے گا۔۔؟ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے۔ اللہ کی محبت میں شاید نہ جاگے، رسول ﷺ کی محبت میں ضرور جاگے گا...... یہ حدیث رسول ﷺ ہے کہ دجال خروج کرے گا، شام سے گذرے گا، عرب میں داخل ہوگا، مکہ سے گزرے گا مگر مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا، وہاں ملائکہ متمکن ہوں گے۔ مسلمان جب اس انداز کو دیکھے گا تو جو ہاتھ میں ہوگا، لے کر نکل آئے گا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فتنۂ اسرائیل ختم ہو جائے گا۔

خواتین و حضرات! اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی حلاوت تین چیزوں میں ہے: جب اللہ کو ایک دفعہ مان لو تو اس کی ذاتِ گرامی میں کسی کو شریک نہ کرو۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو تم نے ایمان کا مزہ چکھ لیا اور دوسری چیز یہ کہ مجھے جان و مال، عزت و حرمت، بال بچوں اور اپنی زندگی کے ہر قیمتی اثاثے سے بڑھ کر سمجھا اور نہ صرف بڑھ کر سمجھا بلکہ اپنے رسول سے ایسے محبت کی...... آپ حیران ہوں گے، میں آپ کو مسلمان کی پہچان بتاتا ہوں۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے ایک انٹرویو سنا۔ وہ خاتون جو مسلمان ہوئی، جس پر الزام لگا تھا کہ یہ طالبان کی مخبر ہے۔ اس سے انٹرویو

لیا گیا کہ وہ مسلمان کیسے ہوئی تو اس نے کہا کہ مجھ سے طالبان نے وعدہ لیا تھا کہ چھوڑ تو رہے ہیں مگر ایک شرط ہے کہ قرآن پڑھنا، تو اس نے کہا کہ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں قرآن پڑھوں گی۔ خواتین وحضرات! باقی چیزوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آخر میں اس سے ایک سوال پوچھا گیا: میں آپ کو ایمان کی حلاوت کا بتا رہا تھا، اس سے پوچھا گیا کہ What do you consider about the prophet Mohammad? اس نے کہا اس سے پہلے میں ان کو جانتی بھی نہ تھی، مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کون ہیں؟ مگر جب سے اسلام قبول کیا ہے، جب سے قرآن پڑھا ہے، اگر میری استطاعت ہو تو محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت وحرمت کیلئے میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کیلئے تیار ہوں۔ خواتین وحضرات! یہ ایمان کی نشانی ہے۔ جب اس نے یہ بات کی تو مجھے پورا یقین ہوا کہ وہ اصلی اخلاص سے مسلمان ہوئی ہے۔ جب کوئی مسلمان مخلص ہوتا ہے تو اپنے رسولؐ سے کتنی محبت کرتا ہے، اسکا اندازہ صرف اس کے دل کو ہو سکتا ہے، دماغ سے نہیں ہو سکتا اور خواتین وحضرات! تیسری وجہ حلاوتِ ایمان یہ ہے کہ جب ایک دفعہ آپ درجہ اخلاص پالیں، خدا کی محبت اور پہچان پالیں، رسول اللہ ﷺ کی محبت اور پہچان پالیں تو پھر کفر کی جانب دوبارہ پلٹنے، کسی ناقص فطرت کی جانب پلٹنے سے اتنا ہی ڈرو جتنا سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنے سے ڈرتے ہو۔

آپ خدا سے ڈرتے کیوں ہو؟ وہ ڈرانے والا ہے......؟ کس نے کہا کہ خدا آپ کو عذاب دے گا؟ عذاب کی ساری آیات نکال لو، دیکھو تو سہی کہ خطاب کس کو ہے؟ کیا مسلمان کو خطاب ہے؟ کیا جہنم کی وعید آپ کو دی جا رہی ہے؟ آپ کا تو standard ہی اللہ نے بڑا low رکھا ہے۔۔۔ ہاں خدا کو گلہ ہے کہ تم اس سے ڈرتے رہتے ہو، بھلا جس شخص سے انسان خوف کھائے کیا اس کے قریب جا سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کی فطرت ہے کہ اپنے محسن سے محبت کرتا ہے، اے کاش! کہ انسان کو پتہ ہو کہ اللہ انسان سے کتنی محبت کرتا ہے۔۔۔!!! اگر تمہیں پتہ ہو کہ خدا تم سے کتنی محبت کرتا ہے تو پھر تمہارے اندر اللہ کیلئے جو انس پیدا ہوگا، وہ اصل ایمان ہے، وہ صحیح ایمان ہے۔ ذرا دیکھو تو سہی کہ اللہ کیا چاہتا ہے؟ اللہ چاہتا ہے کہ ڈر ڈر کر مرو؟ قبر کے عذاب سے ڈرو؟ یہ ساری باتیں آپ کس سے کرتے ہو؟ اس اللہ سے...... خداوند کریم کہتے ہیں کہ

''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ '' (آل عمران 92:3)

میری محبت میں تمہیں باقی محبتیں قربان کرنا ہوں گی ورنہ تم مجھے نہیں پا سکتے۔ یہ نہیں کہا کہ خوف سے

بلکہ کہا کہ میری محبت میں تمہیں باقی محبتیں قربان کرنا ہوں گی۔ پھر فرمایا کہ مجھے تم ڈر کے کیوں یاد کرتے ہو؟ خوف سے کیوں یاد کرتے ہو؟ بھئی مجھے اپنا جان کر یاد کرو۔۔۔

"فَاِذَا قَضَیتُم مَّنَا سِکَکُمْ فَاذکُرُوا اللہ" (البقرۃ 200:20)

جب کام کاج پورے کر لو تو اللہ کا ذکر کرو، جیسے اپنی ماں کا کرتے ہو، جیسے اپنے باپ کا کرتے ہو، جیسے آباؤ اجداد کا کرتے ہو، ڈر کے مارے یاد کرتے ہو؟ خوف سے یاد کرتے ہو کیا؟ کیا کانپ کانپ کر دیا کرتے ہو؟ "فَاذکُرُوا اللہَ کَذِکرِکُم اٰبَآءَ کُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکرًا" مجھے ذرا زیادہ پیار سے یاد کرو، زیادہ محبت سے یاد کرو تا کہ مجھے معلوم ہو کہ میرے بندے کی ترجیح اوّل میں ہوں۔ میں اس کا وارث ہوں، میں اسے زندگی کا پہلا سانس دیتا ہوں، میں اسے آخری سانس دیتا ہوں، میں تمہیں ماں باپ دینے والا ہوں، کیا تم آسمان سے ماں باپ لے کر آئے ہو؟ میں نے تمہیں ماں باپ دیئے ہیں، میں تمہیں بچے دیتا ہوں، میں تمہیں شوہر اور ازواج دیتا ہوں۔ جب تمہارے سارے کام ہی میں کر رہا ہوں، رزق بھی تمہیں میں دے رہا ہوں اور عزت لینے کہاں جاتے ہو؟ "فَاِنَّ العِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیعًا" عزت بھی میں ہی دیتا ہوں، مرض میں دیتا ہوں، شفا میں دیتا ہوں، تمہارا تصور تمہیں میں عطا کرتا ہوں، میں تمہارا خیال ہوں، میں تمہارا ظاہر و باطن ہوں:

"ھُوَ الاَوَّلُ وَالاٰخِرُ وَ الظَّاھِرُ وَالبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شِیءٍ عَلِیمٌ" (الحدید 3:57)

کمال ہے......! میں تمہارے سانس کے ساتھ سانس لیتا ہوں، مجھ سے محبت نہیں رکھو گے ؟ تمہاری ساری محبتیں جھوٹی ہیں، تمہارے سارے آسرے جھوٹے نکلیں گے، مگر ہم جس کے دوست ہوتے ہیں، خدا کہتا ہے: جو ہمارے دوست ہوتے ہیں، ان پر دو چیزیں نہیں ہوتیں:

"اَلَآ اِنَّ اَولِیَآءَ اللہِ لَا خَوفٌ عَلَیھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ" (یونس 62:10) خوف نہیں ہوتا، غم نہیں ہوتے۔

خواتین و حضرات! پوری کی پوری زندگی ان دو چیزوں سے مزین ہے۔ عصر حاضر کا نام ہے، برباد ذہن، اجڑی ہوئی فکریں، نامراد دل، ہر چیز ہوا و ہوس میں لپٹی ہوئی......مگر کیا عجیب بات ہے کہ ایک شمع روشن ہے، ایک طاقچے میں ایک چراغ جلتا ہے۔ اس چراغ سے ایک نور پھوٹ رہا ہے، جو تمہارے دلوں کی محرابوں تک آتا ہے اور اس میں سے آواز آتی ہے کہ میں ہوں تمہارا دوست......اگر تم میرے دوست ہو تو تم میں خوف اور حزن نہیں ہوگا۔ ہمیں کیا پڑی ہے کہ تمہیں عذاب دیں۔ دیکھو وہ قانون دے رہا ہے، روز تم گلے کرتے ہو کہ ہم پر مصیبتیں آئی ہیں، روز گلے

کرتے ہو کہ عذاب چلا آرہا ہے اور اُدھر وہ کیا کہہ رہا ہے؟ کہ ہمیں کیا پڑی ہے کہ تمہیں عذاب کریں ''اِن شکَر تُم وَ اٰمَنتُم'' اگر تم ہمیں یاد کرنے والے ہو، اگر تمہیں پتہ ہے کہ کوئی تمہارا خدا ہے، تمہارا وارث ہے، تمہارے بچوں کا وارث ہے، تمہارے ماں باپ کا وارث ہے تو ''اِن شَکَر تُم وَ اٰمَنتُم'' ہم بہرے نہیں ہیں۔وَ کَانَ اللّٰہُ شَاکِراً عَلِیماً'' تمہیں یہ یقین نہیں ہے کہ ہم تمہارا شکر قبول کرنے والے ہیں۔لات وعزیٰ کی طرح نہیں ہیں، اندھے اور بہرے بت نہیں ہیں، میں سوچنے اور سمجھنے والا خدا ہوں، میں نے تمہیں سوچنے سمجھنے کیلئے عقل دی ہے، تم مجھ سے بھاگ کر کہاں جاتے ہو؟ اگر بھاگ کر جاؤ گے تو یاد رکھو میرا اصول ہے کہ جس شخص نے خدا کے ضمن میں کوتاہی کی تو وہ اسے کبھی سکون نہ دے گا۔سبحان اللہ آج کا مسلمان کہتا ہے......

ہر آدمی کی اپنی ترتیب ہے۔کوئی اٹھتا ہے، کہتا ہے کہ ساری تسبیحات اور وظائف ناقص ہیں، بس نماز پڑھو، روزے رکھو۔اس کے بعد ڈنڈا لے کر لوگوں کے پیچھے لگ جاؤ اور ان کو روزے رکھواؤ، نمازیں پڑھاؤ۔جو ہاتھ آئیں گے وہ سدھر جائیں گے اور جب تک ڈنڈا چلتا رہے گا لوگ نماز پڑھتے رہیں گے۔

یہ طریق مذہب ہو گیا ہے کہ حوصلہ نہیں رہا، اخلاق نہیں رہا، اخلاص نہیں رہا، ایک مسلمان بھائی کا احترام اور انتظار نہیں رہا۔شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ مروت یہ ہے کہ جب تو کسی گناہگار بھائی کو دیکھے تو سب سے پہلے خدا کا شکر ادا کر کہ تجھ میں یہ عادت نہیں ہے اور پھر اس بھائی کیلئے دعا کر کہ اے اللہ! اسے بھی نجات عطا کر۔۔۔مگر خواتین وحضرات! تصوف دور کی بات نہیں، ولی ہونا دور کی بات نہیں، ولی ہونا ہی آپکا مقدر ہے۔۔۔اس لئے کہ دو ہی ولی ہیں، تیسرا کوئی ولی نہیں ہے۔آپ کیوں مایوس ہو؟ کیا آپ دعویٰ ولایتِ خداوند نہیں رکھ سکتے؟ کیا اللہ نے آپ کو بتایا نہیں کہ بڑی بات کون سی ہے؟ ''اُتلُ مَا اُوحِیَ اِلَیکَ مِنَ الکِتَابِ'' اللہ کی مرضی جاننی ہے تو قرآن پڑھو، جس سے منع کیا ہے، منع ہو جاؤ، جس کی طرف بلاتا ہے، اس طرف چلے جاؤ، اس کے احکامات پورے کرلو، سو فیصد نہ سہی، پچاس فیصد ہی پورے کرلو، قرآن پڑھو تو سہی، اوامر سے آگاہ ہو جاؤ، نہی سے آگاہ ہو جاؤ۔''وَاَقِمِ الصَّلٰوۃ'' نماز قائم کرو، اس لئے نہیں......methodology نہیں......excercise کے لئے نہیں...... یہ رحمتِ خداوندی کی ایک technique ہے، قاعدہ بنا دیا کہ چلو جو شخص نماز میں آئیگا، اُسے عذر نجات مل جائے گا۔کیوں مل جائے گا؟ فرمایا: ''اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکرِی'' نماز اس لئے نہیں ہے، کوئی جبر کا قاعدہ

اور قرینہ نہیں ہے، کوئی forceable conversion نہیں ہے، تمہیں تھکانے کیلئے نہیں ہے۔ ایک بہانہ ہے خدا کا......

تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیئے

تم پانچ وقت آ جاؤ گے، چاہے کسی دل سے آ جاؤ، سستی سے آ جاؤ، جبراً آ جاؤ...... مجھے بہانہء نجات مل جائے گا، میں تمہیں بخش دوں گا۔ نماز میری یاد کیلئے ہے، قرآن میرے ذکر کے لئے ہے: ''نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ'' ہم نے اس یاد کو نازل کیا ہے۔ قرآن پڑھتے ہوئے بھی خدا یاد آئے گا، نماز پڑھتے ہوئے بھی خدا یاد آئے گا مگر ''وَلَذِکرُ اللہِ اَکبَر'' یہ تمہاری choice کی یاد ہے۔ قرآن میں میں مجبوراً یاد آؤں گا، نماز میں بھی تم جبراً مجھے یاد کرو گے مگر تسبیح تو تم تب ہی پکڑو گے ناں، جب دل چاہے گا، یہ تمہارے دل سے دل کو جائے گی۔ یہ نماز سے بڑی بات ہے، قرآن سے بڑی بات ہے، وہ قاعدہ اور قانون ہے، اس سے نجات نہیں۔ کون ایسا شخص ہے جو محبتِ خداوند کا دعویٰ کرے اور خدا اس سے کہے کہ نماز کیوں نہیں پڑھتے، تم تو بڑا دعویٰ کر کے آئے تھے قربتِ خداوند کا...... مگر تم تو عمومیت میں شامل نہیں ہو سکے تو خصوصیت میں شامل کیسے ہو سکتے ہو۔ ایک کام ہے جو میں تمہیں پانچ دفعہ کرنے کا کہہ رہا ہوں، وہ تو تم کر نہیں سکے ہو...... کیا واہیات سی بات ہے......! لوگ عمومیت سے اٹھ کر خصوصیت کی طرف جاتے ہیں۔ ہم سب عام سے لوگ ہیں، اسی محبت کے شعور کی وجہ سے آگے بڑھتے ہیں، اللہ کی قربت اور ہمسائیگی کی طرف بڑھتے ہیں۔ پھر خدا ہمیں اعتدال عطا کرتا ہے۔

خدا کی محبت کے تین اصول ہیں: اللہ کو ترجیح اوّل سمجھنا اور ترجیح اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتی جب تک کہ آپ تسبیح نہ کرو۔ جب یہ دو کام آپ کر لو گے تو خدا جواباً آپ کو غم وغصہ سے نجات دے گا، آپ کو ابتلاء سے نجات دیگا، آپ کے مسائل سے نجات دے گا، آپ کو اعتدال کی زندگی دے گا، امن وسکون دے گا، کیفیتِ خوف بدل دے گا، محبت واخلاص کا دعویٰ ہو گا کہ جو لوگ ہمیں دل سے یاد کرتے ہیں، ہم ان کے دروازے اور طاق بلند کر دیتے ہیں، ہم ان کی عزتیں بڑھا دیتے ہیں، ان کو محبتوں کا مرکز کر دیتے ہیں، خلوص ووفا کی محرابیں بنا دیتے ہیں......

جلتے ہر شب ہیں آسماں پہ چراغ
جانِ یزداں ہے منتظر کسی کا

''یٰحَسرَتً عَلَی العِبَاد'' اے لوگو! مجھے حسرت ہے کہ جن کو میں نے اپنی محبت کیلئے بنایا تھا،

میرا خیال تھا کہ وہ عقل سے کام لے گا، سوچے گا، سمجھے گا، تفکر میں جائے گا اور تہہِ قلب سے پکارے گا:

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

تب میں جانوں گا کہ میرا دعویٰ درست ہے، میں نے جو انسان پر claim رکھا تھا کہ: "اِنِّـــــیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" یہ میرا محبوب ہے، میرا انسان ہے، مجھے اس پر ناز ہے مگر تم میرے حق ادا نہ کر سکے۔

خواتین و حضرات! اللہ ہمیں توفیق دے سوچنے سمجھنے کی، خدا سے اُنس کی...... اللہ کے بارے میں سوچو مگر محبت سے سوچو، ڈر سے نہیں، خوف سے نہیں، وحشت و اضطراب سے نہ سوچو...... یہ چیزیں تو وہ دور کرتا ہے۔ آپ پیار سے سوچو، کبھی بھولے بسرے انداز میں اسے یاد بھی کرو۔ جب آپ یاد کرو گے تو خدا پہ ایمان رکھنا کہ:

"فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ" (البقرة 152:2)

(پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔)

ہماری یاد ناقص ہے، ہم انسان ہیں، ہمارے ذہن بھٹکتے پھرتے ہیں، ہم اسے اچھی طرح یاد نہیں کر سکتے مگر پھر بھی کرتے ہیں۔ ہماری ناقص یاد کے عوض وہ ہمیں اپنی بہت خوبصورت یاد کے قابل بناتا ہے۔

"وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ" (البقرة 152:2)

(اور میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔)

یہی شکر ادا کرنا ہے، یہی دل سے اقرار کرنا ہے۔

سوال: مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں ہے کہ امام مہدی کا نام میرے نام پر ہو گا، ان کے والد کا نام بھی میرے والد کے نام پر ہو گا اور ان کی عادات بھی مجھ سے مشابہ ہوں گی جب کہ آپ کے یعنی پروفیسر صاحب کے کچھ شاگردوں کے بارے میں مشہور ہو رہا ہے کہ وہ پروفیسر صاحب ہی کو امام مہدی مانتے ہیں۔ حدیث کے ان منکرین کے بارے میں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ ان کے بارے میں آپ کا کوئی پیغام؟ اور کچھ پروفیسر صاحب کے بارے میں مجدد کا گمان کرتے ہیں۔ اس پر کچھ روشنی ڈالیئے۔

جواب: یہ برصغیر کی بدقسمتی ہے کہ تھوڑی سی above average ذہانت بڑی بڑی غلط فہمیوں میں ڈال دیتی ہے۔ میرے اپنے نزدیک تاریخ کے توارد سے، جب سے انگریز یہاں آئے

اور جب سے ہم یہاں موجود ہیں، حاکم ومحکوم کا سلسلہ، غلام وآزاد کے سلسلے جاری رہے۔ اس کے نتیجے میں ایک مسلسل احساسِ کمتری ہمارے بنیادی اسباب میں داخل ہو چکا ہے اور اس احساسِ کمتری کے نتیجے میں وہ لوگ جو ذرا سی عقل کو فروغ پاتے دیکھتے یا جو ذرا سیانے ہوتے، جن کو لسانیت ملتی یا جن کو خیال کی تھوڑی بہت وسعت ملتی، وہ کوئی بڑا دعویٰ کر بیٹھتے۔ پچھلی نصف صدی سے یہ تسلسل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بڑے بڑے talent ضائع ہو گئے۔ tripost کرنے والا ایک انتہائی ذہین mathematician اگر mathematics کو توجہ دیتا تو یقین تھا کہ آج وہ رسل یا Wittgenstein کے برابر ہوتا مگر بدقسمتی سے اس نے لیڈر بننے کے شوق میں اپنے آپ کو سیاست میں ڈال دیا۔ علامہ عنائت اللہ مشرقی جس کو ''المشرقی'' کا خطاب ہی اس کی ذہانتِ حسابیہ کہ وجہ سے ملا مگر جب اسکا شعور بڑھا تو بجائے اپنے subject میں ترقی کرنے کے، وہ ایسے subject میں چلا گیا جو اس کا نہیں تھا اور ایک بہت بڑا عالم بہت بڑی بدقسمتی کا شکار ہو گیا۔

یہاں جب تحریکات شروع ہوئیں تو آپ دیکھو گے کہ لوگوں کو امیرِ جماعت بننے کا بڑا شوق پیدا ہوا، ایک normal talent کا بندہ کبھی ایک جماعت بنا کر امیر بن گیا اور کبھی دوسری جماعت بنا کر امیر بن گیا۔ تمام کے ذہن میں ایک خبط سوار رہا کہ شاید یا ہم مجددِ عصر ہیں یا ہم مہدیء آخرالزماں ہیں یا ہم کسی انقلاب کے بانی ہیں یا ہم کسی انقلاب کے لیڈر ہیں یا ہم وہ جماعت ہیں جنہوں نے selection of the world of Islam کرنی ہے۔ یہ وہ بدقسمتی ہے، جو ہر چھوٹی بڑی جماعت کے مفکر اور چھوٹے بڑے عالموں کے ساتھ پیدا ہو گئی۔ کچھ عالم ایسے بھی تھے جو معمولی تعلیمات کے مالک تھے، جیسے مرزا غلام احمد قادیانی تھے جنکے scholastic knowledge بہت محدود تھے، اتنے محدود کہ ابھی پورے کائناتی اور وسیع تر علم کی انہیں ہوا تک نہیں لگی تھی مگر انہوں نے قرآن کی interpretation شروع کر دی جس کے نتیجے میں وہ حدیثِ رسول ﷺ پوری ہوئی کہ زمانہء آخر میں دین لونڈوں کھونڈوں کے ہاتھ میں آجائے گا۔ اس کی مثال آج بھی آپ کے سامنے ہے کہ جن لوگوں کو کبھی شعورِ علم بھی نہیں ہوا وہ ٹی وی پر یا کسی ذریعہء ابلاغ پر آ کر ایک بہت بڑی علمیت کے مظاہرے کرتے ہیں۔ آپ کے سامنے ابھی دو بہت بڑے نام ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے کئی لوگ ان کو بہت appreciate کرتے ہوں گے مگر انکا credit کیا ہے؟ دیکھئے کہ زمانے اور عصر میں کسی بھی

استاد کو جب teaching کرنی ہوتی ہے تو سب سے پہلے اس کے سامنے پرابلم یہ ہوتا ہے کہ جب گھر کو آگ لگی ہو تو کون دیوانہ ہے جو کرسیاں بچاتا پھرے، کون ہے جو دروازوں کے پردے اتارتا پھرے، جب گھر کو آگ لگی ہو تو آپ سب سے پہلے اپنی قیمتی چیز کو بچاؤ گے، اگر عالمِ اسلام کا بحران دیکھا جائے تو اول و آخر خدا اب کسی کی priority نہیں رہا۔ ہمارا centre of accountability اللہ نہیں رہا۔

اقبال واحد ایک مفکر تھا جو اتنا intoxicate نہیں ہوا۔ وہ علم میں شناخت میں سب سے بڑھ کر تھا مگر اس کو کوئی intoxication نہیں ہوئی۔ آئن سٹائن کو دیکھیں، اس نے دنیا کی تاریخ بدل دی۔ رسل کے نام اکیسویں صدی ہے مگر آپ نے کبھی ان کے نام کے ساتھ کوئی دوسرا نام سنا ہے؟ آپ ان کو آئن سٹائن اور رسل ہی کہیں گے مگر ہمارے ہاں کوئی شخص اپنے آپ کو مکمل نہیں سمجھتا جب تک کہ حجۃ الاسلام نہ لکھ لے، جب تک نابغہء عصر اور علامہء دہر نہ لکھ لے۔ یہ جو تعریف و توصیف کے القابات ہیں، ان میں دو بڑے characters اور بھی ہیں جیسے ایک صاحب اٹھتے ہیں اور لکھتے ہیں مجددِ عصر...... ایک صاحب آگے بڑھتے ہیں تو لگتا یہ ہے کہ یہ مہدی کے status کو پہنچنے والے تھے، ابھی پہنچے نہیں ہیں...... یہ سارا فساد اُس حُبِ جاہ کا ہے، اور تکبراتِ ذات کا ہے، جو ایک جماعت اپنے امیر کو دیتی ہے اور ایک امیر جان بوجھ کر اپنی جماعت کو اپنے status کے ساتھ گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ We are all very common people بڑا مشکل ہے یہ کہنا کہ ہم میں سے کوئی وہ ہیں، ہاں! ہم اُپنے آپ کو مسلمان کہہ سکتے ہیں اس لیے کہ ایک عمومی درجہء اسلام تک ہم پہنچ سکتے ہیں مگر مومن کون ہیں؟ اسکا judge نہ میں ہوں، نہ آپ ہیں...... ولی کون ہے؟ اسکا جج نہ میں ہوں نہ آپ ہیں۔ جو چیز خدا کے علم میں ہے، وہ میرے علم میں نہیں ہے۔ جو میری شناخت اللہ کے پاس ہے، وہ میری شناخت نہیں ہے۔

زمین و آسمان میں آج تک کوئی جماعت ایسی نہیں گزری، کوئی گروہ بندگانِ خدا ایسا نہیں گزرا جس کو خود اللہ نے لکھ کر دے دیا ہو کہ رضی اللہ عنہ و رضی اللہ عنہم کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے۔ آج تک زمین و آسمان میں اصحابِ رسول ﷺ کے علاوہ کوئی شخص کسی تکبرِ ذات کا مجاز نہیں، کسی بزرگی کا مجاز نہیں۔ اس کے بعد یہ سوال کتنا بے معنی ہو جاتا ہے! ہمارا تعلق لوگوں کے ساتھ اس صحرا نشین کا سا ہے کہ جس میں سے ایک قافلہ جب پہلے گزرتا ہے تو وہ کسی نخلستان کی نشان دہی کر سکتا ہے، کسی چشمے کی خبر دے سکتا ہے تا کہ پیچھے آنے والے مسافروں

کواس راہ گزر سے امکانی طور پر شناسائی ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کے رستے میں اس نے مجھے تھوڑی بہت بھی کسی شناخت کا مالک کیا ہے تو میں اسے ازخود بھی نہیں لوگوں تک پہنچا سکتا۔ اللہ کہتا ہے کہ علم ایک ایسی امانت ہے کہ میں خوب اچھی طرح دیکھ لیتا ہوں کہ کس کے دل میں اسے رکھنا ہے اور یہ علم ایک ایسی امانت بھی نہیں کہ جسے آپ فلموں میں لے کر پھرو۔ اس کے حقدار بھی بڑے مخصوص لوگ ہیں۔ ہر آدمی اس کا حقدار بھی نہیں۔ جسے خدا چاہتا ہے، اسے کسی پیغام تک پہنچا دیتا ہے۔ کیا ضرورت ہے ایسے القابات کی، جو نہ صرف غیر ضروری ہیں بلکہ غیر اخلاقی بھی ہیں۔ جب مہدی بھی اپنا دعویٰ خود نہیں کرے گا تو کوئی دوسرا اس کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے؟ مہدی کے بارے میں تمام احادیث متفق ہیں کہ مہدی اپنا دعویٰ خود نہیں کرے گا۔ وہ تو بیچارہ شرمیلا سا بندہ ہے، وہ تو لوگوں سے بھاگتا پھرے گا، بلکہ لوگ زبردستی اس کو اس دعویٰ سے آشنا کریں گے اور وہ پھر بھی لوگوں کی قیادت سے انکار کرے گا تا آنکہ پروردگار کوئی اسباب پیدا کریں گے، تب کہیں جا کر اس درجۂ مہدیت کا خداوند تعالیٰ خود اعلان فرمائیں گے اور جب اس کی برکت، اس کی شناخت، اس کی قدر کسی فرد پر طلوع ہو گی تو کسی بندے کو اس کے بارے میں شک و شبہ نہیں رہے گا، اس لیے میرے خیال میں یہ سوال غیر ضروری بھی ہے۔ اس سے گریز کرنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ ہر اس دعویٰ سے پناہ دے جس کا جواز اُس میں موجود نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

احسن التقویم

پروفیسر احمد رفیق اختر